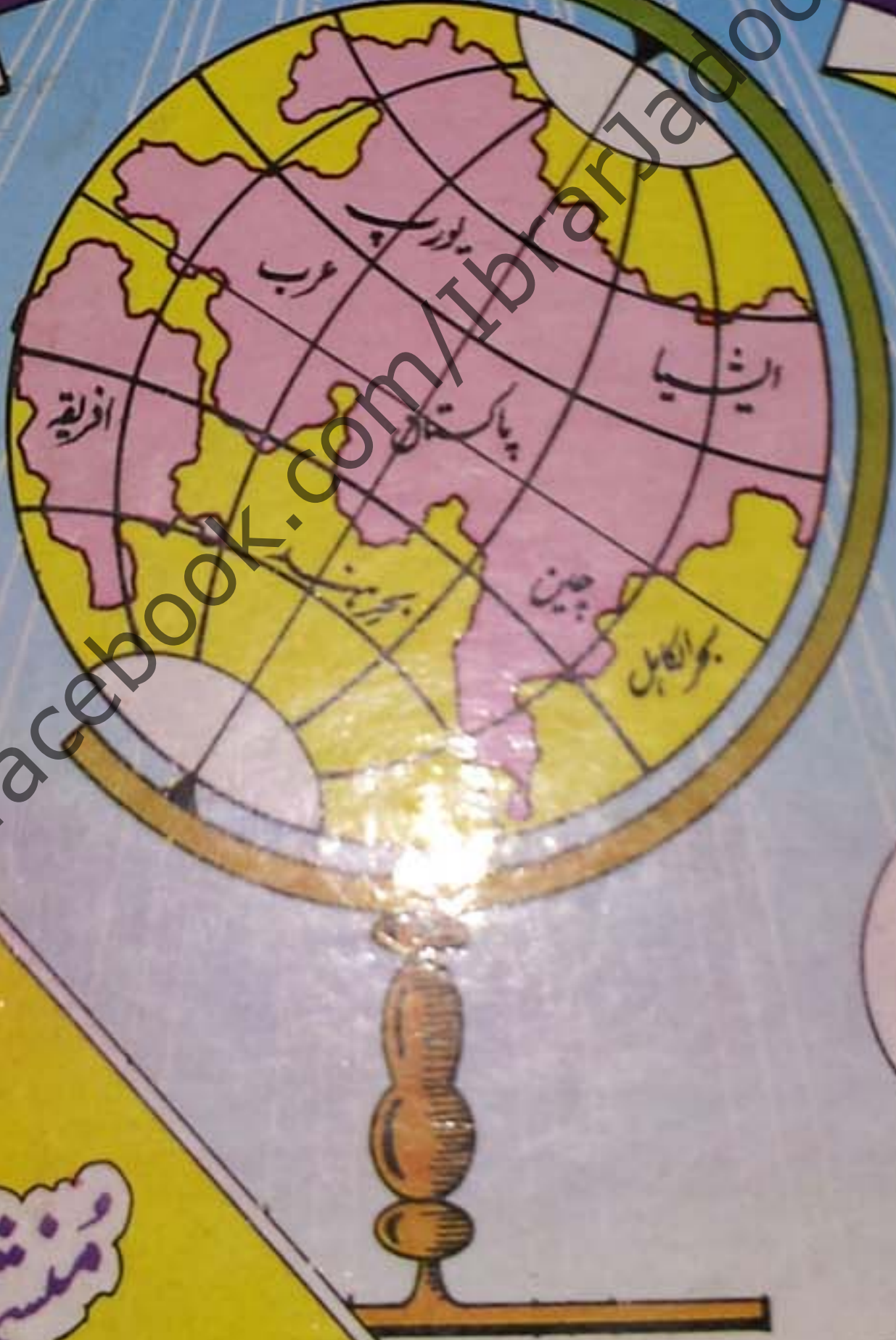


پیشانی

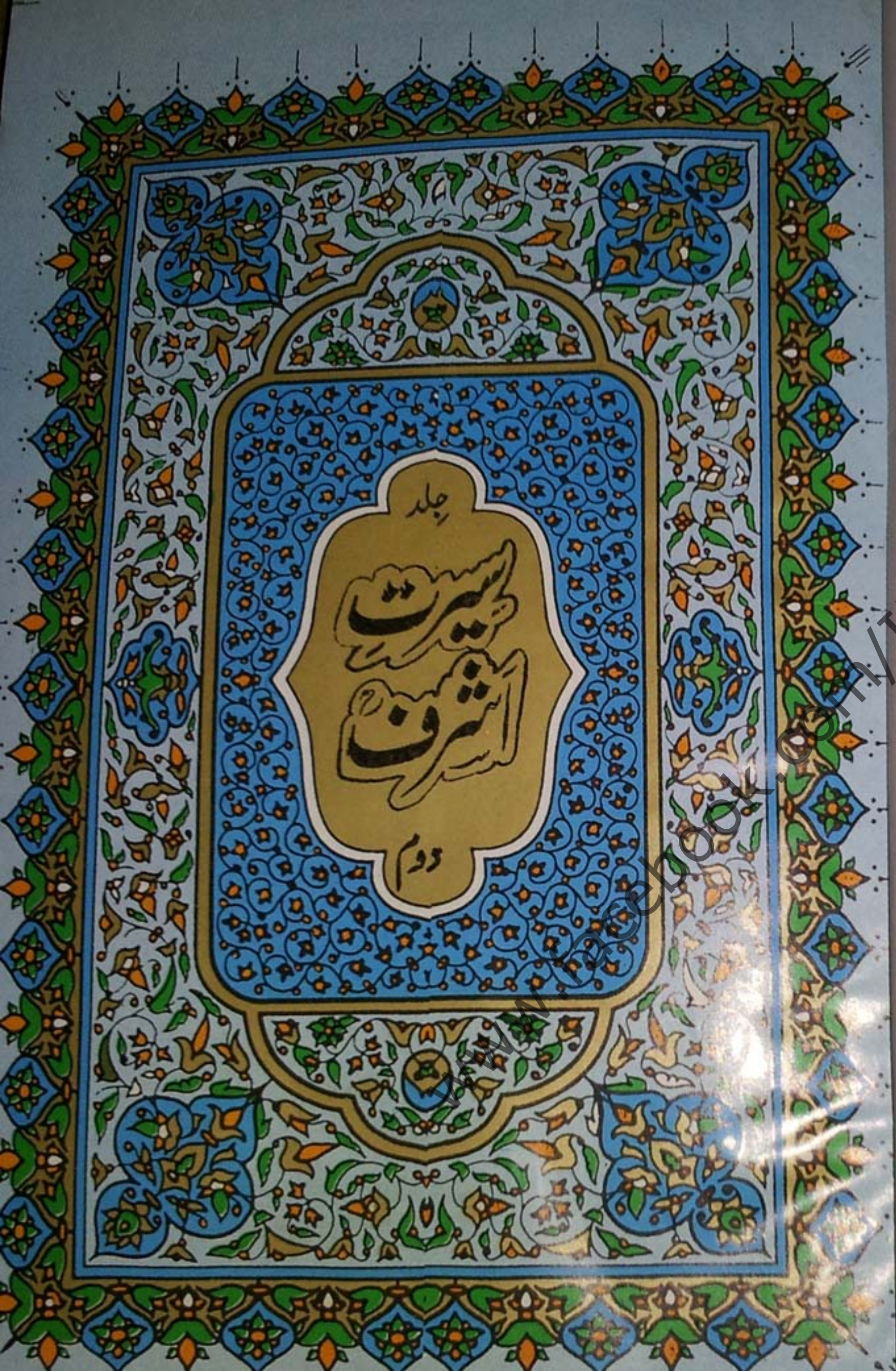
حکیم المحدث الملتزم مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ



4

منشی عبدالرحمن خان

احمد ابراہیم شریفی بیرون بوہڑ گیٹ فاضل نمبر ۲۰۵۰۱



www.IbrarJadoonPage

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

سیرت اشرف

سوانح عمری حکیم الامت، مجدد الملت
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حصہ دوم

مؤلفہ: منشی عبدالرحمن خانؒ

© : 40501

ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان

ترتیب

حصہ سوم اصول زندگی

صفحہ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر
۴۳	۳۷- تصوف	خانقاہ انداز
"	شریعت و طریقت	حقیقت خانقاہ
۴۴	اقسام مشائخ	وجہ تسمیہ
۴۵	اقوال صوفیاء	وسعت خانقاہ
"	تصوف اور قرآن	نظم و ضبط
"	صورت حال	سوالنامہ
۴۸	حقیقت تصوف	اوقات نامہ
۴۸	تجدید تصوف	اصول استثنیٰ
۵۰	سلاسل ربوہ	شرائط حاضری
۵۱	جامع اصول	دستور العمل
۵۲	مجاہدات اربع	منشاء مصلحت
۵۳	۳۸- مجاہدہ نفس	دستور تدارک
۵۵	ضرورت نگرانی	دستور سلف
۵۵	شاہی سلوک	اجتماعی حاضری
۵۶	فریب نفس	لنگر خانہ
۵۷	نگرانی نفس	مہمان داری
۶۸	سامان راحت	طریق استقبال
۶۰	۳۹- راحت رسانی	اہتمام راحت
۶۱	حقیقت راحت	قواعد ملاقات
۶۲	اصول راحت	دستور خدمت
"	اپنے لئے	نظم مجلس
۶۳	دوسروں کے لئے	نشت گاہ خاص
۶۴	ملاقاتیوں کے لئے	دیگر قواعد
۶۵	مہمانوں کے لئے	ماجدی جائزہ

کہیں نہ دیکھا، کہیں نہ پایا، جمالہ ایسا، کمالہ ایسا
 دکھائے کوئے اگر ہود عویں، جمالہ ایسا، کمالہ ایسا
 زیر نظر کتاب ایک ایسے صاحب سیرت و عہدہ کے ہیں، پیشہ گوئی اس
 قبلہ از ولادت، بچپن، جوانی، تعلیم، کردار، اقوال،
 تعلیمات وغیرہ کا نادر، نافع، مستند اور قابلہ مجموعہ ہے۔
 جس میں صاحب سیرت "اشرف الاولیاء، قطب الارشاد،
 شیخ السائخ، مجدد الملت، حکیم الامت حضرت مولانا شاہ
 محمد اشرف علی صاحب تھانوی حنفی، جتے، مبارک، انداز
 نور اللہ مرقدہ۔ اس زمانہ میں ایک ایسے بزرگ کی باتیں اللہ تعالیٰ کے جہات سے
 طیبہ، علم و عمل کا لائق اور ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے
 جامع، تیار اور بے نظیر حیثیت کے حامل اور جن کا ہر قول و فعل
 انسانیت کے لئے مشعل راہ نیز اخلاق محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع نمونہ
 غرضیکہ کسی بھی پیر کو تشنہ طلب نہیں چھوڑا گیا اور
 جبریں عمری تقاضوں کے عین مطابقت زمانہ عالم کے مسلمانوں کے
 دنیاوی و دینی رہنائے کے لئے ایک نابغہ روزگار مجموعہ۔

۱۳۲	شرافت نفس	۱۱۵	حقوق العباد
۱۳۳	اعلان جنگ	۱۱۶	پابندی شریعت
۱۳۵	نتیجہ جنگ	۱۱۶	حجت شرعی
۱۳۶	پروپاگنڈا کا نتیجہ	۱۱	کمال احتیاط
۱۳۷	نوعیت مسائل	۱۱۸	بے نظیر مثال
۱۳۸	شیخ الہند سے اختلاف	۱۱۹	اعلان عام
۱۳۹	شیخ الہند کی عنایات	۱۲۰	استحقاق شرعی
۱۵۰	شیخ الاسلام کا رجوع	۱۲۰	حق مساکین
۱۵۱	اکابر دیوبند کا اختلاف	۱۲۲	۳۷- دیانت و شرافت
۱۵۲	صلح کی مسرت	۱۲۲	نظام قدرت
۱۵۶	مولانا دینی کا معاملہ	۱۲۳	وہابی - سم
۱۵۷	افراط و تفریط	۱۲۴	بریلوی حملہ
۱۶۱	۳۹- ذکر و فکر	۱۲۶	میدان سے فرار
"	میانہ روی	۱۲۷	انکشاف حقیقت
۱۶۲	شیخ ابن عربی	۱۲۹	وجہ تاخیر
۱۶۳	حسین ابن منصور	۱۳۰	وہابیت کی تہمت
۱۶۴	مولانا احمد رضا خان	۱۳۱	کفر کا فتویٰ
۱۶۶	سر سید احمد خان	۱۳۲	شرافت کا انحصار
"	مولانا محمد علی جوہر	۱۳۲	مسک اشرف
۱۶۷	ارباب بدعت	۱۳۳	مخالفین کی رعایت
"	پیران زر	۱۳۴	ایک عجیب اہتمام
۱۶۹	ارباب علم و فکر	۱۳۷	عفو عام
۱۷۰	فقہاء و صوفیا	۱۳۸	سیاسی بہتان
۱۷۱	علماء کرام	۱۳۸	جواب باصواب
"	اہل حدیث	۱۴۱	دینی ضیاع
۱۷۲	جماعت اسلامی	۱۴۱	ازالہ ضیاع
۱۷۳	۵۰- تمہیل پاکستان	۱۴۲	۳۸- اختلاف و التفات
"	داستان پاکستان	۱۴۲	بہترین لوگ

۶۶	۳۰- فرمائشوں کے لئے
۶۷	۳۰- تعلیم و تربیت
۶۷	مہور زندگی
۶۷	تخصیص و معالجہ
۶۹	اہمیت اصلاح
۶۹	طریق اصلاح
۷۱	اذکار و اشغال
۷۲	دستور العمل
۷۳	برائے عامی مشغول
۷۴	برائے عامی فارغ
۷۵	برائے عالم مشغول
۷۵	برائے عالم فارغ
۷۷	کیفیات و تنبیہات
۷۸	توسط و اعتدال
۷۹	۳۱- بیعت
۷۹	حقیقت بیعت
۸۰	ضرورت ضابطہ
۸۱	شرائط بیعت
۸۲	دیگر شرائط
۸۴	عاف معاہدگی
۸۵	انتہائے ادب
۸۶	رعایت خاص
۸۷	تاکید خاص
۸۸	۳۲- حدیث
۸۸	اتباع سنت
۸۹	مقدار حدیث
۹۰	شرائط حدیث
۹۱	اقسام حدیث
۹۲	حدیث طلبا تعلق باللہ
۹۳	۳۳- تبرکات
۹۴	امتیازی وصف
۹۴	عطیہ شیخ
۹۵	ادب تبرکات
۹۶	نیز تبرکات
۹۷	احتیاط و ممانعت
۹۸	حصول تبرکات
۹۹	۳۴- عملیات
۹۹	خواص قرآنی
۱۰۰	مفید خدمت
۱۰۱	ارشاد مرشد
۱۰۱	گرائی طبع
۱۰۲	مواقع افکار
۱۰۲	قوت مستحیلہ
۱۰۵	تصرفات
۱۰۶	توجہ متعارف
۱۰۸	۳۵- مکاتبت
۱۰۸	خدمت خلق
۱۰۹	شرائط مکاتبت
۱۱۱	حصول جواب
۱۱۲	رسید طلبی
۱۱۳	منی آرڈر
۱۱۳	بیمہ یار جسٹری
۱۱۳	جواب رسائل
۱۱۵	۳۶- تحفظ حقوق

۲۰۷	اعتراف وفد	۱۷۴	تاریخی مفاظہ
۲۰۷	نقل یادداشت	۱۷۹	بنائے پاکستان
۲۰۹	مسودہ پر غور و خوض	۱۷۸	راہ عمل
۲۱۰	قانون تنسیخ نکاح	۱۷۹	مسلم لیگ کا دعوت نامہ
۲۱۱	آرمی بل	"	حضرت تھانوی کا جواب
۲۱۱	قائد اعظم کی وضاحت	"	وحدت خیال
۲۱۳	سیاسی کشمکش	۱۸۳	شرف اولیت
۲۱۳	سیاسی طوفان	۱۸۴	نظام پاکستان کا خاکہ
"	تحریک خلافت	۱۸۵	غرضیکہ
۲۱۵	شورش اور فتنہ	۱۸۶	عملی جدوجہد
۲۱۶	قاتلانہ حملہ	"	جہاد کی تیاری
۲۱۶	ندامت و خجالت	۱۸۷	مرکز اور امام کی ضرورت
"	دوسرا دور	"	۵۱۔ اصلاح معمار پاکستان
۲۱۸	سیاسی مسلک	۱۸۹	احساس تبلیغ
"	طلبا اور سیاست	۱۹۰	تبلیغی ہدایات
۲۱۹	سرپرستی سے استعفیٰ	۱۹۲	تبلیغی وفود
"	جہانسی الیکشن	۱۹۴	تبلیغی خطوط
۲۲۰	تائید اشرف	۱۹۵	نتائج تبلیغ
۲۲۱	کامیابی کا شکر یہ	"	تصدیق صدیق
"	تھانہ بھون میں جلسہ	۱۹۶	تائید اشرف
۲۲۲	نیامد و جزر	"	۵۲۔ آئینی سرگرمیاں
۲۲۲	مصالحت کی کوشش	۱۹۷	شرعی قوانین
۲۲۳	سوالنامہ بنام جمعیتہ العلماء	۱۹۸	تحریک تقرر قضاة
۲۲۴	ابتدائی سوالات	۱۹۹	قانون وراثت
"	دوسروں کے شبہات و اعتراضات	۲۰۱	جبری تعلیم
۲۲۶	سوالات از مسلم لیگ	۲۰۳	قانون اوقاف
۲۲۸	جمعیت علماء کا سکوت	۲۰۳	اصول بحث
			حاضر جوابی
۲۲۸	زعماء مسلم لیگ کا جواب	۲۲۸	
۲۲۹	اعلان مسلک	۲۲۹	
۲۳۰	وضاحت مسلک	۲۳۰	
۲۳۲	مجلس دعوت الحق	۲۳۲	
۲۳۳	تظہیر و تکفیر کی مساعی	۲۳۳	
۲۳۴	جمعیتہ العلماء ہند کی دعوت	۲۳۴	
۲۳۵	حضرت تھانوی کا جواب	۲۳۵	
۲۳۶	قتل کی دھمکی	۲۳۶	
۲۳۷	دھمکی کا جواب	۲۳۷	
۲۵۰	لیگ خاکسار اتحاد	۲۵۰	
"	صدر یونی مسلم لیگ کی طلبی	"	
۲۵۱	افہام و تقسیم اور اس کا نتیجہ	۲۵۱	
۲۵۲	سیاست کے کرشمے	۲۵۲	
۲۵۳	سر سکندر حیات خاں کو لکھا سا جواب	۲۵۳	
"	داستان شکوہ لیگ	"	
۲۵۷	نواب محمد اسماعیل خاں کی درخواست	۲۵۷	
۲۵۸	امداد	۲۵۸	
۲۵۹	علامہ مشرقی کا رویہ	۲۵۹	
"	اصلاح کی آخری سی	"	
۲۶۰	بیان اور فتویٰ کافریہ	۲۶۰	
۲۶۱	کانگریس کی مخالفت کی وجہ	۲۶۱	
۲۶۲	مخالفت میں احتیاط	۲۶۲	
۲۶۳	مسلک کی ندرت	۲۶۳	
"	سیاسی تحریکات میں عدم شرکت	"	
۲۶۴	بے نظیر استقلال و استقامت	۲۶۴	
۲۶۵	حصہ چہارم انجام زندگی	۲۶۵	
۲۶۶	۵۳۔ اہتمام اصلاح امت	۲۶۶	
۲۶۶	دور انقلاب	۲۶۶	
۲۶۷	اہتمام اصلاح	۲۶۷	
۲۶۸	بے خبری کے ازالہ کی تدابیر	۲۶۸	
"	طالبان احکام کا دستور العمل	"	
۲۷۰	ضروری التزام	۲۷۰	
۲۷۱	علماء احکام کا دستور العمل	۲۷۱	
۲۷۳	ضعف ہمت کے ازالہ کی تدابیر	۲۷۳	
۲۷۴	احتیاطی تدابیر	۲۷۴	
۲۷۵	کتب دینیہ کا پڑھنا یا سننا	۲۷۵	
۲۷۷	علماء دین سے مسئلہ پوچھا	۲۷۷	
۲۸۰	وعظ سننا	۲۸۰	
"	اہل کمال کی صحبت حاصل کرنا	"	
۲۸۱	گھر والوں کو خود پڑھانا	۲۸۱	
۲۸۲	۵۵۔ مجازین صحبت و بیعت	۲۸۲	
"	چشمہ فیض	"	
"	مجازین صحبت	"	
۲۸۳	مجازین بیعت	۲۸۳	
۲۸۵	عملی تربیت	۲۸۵	
۲۸۷	اخراج مجازین	۲۸۷	
"	درخشندہ ستارے	"	
۲۸۸	علامہ شبیر احمد عثمانی	۲۸۸	
۲۹۰	مولانا سید سلیمان ندوی	۲۹۰	
۲۹۳	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۲۹۳	
۲۹۶	مولانا ظفر احمد عثمانی	۲۹۶	
۲۹۷	مولانا مفتی محمد حسن امرتسری	۲۹۷	
۲۹۹	مولانا عبد الباری ندوی	۲۹۹	
۳۰۰	مولانا شبیر علی تھانوی	۳۰۰	
۳۰۱	مولانا قاری محمد طیب صاحب	۳۰۱	

۳۳۱	عہد ثانی پر اعتراض	۳۳۲	عبادات
۳۳۲	ایمانی و دنیویاں	۳۳۲	علم و عمل
۳۳۲	کمال عدل	۳۳۳	عیدیں
۳۳۲	بے ظہیر احتیاط	۳۳۳	میلاد النبی
۳۳۳	انتہائی رعایت	۳۳۳	مال و جاہ
۳۳۵	نوعیت تعلقات	۳۳۳	مصارف المعصیت
۳۳۶	خانہ کی خواہش	۳۳۴	مصوبت و راحت
۳۳۶	آرزوئے شیخ	۳۳۴	محبت و مودت
۳۳۶	اولاد	۳۳۴	موت و حیات
۳۳۷	ہا نشینی	۳۳۴	فضائل
۳۳۸	مولانا عثمانی کا تجسس	۳۳۴	نسوانیات
۳۳۹	حضرت کی وضاحت	۳۳۵	متفرقات
۳۳۹	مقام اشرف	۳۳۵	تفصیل اعتناء
۳۵۱	حقیقی ہا نشینی	۳۳۵	کتب معنی بہ
۳۵۲	۵۸۔ اہتمام سفر آخرت	۳۳۶	تالیفات مترجمہ
۳۵۲	صفائی معاملات	۳۳۷	پہنائے
۳۵۳	طریق و وصیت	۳۳۷	الغیر
۳۵۵	اثاث الہیت کے متعلق وصیت	۳۳۷	السلخ
۳۵۵	اہل حقوق کی وصیت	۳۳۷	الاجزاء
۳۵۶	علماء و طلباء کو وصیت	۳۳۸	الہادی
۳۵۸	دوستوں کو وصیت	۳۳۸	الہاد
۳۵۸	منتسبین کو وصیت	۳۳۸	اشرف العلوم
۳۵۹	قرض کے متعلق وصیت	۳۳۹	الاشرف
۳۶۰	امانات کے متعلق وصیت	۳۳۹	جدید اسنائے
۳۶۱	کتب خانہ کے متعلق وصیت	۳۳۹	کند لو کتب
۳۶۱	تالیفات کے متعلق وصیت	۳۳۹	حیرت فرنگی
۳۶۲	اصلاح مسودات کے متعلق وصیت	۳۴۱	۵۷۔ اہل و عیال
۳۶۳	غیر مکمل مسودات کی تکمیل کے متعلق وصیت	۳۴۱	ازواج محترمت

۳۳۵	متفرقات	۳۰۲	مکتوبات
۳۳۵	مکتوبات	۳۰۳	مکتوبات
۳۳۶	مکتوبات	۳۰۵	تفصیل المواعظ
۳۳۶	تفصیل المواعظ	۳۰۵	انتہای و انتہاء
۳۳۷	انتہای و انتہاء	۳۰۷	اعلام و ایمان
۳۳۷	اعلام و ایمان	۳۱۳	اتحاد و اتحاد
۳۳۷	اتحاد و اتحاد	۳۱۳	استغفار
۳۳۷	استغفار	۳۱۵	اسلام
۳۳۷	اسلام	۳۱۶	اخلاق و آداب
۳۳۸	اخلاق و آداب	۳۱۷	اصلاح الاعمال
۳۳۸	اصلاح الاعمال	۳۱۸	اصلاح النفس
۳۳۸	اصلاح النفس	۳۱۹	ترغیب و ترہیب
۳۳۹	ترغیب و ترہیب	۳۱۹	تسلیم و رضا
۳۳۹	تسلیم و رضا	۳۲۰	ذکر و فکر
۳۳۹	ذکر و فکر	۳۲۰	دن و دنیا
۳۳۹	دن و دنیا	۳۲۰	دارالآخرت
۳۳۹	دارالآخرت	۳۲۰	معاذ و عذاب
۳۳۹	معاذ و عذاب	۳۲۱	بدعات
۳۳۹	بدعات	۳۲۲	حدود و حقوق
۳۳۹	حدود و حقوق	۳۲۲	غیر و غیر
۳۳۹	غیر و غیر	۳۲۳	خوف و خشیت
۳۳۹	خوف و خشیت	۳۲۳	حرص و ہوس
۳۳۹	حرص و ہوس	۳۲۳	حج و قربانی
۳۳۹	حج و قربانی	۳۲۳	صبر و شکر
۳۳۹	صبر و شکر	۳۲۴	صوم و صلوٰۃ
۳۳۹	صوم و صلوٰۃ	۳۲۴	صہبت بزرگان
۳۳۹	صہبت بزرگان	۳۲۵	سلوک و تصوف
۳۳۹	سلوک و تصوف		

مولانا خیر محمد صاحب ہالہ مری
مولانا عبدالجبار دریا آبادی
فہرست مجازی
تذکرہ آشیان مجازی
فیض رسال مجازی
۵۹۔ تالیفات و مخطوطات

لد و الہی
اسباب کثرت تالیفات
جدول مستاتین
اہمیت و افادیت
ترویج و تنقید
موضوع تصنیف
علم القرآن
علم الحدیث
عقائد
عبادات
تصوف
منطق
علم اللام
اصولیات
سیاسیات
معارف
تذکرہ
لوکار
فناوی
اسلامیات
لسانیات
عملیات

اصول زندگی

میں مطابق فہم انسانی کے سب اُسکے اصول
علم و ہمت کے قریب اور عقل و دانش کے قریب

(ظفر علی خان)

۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱
 ۴۷۲
 ۴۷۳
 ۴۷۴
 ۴۷۵
 ۴۷۶
 ۴۷۷
 ۴۷۸
 ۴۷۹
 ۴۸۰
 ۴۸۱
 ۴۸۲
 ۴۸۳
 ۴۸۴
 ۴۸۵
 ۴۸۶
 ۴۸۷
 ۴۸۸
 ۴۸۹
 ۴۹۰
 ۴۹۱
 ۴۹۲
 ۴۹۳
 ۴۹۴
 ۴۹۵
 ۴۹۶
 ۴۹۷
 ۴۹۸
 ۴۹۹
 ۵۰۰
 ۵۰۱
 ۵۰۲
 ۵۰۳
 ۵۰۴
 ۵۰۵
 ۵۰۶
 ۵۰۷
 ۵۰۸
 ۵۰۹
 ۵۱۰
 ۵۱۱
 ۵۱۲
 ۵۱۳
 ۵۱۴
 ۵۱۵
 ۵۱۶
 ۵۱۷
 ۵۱۸
 ۵۱۹
 ۵۲۰
 ۵۲۱
 ۵۲۲
 ۵۲۳
 ۵۲۴
 ۵۲۵
 ۵۲۶
 ۵۲۷
 ۵۲۸
 ۵۲۹
 ۵۳۰
 ۵۳۱
 ۵۳۲
 ۵۳۳
 ۵۳۴
 ۵۳۵
 ۵۳۶
 ۵۳۷
 ۵۳۸
 ۵۳۹
 ۵۴۰
 ۵۴۱
 ۵۴۲
 ۵۴۳
 ۵۴۴
 ۵۴۵
 ۵۴۶
 ۵۴۷
 ۵۴۸
 ۵۴۹
 ۵۵۰
 ۵۵۱
 ۵۵۲
 ۵۵۳
 ۵۵۴
 ۵۵۵
 ۵۵۶
 ۵۵۷
 ۵۵۸
 ۵۵۹
 ۵۶۰
 ۵۶۱
 ۵۶۲
 ۵۶۳
 ۵۶۴
 ۵۶۵
 ۵۶۶
 ۵۶۷
 ۵۶۸
 ۵۶۹
 ۵۷۰
 ۵۷۱
 ۵۷۲
 ۵۷۳
 ۵۷۴
 ۵۷۵
 ۵۷۶
 ۵۷۷
 ۵۷۸
 ۵۷۹
 ۵۸۰
 ۵۸۱
 ۵۸۲
 ۵۸۳
 ۵۸۴
 ۵۸۵
 ۵۸۶
 ۵۸۷
 ۵۸۸
 ۵۸۹
 ۵۹۰
 ۵۹۱
 ۵۹۲
 ۵۹۳
 ۵۹۴
 ۵۹۵
 ۵۹۶
 ۵۹۷
 ۵۹۸
 ۵۹۹
 ۶۰۰
 ۶۰۱
 ۶۰۲
 ۶۰۳
 ۶۰۴
 ۶۰۵
 ۶۰۶
 ۶۰۷
 ۶۰۸
 ۶۰۹
 ۶۱۰
 ۶۱۱
 ۶۱۲
 ۶۱۳
 ۶۱۴
 ۶۱۵
 ۶۱۶
 ۶۱۷
 ۶۱۸
 ۶۱۹
 ۶۲۰
 ۶۲۱
 ۶۲۲
 ۶۲۳
 ۶۲۴
 ۶۲۵
 ۶۲۶
 ۶۲۷
 ۶۲۸
 ۶۲۹
 ۶۳۰
 ۶۳۱
 ۶۳۲
 ۶۳۳
 ۶۳۴
 ۶۳۵
 ۶۳۶
 ۶۳۷
 ۶۳۸
 ۶۳۹
 ۶۴۰
 ۶۴۱
 ۶۴۲
 ۶۴۳
 ۶۴۴
 ۶۴۵
 ۶۴۶
 ۶۴۷
 ۶۴۸
 ۶۴۹
 ۶۵۰
 ۶۵۱
 ۶۵۲
 ۶۵۳
 ۶۵۴
 ۶۵۵
 ۶۵۶
 ۶۵۷
 ۶۵۸
 ۶۵۹
 ۶۶۰
 ۶۶۱
 ۶۶۲
 ۶۶۳

۳۶۵	تعمیر و تکمیل	۳۶۵	مکرر تحقیق تا لیغات کے متعلق وصیت
۳۶۶	سپیشل گاڑی	۳۶۶	تتبیہ متعلق مولیات خود
۳۶۷	بارانِ رحمت	۳۶۷	سوانح حیات کے متعلق وصیت
۳۶۸	نماز جنازہ	۳۶۸	خطوط کے متعلق وصیت
۳۶۹	مقام شہدا	۳۶۹	اجازت یافتگان کے متعلق وصیت
۳۷۰	مزار مبارک	۳۷۰	وصیت متعلق معاش اہل علم
۳۷۱	خرام حسین	۳۷۱	۵۹- عزات و رحمت
۳۷۲	۶۰- وفات	۳۷۲	قابل رشک صحبت
۳۷۳	صف ماتم	۳۷۳	وفات کی پیش گوئی
۳۷۴	ناثر مابدی	۳۷۴	آغاز صفت
۳۷۵	اعتراف برہان	۳۷۵	مرض الموت
۳۷۶	خراج مدینہ	۳۷۶	قوت قدسیہ
۳۷۷	سیاسی بصیرت	۳۷۷	حقیقت غنودگی
۳۷۸	حرف آخر	۳۷۸	تفکر و تردد
۳۷۹		۳۷۹	سنت قدس
۳۸۰		۳۸۰	اہتمام مجلس
۳۸۱		۳۸۱	آبادگی سفر آخرت
۳۸۲		۳۸۲	تعلین آرام گاہ
۳۸۳		۳۸۳	آخری تقریر
۳۸۴		۳۸۴	آخری نصیحت
۳۸۵		۳۸۵	آخری عطیہ
۳۸۶		۳۸۶	آخری ملفوظ
۳۸۷		۳۸۷	آخری فکر
۳۸۸		۳۸۸	آخری دُاک
۳۸۹		۳۸۹	آخری بشاشت
۳۹۰		۳۹۰	یوم وفات
۳۹۱		۳۹۱	تغیر عظیم
۳۹۲		۳۹۲	نور کی کرنیں



وجہ تسمیہ

تھانہ بھون کی دینی تربیت گاہ کی بنیاد شیخ طریقت حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی تھی۔ جو اپنے زمانہ کے اعظم مشائخ و علماء میں سے تھے۔ ان کا شمار اس دور کے "اقطاب ثلاثہ" میں ہوتا تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ اور حضرت حافظ محمد صامن لنگے پیر بھائی تھے۔ یہ تینوں حضرات اسی خانقاہ میں ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے۔ جسکی وجہ سے یہ مشائخ میں "معرفت گاہ" کہلاتی تھی۔

مولانا شیخ محمد ۱۲۹۶ھ میں وفات پا گئے۔ حضرت حافظ محمد صامن ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی میں ایک فرنگی کی گولی سے شہید ہوئے۔ اور اس انقلاب کے زمانہ میں حضرت حاجی صاحب مکہ معظمہ کو ہجرت فرما گئے۔ جس کی وجہ سے خانقاہ بے رونق ہو گئی۔

حضرت تھانوی نے اپنے شیخ کے ایماء پر ۱۳۱۵ھ میں آکر اسے پھر سے آباد کرنا شروع کیا۔ حضرت حاجی صاحب چونکہ اسی خانقاہ کے حجرہ میں رہائش رکھتے تھے۔ جواب تک موجود ہے اس لئے اس کے صحن مسجد اور خانقاہ کی عمارت میں بہت زیادہ اضافہ کر کے اس مجموعہ کا نام حضرت حاجی صاحب کے ہی اسم مبارک پر "خانقاہ امدادیہ" رکھ دیا۔ جسے بعض ناواقف حضرت حاجی صاحب کا مزار تصور کرتے ہیں اور بعض کم فہم امداد باہمی کا ادارہ سمجھتے ہیں۔

وسعت خانقاہ

مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی جب پہلی مرتبہ ۳۰ جون ۱۹۲۸ء کو تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ تو انہوں نے اپنے جائزہ کی بناء پر اپنی کتاب "حکیم الامت" میں اس کی وسعت کی یہ کیفیت درج فرمائی۔

خانقاہ امدادیہ

حقیقت خانقاہ

خانقاہ ایک فارسی لفظ ہے جس کے معنی تربیت گاہ کے بھی ہیں۔ جہاں کتاب و سنت کے مطابق تزکیہ نفس و صحت اخلاق کی عملی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کی بہترین مثال اصحاب صفہ کی تربیت گاہ تھی۔ جس میں خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ تعلیم و تربیت کی ندرت و جامعیت کے پیش نظر ہر دور میں اہل اللہ نے اپنے علاقہ میں ایسی تربیت گاہیں قائم کیں۔ جن میں رشد و ہدایت کے چشے ابلتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ عجمی تصوف و رہبانیت کا ان پر کچھ ایسا کھر چھایا کہ ان کی اصلیت و حقیقت ہمیشہ کے لئے مستور ہو کر رہ گئی۔ گو اس گھرے کھر میں چشم بینا اکثر و بیشتر حقیقی خانقاہوں کا فی الفور پتہ کالیتی۔ مگر چشم ظاہر بین شاذ ہی وہاں تک پہنچ سکتی۔ اس لئے جب بھی یہ لفظ کہیں نظر آتا ہے۔ تو ذہن انسانی فی الفور غلط تصورات کا شکار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس کی عملی مثالیں اسی مادی دنیا میں بھی موجود ہیں۔ جہاں مختلف علوم و فنون کی علمی و عملی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔

خانقاہ کی عمارت قصبہ کے بالکل مغربی سرحد پر ہے۔ اس کے بعد اس لائن میں کوئی آبادی نہیں۔ کوئی دو فرلانگ پر ٹاؤن کا ریلوے سٹیشن ہے۔ قصبہ کی اکثر پرانی شاندار عمارتوں کی طرح سرک بھی پرانی لکھوری اینٹ اور کھڑنبی کی ہے۔ جو عین خانقاہ کے دروازہ تک آتی ہے۔ پھاٹک کے اندر ایک وسیع صحن کنارے کنارے چاروں طرف پختہ برآمدہ یا ٹین کا سائبان۔ اس سلیقہ کے ساتھ کہ آدمی برسات میں ٹین کے نیچے نیچے پورا چکر لگالے۔ نصف صحن کے قریب ایک پختہ حوض زیادہ حصہ ٹپا ہوا۔ ایک لمبا حصہ کھلا ہوا۔ پھاٹک میں داخل ہوتے ہی آپ کو دونوں طرف غسل خانے ملیں گے۔ چھوٹے ٹین ضرورت کے لئے کافی۔ چاروں میں گرم پانی کرنے کا انتظام موجود۔ اور سائبان کے نیچے بالکل متصل کنواں۔ بروٹھاٹے کر کے اندرونی دروازہ میں داخل ہوئے۔ جو تے اٹھائے کہ صحن مسجد شروع ہو گیا۔ جو تارکھنے کیلئے ایک بکس کھلا ہوا رکھا ہوا۔ اب آپ مشرق سے اپنے بائیں طرف یعنی شمال کی جانب مڑے۔ یہیں کنواں۔ اس کے آگے بیت الخلاء جانے کا راستہ۔ اس کے بعد مہمان خانہ کا زندہ مہمانوں کے لئے کمرہ کوٹھے پر۔ سادہ مگر ہوادار۔ گنجائش اتنی کہ چار مہمان ایک وقت میں آسانی سے ٹھہر سکیں۔ زندہ سے چند ہی قدم اور آگے چلے کہ رخ شمال میں چلتے چلتے اپنے داہنے ہاتھ کو یعنی مغرب کی جانب مڑنا پڑا۔ اور ایک لمبا برآمدہ ملا۔ اس برآمدہ میں دوسہ دریاں ہیں۔ پہلی سہ دری کے عقب میں کتب خانہ کا کمرہ۔ دوسری سہ دری خاص حضرت کی نشست گاہ۔ ایک حجرہ۔ اسکے عقب میں۔ دوسرا حجرہ۔ اس کے مغربی کونے پر۔ یہی حجرہ حضرت حاجی صاحب کا تھا۔ اور ایک کوٹھڑی اسکے جواب میں برآمدہ کے شرقی کونے پر۔ اب دوسری سہ دری سے نکل کر مسجد میں آگئے۔ مسجد کچھ ایسی برہمی نہیں لیکن برہمی پر رونق اور پرانوار۔ اور ساتھ ہی گنجائش اور آرام دہ۔ ختم مسجد کے بعد اسی مغربی لائن میں دالان۔ اور اسکے عقب میں طالبین و سالکین کے لئے حجرے۔ دالان میں ابتدائی تعلیم کے لئے لڑکوں کا مدرسہ قرآنی۔ خاتمہ پر زندہ اور کچھ حجرے۔ اوپر اور نیچے کے یہ سب حجرے طالبوں کیلئے ہیں۔ اب آپ پھر اپنی

طرف یعنی شرق کی جانب مڑے اور جنوبی برآمدہ میں آگئے۔ اس کا نصف حصہ مدرسہ اور مہمانوں کیلئے ہے۔ اندرونی درجہ میں متعدد مہمانوں کی گنجائش۔ برآمدہ کے دوسرے حصہ میں مدرسہ کی اونچی جماعتیں یعنی ہدایہ خواں طلبہ کی درس گاہ۔ اس کے عقب میں رسالہ "النور" کا دفتر حضرت کے بھتیجے اور خانقاہ کے مہتمم و نگران مولانا شبیر علی صاحب کا کتب خانہ تجارتی۔ اس کے بعد آپ شمال کی جانب ایک بار پھر مڑے۔ اور شرق میں کنارہ پر چلتے چلتے چند قدم کے بعد دروازہ پر واپس پہنچ گئے۔ حجروں کی قطار ادھر بھی موجود۔ اور وضو کے لئے باقاعدہ نالیاں اس مستطیل کے شرقی ضلع میں شمال سے جنوب تک برابر بنی ہوئیں۔ "حکیم الامت

ص ۱۷-۱۸

نظم و ضبط

دنیا میں کوئی حکومت اور کوئی ادارہ نظم و ضبط کے بغیر نہیں چل سکتا۔ اسی لئے قرآن پاک نے زندگی کے ہر دور اور شعبہ کے لئے حدود و قواعد کی پابندی لازمی قرار دی ہے۔ معلم الاخلاق صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مسلمانوں کی داخلی اور خارجی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرنے کی غرض سے بھیجا گیا۔ جیسا کہ ان کا اپنا ارشاد ہے کہ "میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں۔" مگر عام طور پر نہ صرف عوام بلکہ خواص کا تصور یہی ہے کہ اصول و قواعد۔ حدود و قیود اور نظم و ضبط صرف انگریزوں کے ہاں تھا۔ اسلام ان کا مدعی نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی باضابطگی نہیں پائی جاتی۔ جو کام بھی ہے بے ضابطہ اور بے طریقہ۔ اس طرف سب سے پہلے ہندوستان میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ فرمائی۔ اور انہوں نے مسلمانوں میں نظم و ضبط پیدا کرنے کیلئے اپنے ہاں ہر ہر موقع و محل کے لئے اصول و قواعد تیار کئے۔ ان کی خود بھی اور دوسروں سے بھی پابندی کراتے۔ جس کی وجہ سے نا فہم لوگ آپ کو سخت گیر سمجھتے۔ حالانکہ اس دور

۴۔ شغل و ذریعہ معاش

۵۔ موروٹی زمین تو آپ کے پاس نہیں۔

۶۔ علمی استعداد اردو یا عربی یا انگریزی میں کس قدر ہے۔

۷۔ اصل مقصد آنے سے کیا ہے؟ محض ملاقات یا کچھ کھانا اور لکھ کر دینا یا زبانی اور مجمع میں یا تنہائی میں۔

۸۔ کسی سے بیعت ہیں یا نہیں؟ ہیں تو کس سے

۹۔ اگر مجھ سے بیعت ہیں تو بیعت کو کتنا زمانہ ہوا اور تعلیم کس کے متعلق ہے۔

۱۰۔ میرے کون کون سے مواعظ و رسائل دیکھے ہیں۔

۱۱۔ اگر مجھ سے کچھ خط و کتابت ہوئی ہے تو وہ پاس ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو دکھائی جائے۔

۱۲۔ کتنا قیام ہوگا۔

۱۳۔ کہاں قیام ہوگا۔

۱۴۔ خانقاہ میں اول بار آنا ہوا ہے یا پہلے بھی آئے ہیں۔ اگر پہلے بھی آئے ہیں تو کتنا قیام ہوگا۔

۱۵۔ یہاں کے انتظام طعام کی آپ کو خبر ہے یا نہیں۔

۱۶۔ باہر والا بڑا اعلان علمی دیکھ لیا ہے یا نہیں۔

"اشرف علی"

اوقات نامہ

سوال نمبر ۱۶ میں جس اعلان کی طرف اشارہ ہے وہ حسب ذیل تھا۔ جو نوواردین کی سہولت اور اپنے بھی حرج اوقات کے انداد کے لئے آپ کی نشست گاہ کے باہر آویزاں رہتا تھا:

میں سب سے پہلے امت مسلمہ کو جو سبق حضرت تھانوی نے دیا۔ اسی کو قائد اعظم نے بھی دہرایا۔ قوم کو مشورہ دیا کہ وہ اتحاد۔ تنظیم اور یقین سے کام لے۔ چونکہ حضرت تھانوی کی یہ اصول پسندی بعض طبائع پر گراں گزرتی تھی۔ اس لئے وہ آپ پر یوں زبان طعن دراز کرتے تھے:

"اصول پسندی تو بالکل انگریزیت ہے کہ ملنے کے اوقات مقرر۔ گفتگو کے طور طریق متعین۔ یہ بھی کوئی درویشی ہے۔"

حالانکہ آرام و راحت کا بہت حد تک وارادہ نظم و ضبط پر ہے۔ اس لئے حضرت تھانوی کے ہاں اس کا بہت اہتمام تھا۔ آپ نے نوواردین کی سہولت و راحت کیلئے ایک سوال نامہ چھپا رکھا تھا۔ جس کی تمہید یہ تھی کہ:

"بعض حضرات احقر کے پاس خاص مقاصد کیلئے تشریف لائے ہیں۔ جن کی بجا آوری لگے مفصل حالات ضروریہ کے مطلع ہونے پر موقوف ہوتی ہیں۔ مگر اکثر کامیرے سوال کرنے پر بھی جواب نہیں ملتا۔ یا بہت ہی ناتمام ملتا ہے یا کئی بار کے پوچھنے پر ملتا ہے۔ جس سے طبعاً اذیت ہوتی ہے۔ اور اذیت سے تنگی و کدورت جو ان کے مقاصد میں قفل ہوتی ہے۔ چونکہ اس کی وجہ پوچھنے پر اکثر نے تصریح کی یہ وجہ بیان کی کہ زبانی سوال سے انتشار ہو جاتا ہے۔ اس لئے سہولت کے لئے نقشہ ذیل تجویز کرتا ہوں کہ یہ نقشہ پیش کر دیا کروں۔ اور وہ اس کی خانہ پر می خود یا کسی سے کرا کر مجھ کو عنایت فرمادیا کریں۔ کیونکہ جانبین کو اس میں راحت ہو گی۔" (اشرف علی)

سوالنامہ

۱۔ نام

۲۔ اصلی وطن

۳۔ اس وقت کس مقام سے آنا ہوا۔ اور اس مقام میں کتنا قیام رہا ہے۔

تاکہ نہ اہل حاجت کا حرج یا تکلیف ہو۔ نہ احقر کا۔
 ۱۔ صبح سے بارہ بجے تک مجھ کو متفرق ایسے کام رہتے ہیں۔ جو تنہائی میں ہو سکتے ہیں۔ اس وقت کسی سے ملنے میں یا بات چیت کرنے میں تکلیف بھی ہے۔

حرج بھی ہے۔
 ۲۔ البتہ اوپر کے نمبر سے تین شخص مستثنیٰ ہیں۔ ایک وہ شخص جو تازہ آیا ہو۔ اور صرف ملاقات کا مصافحہ کرنا چاہتا ہے۔ دوسرا وہ جو جا رہا ہو۔ اور صرف رخصت کا مصافحہ کرنا چاہتا ہے۔ تیسرا وہ شخص جس کو ایسی حاجت ہو کہ اس میں مہلت نہیں ہو سکتی۔ مثلاً دروازہ وغیرہ کا تعویذ لینا ہو یا فوری ضرورت کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو۔ جس میں تاخیر نہ ہو سکے۔ مگر ان تینوں شخصوں کو چاہیے کہ آتے ہی کہہ دیں کہ ہمارے اس وقت آنے کی یہ وجہ ہے۔ تاکہ معلوم نہ ہونے سے پریشانی نہ ہو۔

۳۔ پھر بارہ بجے سے نماز ظہر سے فارغ ہو کر اپنی مجلس میں بیٹھنے تک میرے قیلولہ و نماز کا وقت ہے۔ اس میں ملاقات اور نیز سب خدمات سے معافی چاہتا ہوں۔

۴۔ پھر جب نماز ظہر پڑھ کر اپنی مجلس میں حاضر ہو جاؤں۔ اس وقت سے عصر کی اذان ہونے تک عام اجازت ہے۔ آنے کی بیٹھنے کی ہر قسم کی بات چیت کی۔ تعویذ وغیرہ مانگنے کی۔ البتہ جمعہ کا دن تعویذ سے مستثنیٰ ہے۔

۵۔ اذان عصر سے نماز سے فارغ ہونے تک کیلئے وہی قاعدہ ہے جو قیلولہ کے وقت کا ہے۔ اور نمبر ۳ میں مذکور ہے۔

۶۔ عصر سے فارغ ہونے کے بعد سے عشاء سے فارغ ہونے تک کے لئے وہ قاعدہ ہے جو صبح سے بارہ بجے تک کے وقت کا ہے۔ اور نمبر ۱ میں مذکور ہے۔ اور وہی لوگ یہاں بھی مستثنیٰ ہیں جو نمبر ۲ میں مذکور ہے۔

۷۔ عشاء کے بعد تو علی الاطلاق معذوری ظاہر ہے۔ باستثنا اضطراب ارشادید۔

۸۔ یہ قواعد ان صاحبوں کے لئے ہیں جو مجمع میں اپنا مقصود ظاہر فرما سکتے ہیں۔ اور جو کسی کو کچھ پوشیدہ کہنا ہے۔ اس کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ اگر تحریر کو کافی سمجھیں۔ تو میری مجلس سے ملحق نہ درمی کی دیوار میں ایک بکس لگا ہے۔ اس میں لکھ کر ڈال دیں اور جس موقع پر جواب چاہتے ہوں۔ اس کا پورا پورا پتہ لکھ دیں۔ مثلاً فلاں نمبر کے حجرہ میں یا مسجد کے منبر پر۔ ہمیشہ بعد نماز فجر ایسے پر۔ چہ نکالے جاتے ہیں۔ اسی طریقہ سے جواب تحریری مل جاوے گا۔ اور اگر وہ پوشیدہ بات زبانی ہی کہنا چاہیں۔ تو ایسے ہی پرچہ کے ذریعہ سے تنہائی کا وقت پوچھ لیں۔ میں جو وقت بتلاؤں۔ اس وقت بات کر لیں۔ اور اکثر بعد مغرب کا وقت بتلایا کرتا ہوں۔
 ۹۔ بعض مہمانوں کو میں خاص اجازت دے کر تنہائی کے وقت بٹھا لیتا ہوں۔ دوسرے حضرات اپنے کو ان پر قیاس نہ کریں۔ اور اسی طرح ایک کو کہ کوئی خدمت پنکھا وغیرہ کی کرتا ہو دیکھ کر دوسرے اس کی تقلید نہ کریں۔ جب تک خاص اجازت حاصل نہ کر لیں۔ اسی طرح دوسری خدمت بھی بلا صریح اجازت نہ کریں۔ جیسے جوتا اٹھانا یا لوٹا بھر کر رکھنا وغیرہ۔

۱۰۔ راستہ میں بھی کوئی صاحب میرے ساتھ نہ چلیں۔ نہ گھر جا کر پکاریں۔

نوٹ نمبر ۱

یہ سب قواعد ان صاحبوں کے لئے ہیں۔ جو محض عقیدت مندی کے تحت آتے ہیں۔ اور کسی کو کوئی دوسرا تعلق بھی ہو۔ انکے لئے یہ ضوابط نہیں۔ البتہ اگر کسی کو کسی خاص قاعدہ کا پابند کر دوں تو اس کو اس کی پابندی لازم ہے۔

نوٹ نمبر ۲

کسی وقت ضرورت سے کچھ ترسیم کر دوں۔ تو ترسیم ہی پر عمل ہو گا۔ اسی طرح ذاتی ملازموں کیلئے دوسرے ضوابط ہیں۔ جو انکو زبانی بتلا دیئے گئے ہیں۔
 ماہ رمضان کیلئے ان قواعد کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

۱۔ وقت تنگ اور مشاغل زیادہ ہونے کی وجہ سے رمضان گزرنے تک صبح کی مجلس موقوف کر دی گئی۔ ایک دو منٹ کیلئے ضروری بات کی زبانی اجازت

جن حضرات کو یہاں کے زنا نہ قیام میں مکاتبت کی اجازت نہیں۔ وہ تو کسی قسم کا پرچہ نہ لکھیں اور جن کو اجازت ہے۔ وہ سہ دری والے لیٹر بکس میں نہ ڈالیں۔ بلکہ ڈاک کے ذریعہ سے بھیجیں اور جواب ملنے کا ذریعہ یہ ہو گا کہ عصر کے بعد حافظ اعجاز کے پاس جانیٹھیں۔ انکے پاس ایک بکس ہو گا۔ وہ اس کو کھول کر پرچہ والوں کے نام لے کر پکار پکار کر حوالہ کر دیں گے اور مناسب یہ ہے کہ ڈاک میں ڈالنے سے دوسرے روز جواب کا انتظار کریں۔ اور شاذ و نادر بعض اوقات تیسرے روز ملنا بھی محتمل ہے۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ

اصول استثنیٰ

حضرت تھانوی باضابطہ ہونے میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ مگر ضابطہ کی پابندی بھی حد اعتدال کے اندر تھی اور افراط و تفریط سے قطعاً پاک تھی۔ حالانکہ عام طور پر پابند اصول انسان استثنائے قائل نہیں ہوتے۔ جس طرح پابندی اصول فطرت سلیمہ کا مقتضی ہے۔ اس طرح ضروری اور خصوصی مواقع پر استثناء سے کام لینا بھی فطرت سلیمہ کے عین مطابق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت تھانوی کا کوئی قاعدہ ایسا نہیں تھا۔ جس میں مستثنیات نہ ہوں۔ مگر آپ کا استثناء بھی قاعدہ کے مطابق تھا۔ جسکی وجہ سے اس کا بکثرت استعمال نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ صرف خاص اہل تعلق۔ اہل قرابت۔ اہل فضیلت اور اہل حوالہ شدیدہ ہی اس سے کبھی کبھی فائدہ اٹھاتے تھے۔

شرائط حاضری

اگر کوئی نووارد طالب تحریری طور پر حاضری خدمت کی اجازت چاہتا۔ تو سب سے پہلے اس سے یہ سوال فرماتے کہ تمہارے آنے کی ایسی کون سی غرض و غایت ہے۔ جس کے لئے حاضری اشد ضروری ہے۔ طالبین اپنے اپنے فہم کے مطابق اس سوال کے مختلف جواب عرض کرتے۔ لیکن جب تک وہ اس غایت کا انکشاف نہ کرتے اس وقت تک آپ ان پر برابر جرح کرتے رہتے۔ اور آنے کی اجازت مرحمت نہ فرماتے اور اگر کوئی یہ لکھتا کہ حاضری صرف ملاقات کیلئے ہے اور زنا نہ قیام میں مخاطبت و مکاتبت کی بجائے خاموشی کے ساتھ شریک مجلس رہوں گا۔ تو آپ اسے بخوشی اجازت دے دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بس یہی ایک ایسا مقصود ہے جو بغیر حاضری حاصل نہیں ہو سکتا۔ ورنہ دیگر تمام مقاصد کے لئے یہاں آنے کی زحمت گوارا کرنا قطعاً ضروری نہیں۔

دستور العمل

جب حضرت نے محسوس کیا کہ حاضری خانقاہ کی شرائط کے متعلق طالبین بہت غلط کرتے ہیں۔ اور طے ہونے میں بڑا وقت صرف ہوتا ہے۔ تو آپ نے اپنے ذاتی غرض سے حاضری کے متعلق مندرجہ ذیل دستور العمل چھپوایا۔ جب کوئی حاضری کی اجازت طلب کرتا تو اسے یہ مطبوعہ شرائط نامہ بھیج دیا جاتا۔

دستور العمل طالبات تعلق مندرجہ ازمرات سبہ

اولاً یہاں کی ابتدائی آمد میں ہر حال میں بدوں مخاطبت و مکاتبت کے سکوت محض کے ساتھ چندے مجالست و مصاحبت بغرض حصول بصیرت و مناسبت۔

ثانیاً۔ یہاں سے جا کر اگر تعلق رکھنا چاہیں۔ اپنے مستقر سے اپنی اصلاح کے متعلق زیادت مناسبت کے لئے مراسلت و مکاتبت۔

ثالثاً۔ مکرر آمد میں اگر یہاں کے قیام میں صرف مکاتبت چاہیں۔ تو قبل آمد

بذریعہ خط مجھ سے تحقیق و موافقت و ضروری مناسبت و اخذ اجازت مکاتبت۔
 رابعاً۔ بعد حصول اجازت نامہ جس کو آنے کے وقت دکھلانا ضروری ہوگا۔
 یہاں کے قیام میں صرف مکاتبت بلا مخاطبت۔

خامساً۔ بعد مناسبت تامہ جو مکاتبت طویلہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ میری
 اجازت کے بعد یہاں کے قیام میں مکاتبت و مخاطبت۔
 اور یہ سب تفصیل بقاء تعلق کی صورت میں ہے۔

سادساً۔ اگر اختلاف مذاق کے سبب مناسبت سے مایوسی ہو جائے تو پھر
 مصلحت کے لئے نہ کہ کدورت کے سبب تجویز مفارقت و مجاہدت و مشورہ رجوع
 بجانب محل مناسبت۔

سابعاً۔ لیکن اس حالت میں بھی اگر خواہش کریں تو طلب دعا۔ دریافت
 خیریت کے لئے خط بھیجنے کی اجازت علی المواظبت و بشرط عدم انقباض سکوت
 کے ساتھ اجازت مجالست و مصاحبت۔

خلاصہ

۱۔ محض مجالست

۲۔ مستقر سے مراسلت

۳۔ بعد مناسبت ضروریہ و اخذ اجازت مجالست و مع مکاتبت بلا مخاطبت۔

۴۔ بعد مراسلت طویلہ و مناسبت تامہ و اخذ اجازت مجالست و مع مکاتبت و مخاطبت
 بصورت عدم حصول مناسبت

۵۔ مشورہ رجوع بجانب محل مناسبت

۶۔ صرف برائے طلب دعا و خیریت اجازت مراسلت

۷۔ بشرط عدم انقباض اجازت مجالست بلا مکاتبت و مخاطبت۔

فقط۔ کتبہ اشرف علی عفی عنہ۔
 اس مطبوعہ دستور العمل کے علاوہ آپ کے اس خط سے مزید شرائط کا پتہ

بھی چلتا ہے جو آپ نے ایک خاتون کو عریضہ اجازت کے جواب میں
 تحریر فرمائیں کہ اگر کبھی تمہارے شوہر اپنی خوشی سے ہمراہ لائیں۔ بشرطیکہ قرض
 نہ اٹھانا پڑے۔ کسی قسم کا کوئی حرج بھی واقع نہ ہو اور تم ان پر تقاضا کر کے تنگ
 بھی نہ کرو اور پردہ میں اور نماز میں بھی سفر میں خلل نہ پڑے۔ تو اجازت ہے۔"
 (مکتوبات حسن العزیز جلد ۱)

منشاء مصلحت

اس دستور العمل سے جانبین کو بہت سہولت ہوتی ہے۔ جس کے متعلق
 خود حضرت تھانوی فرمایا کرتے تھے۔

"نئے آنے والوں کیلئے بزنا نہ قیام عدم مخاطبت و عدم مکاتبت کی شرط اللہ
 تعالیٰ نے خوب میرے دل میں ڈال دی۔ ورنہ عدم مناسبت مزاج اور عدم
 واقفیت طریق کی وجہ سے لوگ بے اصولی باتیں اور بے نکتے سوالات کر کے مجھے
 بڑی آذیتیں پہنچاتے اور نہ صرف اپنا بلکہ میرا بھی بڑا وقت ضائع کرتے۔ اب تو
 اللہ کا شکر ہے کہ میں بھی اپنے کام میں اطمینان سے مشغول رہتا ہوں۔ اور ان
 لوگوں کو بھی نہایت یکسوئی اور سکون کے ساتھ میری باتیں سننے اور اطمینان سے
 ان پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ورنہ اگر قیل و قال کی اجازت ہوتی تو مجلس کیا
 ہوتی۔ جو پال ہوتی بڑے پریشان ہوتے۔ اور بڑا پریشان کرتے۔ اور یہاں سے
 بالکل کورے جاتے اب تو بکثرت اس مضمون کے خطوط آتے رہتے ہیں کہ خموشی
 کے ساتھ بیٹھنے سے بہت نفع حاصل ہوا۔"

کیونکہ حاضر مجلس رہ کر انہیں حضرت کے طرز تربیت۔ اخلاق و عادات۔
 ترغیب و ترہیب۔ زجر توہین غرضیکہ ہر بات کا علم و مشاہدہ ہو جاتا تھا۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ یہاں آنے والوں کے متعلق میرے جتنے
 معمولات ہیں۔ ان سب کا منشاء تعلیم ادب ہے۔ یہ اصل ہے اور سب فروع۔ جو کہ

۲۳
زناہ اور مصلح اور ضرورتوں کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں۔ اور اس اصل کی سرحد
تائید حدیث

کان علی رؤسنا الطیر
سے ہوتی ہے۔ اگر یہ تائید نہ بھی ہوتی تب بھی اس کے مستحسن اور قابل عمل
ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا۔

زناہ قیام میں عدم مخاطبت و مکاتبت کا یہ فائدہ ہے کہ نئے آنے والے
پہلے خموشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے میرا طرز تربیت۔ میری عادات میری
خصوصیات مزاج دیکھیں۔ اور میری باتیں سنیں ان پر اطمینان سے غور کریں۔
پھر یہاں سے جا کر آزادی کے ساتھ رائے قائم کریں۔ اگر میرا طریقہ اور مزاج پسند
نہ آئے۔ اور مجھ سے مناسبت پیدا ہونے کی توقع نہ ہو۔ تو کسی دودھ سرے سے
رجوع کریں۔ اگر میری باتیں سب پسند ہوں۔ تو پھر اصلاح کے متعلق مجھ سے
و کتابت کریں۔ شروع میں اصلاح خاص کی نیت سے یہاں نہ آئیں۔ بلکہ یہ دیکھنے
اور سیکھنے کیلئے آئیں کہ آیا باہم مناسبت ہوگی یا نہ ہوگی۔ اور اگر ہوگی تو اپنی
اصلاح کے متعلق خط و کتابت کرنے اور اپنے امراض نفس کے پیش کرنے کا صحیح
اور نافع طریق کیا ہے؟

مزید براں فائدہ یہ ہے کہ میرے متعلق عمر بھر میں جتنے کسی کو وسوسے
آتے ہیں۔ اور اشکالات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ ایک دم سے آجائیں اور ختم بھی ہو
جائیں۔ اور پھر عمر بھر کے لئے یکسوئی ہو جائے۔ یا تو ہمیشہ کیلئے معتقد ہو کر یا ہمیشہ
کیلئے غیر معتقد ہو کر۔ ورنہ اگر میں اپنے آپ کو بنائے ہوئے رکھتا۔ تو عمر بھر بھی
یکسوئی نہ ہوتی۔ جب کوئی بات اپنے خیال کے خلاف دیکھتے۔ فوراً شبہ قائم کرتے۔
اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا۔ اور عمر بھر اطمینان نہ ہوتا۔ اب تو برا بھلا جیسا بھی
ہوں۔ سب کو سابقہ پڑتے ہی معلوم ہو جاتا ہے۔ پھر چاہے کوئی رہے یا جائے۔
اور مجھے بھی یکسوئی ہو جاتی ہے اور اس خیال کے لوگوں سے میرا شروع سے ہی
پہچھا چھوٹ جاتا ہے۔ جو بزرگی اسی کو سمجھتے ہیں کہ بت کی طرح بالکل بے حس ہو

جائے۔ اگر انکے ساتھ تعظیم کا برتاؤ کیا جائے۔ تب انہیں کوئی حس نہیں
دوسرے یہ کہ بزرگی کا دعویٰ ہی کس نے کیا ہے اور بلانے کا اعلان کس نے دیا
ہے۔ میں تو ایک طالب علم ہوں۔ اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے دین کی جو باتیں
سنی ہیں۔ وہ سناتا رہتا ہوں اور ان کی صحبت کی برکت سے دین کی جو حقیقت سمجھ
میں آئی ہے۔ اس کو ظاہر کرتا رہتا ہوں۔ اگر کسی کے جی کو لگے۔ قبول کرے۔ نہ
لگے نہ قبول کرے۔ اختیار ہے۔ لہو پتو مجھے نہیں آتی۔ نہ میں اس کو مفید سمجھتا
ہوں۔ گو بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ رفتہ رفتہ اپنے طریق پر لانا چاہیے لیکن میں
اس کے خلاف ہوں۔ کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ جس نے اپنے ذہن میں جو معیار
بزرگی کا صحیح یا غلط قائم کر رکھا ہے۔ وہ اسی وقت تک اس کا معتقد ہے۔ جب
تک وہ اس معیار کے مطابق اس کو سمجھے ہوئے ہے اور جہاں ذرا اس معیار سے ہٹا
ہوا پایا۔ بس سارا اعتقاد جاتا رہا۔ معتقد فیہ تو اس خیال میں رہتا ہے۔ کہ یہ شخص
ہمارا معتقد ہے۔ حالانکہ وہ درحقیقت اپنے ہی خیال کا معتقد ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی معتقد کا اعتقاد جاتا رہا ہے۔ تو معتقد فیہ کو سمجھ لینا چاہیے
کہ وہ اس کا معتقد تھا ہی نہیں۔ بلکہ ایک خیالی شخص کا معتقد تھا۔ تو ایسے خیالی
معتقد کے کہ ہو جانے کا افسوس ہی کیا۔ بلکہ خوش ہونا چاہیے کہ اچھا ہوا قبل تعلق ہی
پہچھا چھوٹ گیا۔ ورنہ تعلق قائم ہو جانے کے بعد اگر تعلق قطع ہو جاتا اور ضرور ہوتا۔
تو بہت ناگواری ہوتی۔ اور جب تک تعلق رہتا۔ بہت ستاتا اس لئے میں شروع ہی
سے ہر طالب کے ساتھ ایسا صحاف معاملہ کرتا ہوں کہ اس کی نوبت ہی نہ آنے
پائے۔ شروع ہی میں فیصلہ ہو جائے۔ ادھر یا ادھر۔ نہ وہ دھوکہ میں رہے نہ میں
میرا تو بس یہی مذاق ہے۔

ہر کہ خواہد گویاؤ ہر کہ خواہد گوبرو

دارو گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

غرضیکہ پاس رہنے سے اصلاح نہیں ہوتی۔ بلکہ مناسبت ہوتی ہے۔ اور اپنے امراض
کو پیش کرنے کا اور میرے جوابات کو سمجھ کر ان پر عمل کرنے کا سلیقہ پیدا ہوتا

مذکور الصدر دستور العمل کی اس وضاحت کے بعد اسکی تائید میں واقعات پیش کرنا لازمی طور پر طوالت کا باعث ہو گا۔ اس لئے اس کی صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جس سے اس کا عملی نقشہ بھی واضح ہو جائے گا۔ بلا کا تبت و مخاطبت والے ایک طالب علم نے ایک مجلس میں رہ کر جب خاموشی سے حضرت کی تمام حرکات و سکنات اور طریق اصلاح وغیرہ کا جائزہ لے لیا۔ تو اس نے واپس جا کر آپ کو خط لکھا کہ:

"دوران قیام میں جو سکون اور اطمینان قلب حضرت والا کی صحبت بابرکت سے حاصل ہوا ہے۔ وہ بیان سے باہر ہے خاص کر اپنے نفس کے عیبوں پر بصیرت کے ساتھ اطلاع ہوئی۔ خاص کر بدگمانی کا مرض مجھ میں شدید ہے اس کا علاج تجویز فرمائیں۔"

جس سے ظاہر ہے کہ اس طالب نے حضرت کے طریق کار کو صحیح سمجھا۔ اور برناتے مناسبت اصلاح حال کے لئے رجوع کیا۔ اور حضرت نے بھی بوجہ مناسبت فی الفور باقاعدہ تعلیم اصلاح شروع فرمادی اور اسے لکھا کہ:

"وہ بدگمانی اختیار سے ہوتی ہے یا بلا اختیار اور صرف بدگمانی ہوتی ہے۔ یا اس کے موافق عمل بھی ہوتا ہے؟ اور کیا ہوتا ہے؟ مع ایک دو مثال کے لکھو۔" بس اسی طریق سے آپ محققانہ انداز میں امراض نفس کی تحقیق فرماتے جاتے اور علاج تجویز فرماتے جاتے۔

دستور تدارک

مذکور الصدر انتظامیہ کے علی الرغم بعض لوگ بلا اجازت بھی حاضر ہو جاتے مگر انکو بھی انہی اصولوں پر کاربند ہونا پڑتا۔

جیسا کہ آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ

"اگر کوئی بلا اجازت طلب کئے آ جائے۔ تو میرے ہاں کوئی پہرہ چوکی تو ہے نہیں جو چاہے چلا آئے اور جب چاہے چلا آئے۔ مگر یہاں آنے کے بعد بھی اس سے وہی سوال ہو گا۔ اور قیام کی بھی وہی شرائط ہوں گی۔"

چنانچہ بلا اجازت آنے والوں سے جب مذکورہ بالا سوالات ہوئے اور وہ بے ڈھنگے اور بے ٹکے جوابات دیتے۔ تو ان سے حضرت کو از حد اذیت ہوتی اور اتنی ناگواری بڑھتی کہ انکو دوسری ہی گاڑی سے واپس کر دیتے یا وہ از خود واپس چلے جاتے کیونکہ معاملہ صاف ہوئے بغیر قیام کرنا جانبداری کے لئے تکدر پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔

لیکن اکثر دیکھا گیا کہ ایسے نوواردین کی واپسی کی نوبت کم آتی۔ اور حضرت انکے معافی طلب کرنے پر معاف فرما دیتے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ "جو اذیت مجھے پہنچی۔ وہ کس مد میں رہی کیا یہ خالی ہی گئی۔ جس غرض کے لئے یہاں آئے ہو۔ یعنی قیام۔ وہ تو جیسی پوری ہو گی جب اس اذیت کا کچھ تدارک کیا جائے گا۔"

جب وہ تدارک پوچھتا۔ تو اکثر اس سے خود تدارک تجویز کراتے۔ تاکہ وہ خوا منخواہ حضرت پر سختی کا الزام نہ رکھے۔ چنانچہ وہ اپنی فہم یا دوسروں کے مشورہ سے مناسب تدارک تجویز کرتا۔ اگر حضرت اسے کافی سمجھتے۔ تو اسے ہی اس کے لئے جائز سمجھتے یا اس میں مناسب ترمیم و تنسیخ فرماتے اگر وہ کافی و شافی نہ ہوتا۔ تو پھر اس پر اس انداز سے جرح فرماتے کہ اس کا تدارک خود بخود اس کے ذہن میں آ جاتا۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی تدارک اس کے ذہن میں نہ آتا تو پھر خود بخود تجویز فرما دیتے۔ جو اکثر یہی ہوتا کہ کسی قریب مقام پر جا کر وہاں سے پھر حاضری کی اجازت طلب کی جائے۔ اور بعض کے لئے صرف اسی پر اکتفا فرماتے۔ کہ آپ یہ اعلان لکھ کر خانقاہ میں آویزاں کر دیں کہ مجھ سے فلاں اذیت وہ حرکت سرزد ہوئی ہے۔ اور بعض کیلئے یہ تجویز فرماتے کہ سب مقیمین خانقاہ سے فرداً فرداً اپنی غلطی کا اظہار کیا جائے تاکہ نفس کو گرانی ہو۔ اور آئندہ کے لئے اس کو تنبیہ ہو چونکہ

۲۸
حضرت کو ان کی اصلاح مطلوب ہوتی۔ اس لئے ہر ایک کی طبیعت کا جائزہ لے کر
اس کے مناسب حال تجویز فرماتے۔ چنانچہ ایک صاحب نے اپنے لئے یہ تدارک
تجویز کیا کہ سہارنپور واپس جا کر پھر حاضری کی اجازت طلب کروں۔ آپ نے یہ
تجویز منظور فرمائی لیکن اس وقت پھر ان سے کوئی اذیت وہ حرکت سرزد ہوئی۔
جب وجہ دریافت کی گئی تو وہ غلط تاویل کرنے لگے۔ جس پر آپ نے انکے مجوزہ
تدارک میں شدت مرض کے پیش نظریہ ترسیم فرمادی کہ وہ سہارن پور کے بجائے
دہلی جا کر حاضری کی اجازت طلب کریں اور اس پر افسوس بھی فرمایا کہ واللہ مجھ کو اس
سے سخت قلق ہوا ہے۔ بلکہ خود ان سے بھی زیادہ قلق ہے۔ لیکن کیا کرتا۔ بدوں
اس تدارک کے انہی اصلاح ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ "چونکہ وہ طالب صادق تھے۔ اس
لئے دہلی تک واپس چلے گئے۔ وہاں سے غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اجازت
حاضری طلب کی۔ جو حضرت نے بخوشی دے دی۔ لیکن واپسی پر مطالبہ
دستور العمل اجازت حاضری کا خط پیش کرتے وقت ان سے پھر غلطی ہوئی کہ پہلے تو
خط جیب سے نکالا۔ جب حضرت اس کو لینے کے لئے آمادہ ہوئے تو اسے فرش پر
رکھ کر مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دیا۔ اس سے آپ کو سخت اذیت ہوئی۔ جس پر آپ
نے فرمایا کہ اگر مصافحہ کرنا تھا تو پہلے مصافحہ کر لیتے۔ پھر جیب سے خط نکالتے۔ اگر
خط نکال کر لینے پر آمادہ کیا تھا۔ تو خط ہی دے دیتے۔ اس وقت مصافحہ نہ کرتے بعد
میں کر لیتے۔ اس پر حضرت نے اسے اپنے پاس سے کچھ وقت کیلئے اٹھا دیا۔ ایسے
مواقع پر آپ حاضرین سے فرمایا کرتے تھے کہ:

"اگر میں لوگوں کی ان حرکتوں پر صبر کروں۔ تو انہی اصلاح بھی نہ ہو۔ اور
میرے قلب کے اندر ان کی طرف سے تکدر بھی پیدا ہو جائے۔ اور اب تو چونکہ
میں اپنی اذیت کا اظہار کر دیتا ہوں۔ اور بعض لوگ اذیت کا تدارک بھی کر دیتے
ہیں۔ اس لئے میری طبیعت صاف رہتی ہے۔"

دستور سلف

ممکن ہے دور حاضر کی نازک طبائع اتنی وضاحت و صراحت کے باوجود بھی
دستور خانقاہ پر حرف گیر ہوں تو انہی آگاہی کے لئے یہاں یہ ذکر کر دینا بے سود نہ
ہوگا کہ حضرت نے اس زمانہ کی نازک مزاجی کے پیش نظریہ بہت ہی سہل شرطیں
رکھی ہوئی تھیں ورنہ اکابر سلف میں تو تعلیم اصلاح کیلئے اس سے کئی درجے سخت
سزائیں مقرر تھیں جیسا کہ صاحب "اشرف السوانح" کے اس بیان سے ظاہر ہے
کہ

"بزرگان سلف نے تو اس سے بھی سخت سخت سزائیں تجویز فرمائی ہیں۔"
"طبقات شرفانی میں ایک بزرگ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی خدمت
میں ایک طالب علم آئے اور یہ کہا کہ بہت دور سے آیا ہوں۔ اس احسان جتلانے
پر ان کے لئے یہ تجویز فرمائی گئی کہ تین برس تک یہاں آنے کی اجازت نہیں۔
اسی طرح اس کتاب میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک طالب علم مقیم
تھے۔ وہ ایک لاکھ درہم تو اپنے پاس سے اور ایک لاکھ درہم لے کر خرچ کر چکے تھے۔
لیکن ہنوز ان کو کلام کرنے کی بھی اجازت نہیں ملی تھی۔
اس لئے حضرت تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ آج کل کے طالبین بھی کوئی
طالبین ہیں کہ ذرا سی سیاست کا بھی تحمل نہیں۔ اور پھر حضرت مولانا رومی کا یہ شعر
پڑھ دیتے تھے کہ۔

تو بیک درخے گریزانی ز عشق
تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

- ۲۔ بہت سے محض روٹیوں کی خاطر پڑے رہتے۔
- ۳۔ لنگر خانہ کے اخراجات کے لئے ہر وقت آنے والوں کے ہاتھ پر نظر رہتی کہ یہ کچھ دیں گے جو خلاف استغنا تھا۔
- ۴۔ ہر وقت اس کی خود نگرانی کرنی پڑتی۔ جس کے لئے وقت نہیں۔ اور دوسرے کسی پر ادنیٰ بار ڈالنا مناسب نہیں۔ اور نہ ہی انتظام دوسرے کے سپرد کر کے خود کو بری الذمہ سمجھا جاسکتا ہے۔ مزید براں۔
- ۵۔ محض دوسرے کے اعتماد پر کام چھوڑ دینے سے وہ کام مکمل نہیں ہوتا۔

مہمان داری

حضرت تھانوی کے ہاں اکثر و بیشتر مہمانوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ اس لئے خالقہ میں ہر قسم کے مہمان خانے موجود تھے۔ البتہ مہمان داری کا کوئی معین صابطہ نہ تھا۔ جس وقت جیسی ضرورت اور مصلحت دیکھتے۔ ویسے عمل فرماتے۔ مگر اپنا معتد بہ حرج اوقات نہ ہوتے دیتے۔ ایک دفعہ بلا اطلاع اور بلا حصول اجازت کسی گاؤں سے چند مستورات بغرض بیعت آگئیں۔ گھر والے کھانے کے انتظام کیلئے متفکر ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جنسی دے دو۔ چولہا بتادو اور کچھ دو کہ آپ ہی پکائیں اور آپ ہی کھائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

جن مہمانوں کی آمد کی اطلاع ہوئی۔ تو انہی خاطر کوشش کر کے اپنے معمولات سے کچھ پہلے ہی فراغت حاصل کر لیتے۔ تاکہ انہی طرف توجہ دی جاسکے جنہوں نے اسی روز واپس ہونا ہوتا انکے لئے تو قیام کا بھی ناغہ فرما دیتے۔ اور ڈاک کے کام میں بھی تاخیر کر دیتے۔ بعد میں زیادہ دیر تک بیٹھ کر ڈاک نکالتے۔

کم قیام کرنے والوں کو اپنے پاس بیٹھنے کا زیادہ سے زیادہ موقع دیتے۔ اور کوشش فرماتے کہ اس تھوڑے وقت میں وہ زیادہ سے زیادہ دینی فائدہ حاصل کر سکیں۔ اور بعض اوقات اس حرص افادہ میں کھانے کے اوقات بھی موخر فرما دیتے۔

اجتماعی حاضری
حضرت تھانوی کو طالبین کا اکٹھا ہو کر بغرض اصلاح آنا بالکل پسند نہ تھا۔ اور عدم اجتماع کی وجہ یہ بیان فرماتے تھے۔ کہ ہر شخص کا تنہا آنا ہی اس کے لئے مفید ہے کیونکہ ہر شخص کے ساتھ اس کے مناسب حال برتاؤ کرنا ہوتا ہے۔ اگر کسی سب ایک ساتھ آئے۔ تو سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنا پڑے گا۔ اور اگر کسی کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنا مناسب ہو تو انکو اپنے ساتھیوں سے شرمندگی ہوگی۔ بس ہر شخص کا الگ الگ آنا ہی ٹھیک ہے۔ یہ تو آخر سخت ہے۔ مردے قبر میں طبعہ طبعہ ہی جاتے ہیں۔

چنانچہ ایک صاحب نے عریضہ میں اپنے ہمراہ اپنے والد صاحب کو بھی لانے کا مقصد ظاہر کیا۔ تو آپ نے اسے لکھا کہ

”وہ آپ کے ساتھ تشریف لائے۔ تو انکو مخدوم بنا کر رکھنا پڑے گا۔ جس کے لئے میں بسر و چشم آمادہ ہوں۔ لیکن انکو نفع نہ ہوگا۔“
اسی لئے حضرت کسی کا کسی کے ساتھ بغرض اصلاح آنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ البتہ اگر کوئی محض ملاقات کیلئے کسی کو ساتھ لانا چاہے تو اسے اجازت تھی۔ جس طرح چاہے آئے۔

لنگر خانہ

اتنی بڑی تربیت گاہ میں کوئی لنگر خانہ نہیں تھا۔ بلکہ آنے والوں اور مقیمین خالقہ کیلئے انہی درخواست پر بعض لوگ بطور خود قیامت کھانے کا انتظام کر دیتے تھے جس سے جانہن کو بہت آرام رہتا تھا۔ لنگر جاری نہ کرنے کی وجوہ حسب ذیل تھیں۔ جن کی خود حضرت تھانوی نے تصریح فرمادی تھی کہ:

۱۔ صادق و غیر صادق طالبین کا امتیاز مشکل ہو جاتا۔

۳۲ اور خاص حالات میں تو ظہر کی مجلس عام کے علاوہ صبح بھی ضروری کاموں سے فارغ ہونے کے بعد ان کے لئے خاص مجلس منعقد فرماتے۔ جس کی ایسے حضرات کو بروقت اطلاع کرادی جاتی۔

ہر مہمان کو اس کی حسب حیثیت گھر سے کھانا بھجواتے۔ جس کی کچھ تفصیل "باب معیشت" میں گزر چکی ہے۔ تعطیلات کے ایام میں دیوبند اور سہارنپور سے بڑی تعداد میں طلباء و اساتذہ اور علماء کرام استفادہ کے لئے تشریف لاتے تھے۔ اور کئی کئی دن مہمان رہتے تھے۔ طلباء کے علاوہ سب حضرت کے ہی مہمان ہوتے۔ مگر جن طلباء کے متعلق قرآن سے معلوم ہوتا کہ ان کے پاس کھانے کیلئے خرچ نہیں۔ تو ہر ایک سے جدا جدا بذریعہ ملازم دریافت فرما کر بقدر ضرورت انکی مالی اعانت فرماتے۔

طریق استقبال
خاص اہل تعلق کے لئے حضرت تھانوی اسٹیشن پر پہنچ کر استقبال کرنے یا واپس پہنچانے میں گریز نہ فرماتے۔ اور بعض اوقات انتہائی خواہش کے باوجود محض اس خیال سے اسٹیشن پر تشریف نہ لے جاتے کہ انکو سخت شرمندگی ہوگی۔ بعض بہت ہی خاص اعزاز و امتیاز اور خصوصیات والے مہمانوں کی آمد کے وقت آپ اپنی جگہ سے اٹھ کر استقبال فرماتے۔ اور معانقہ کرتے۔ لیکن اکثر ایسے موقعوں پر حاضرین مجلس کو کھڑے ہونے سے روک دیتے۔ کہ سب کی طرف سے میں ہی اٹھتا ہوں۔ اور سب صاحب میٹھے رہیں۔ دنیا دار آدمیوں کے استقبال کے وقت تو خصوصیت کے ساتھ اہل مجلس کو نہ اٹھنے دیتے۔

اس طرح خواہ کتنا ہی عزیز مہمان ہو۔ جب وہ روانہ ہونا چاہتا۔ تو اس کے ٹھہرانے کے لئے دل میں خواہش پیدا ہونے کے باوجود مزید قیام کے لئے قطعاً اصرار نہ فرماتے۔ بلکہ قصد روانگی سن کی یہی فرمادیتے کہ جس میں سہولت دیکھیں

وہی کریں۔ مگر اس کے ساتھ ہی اپنی دل کیفیت و محبت کا اظہار فرمادیتے مزاحاً فرماتے کہ "یہ آنا کیا ہوا۔ پانی بھی نہ ہوا۔" مہمان کی راحت رسانی کی خاطر اس کی روانگی کے وقت کا خود خیال رکھتے۔ اور اگر روانگی کے وقت ان سے کچھ نہ قل ہو جاتا۔ تو آپ خود خلاف دستور فرمادیتے کہ جانے کا وقت آگیا ہے۔ تاکہ ریل کے نکل جانے سے ان کو ان کے عزم کے خلاف نہ رکنا پڑے۔ اور افسوس نہ ہو۔ غرضیکہ ہر وقت ان کی راحت کے خیال میں رہتے۔

اہتمام راحت

حضرت تھانوی بتا کید فرمایا کرتے تھے کہ

"خانقاہ میں آنے والوں کی کسی بے عنوانی پر سوائے میرے حاضرین خانقاہ میں سے کوئی دوسرا روک ٹوک نہ کرے۔ نہ ان کو بلا پوچھے کوئی مشورہ دے۔ روک ٹوک کے لئے کیا میں اکیلا کچھ کم ہوں۔ میں ہی بہت کچھ روکنا ٹوکنا رہتا ہوں۔ اگر دوسرے بھی روکیں ٹوکیں تو بے چارہ آنے والا پریشان ہو جائے۔ پھر ہر ایک کا روکنا ٹوکنا گوارا تو نہیں ہوتا۔ میرا روکنا ٹوکنا تو خیر اس لئے زیادہ ناگوار نہیں ہوتا۔ میرے ہی قصد سے یہاں آتے ہیں۔ دوسروں کے روکنے ٹوکنے سے دل شکنی ہوگی۔ جو مجھے ہر گز گوارا نہیں۔ پھر ہر شخص کو نصیحت کرنا آتا بھی نہیں نیز اس میں بڑی خرابی یہ ہے کہ آنے والے دوسرے روکنے ٹوکنے والوں کو مقرب اور دخیل سمجھ کر ان سے مرعوب و مغلوب ہوں گے۔ اور اپنی حاجات کا وسیلہ بنائیں گے۔

اور اس طمع میں ہدایا وغیرہ سے انکی خدمت کریں گے۔ جس سے فریقین کے لئے سینکڑوں مفسد کا باب مفتوح ہو جائے گا۔ اور اس میں خود میرے لئے بھی یہ خرابی ہے کہ اپنے بہت سے معین و معاون دیکھ کر میرا بھی دماغ خراب ہوگا۔ اب تو الحمد للہ میں کسی کو اپنا معاون و مددگار نہیں سمجھتا اللہ کے سوا کسی پر میری نظر نہیں کھننے کی تو بات نہیں۔ لیکن اس وقت ذکر آہی گیا۔ تو کہتا ہوں کہ

۳۳
دنیا میں اپنے آپ کو بالکل اکیلا سمجھتا ہوں۔ سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی کو اپنا نہیں سمجھتا۔ بس یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا میں بالکل اکیلا ہوں اور ایک اکیلے شخص کے ساتھ ایک اکیلی ذات ہے اور کوئی نہیں۔
لوگوں کی تو اپنے خدام اور محبین پر نظر ہوتی ہے۔ میری کسی پر بھی نظر نہیں۔ میری خشکی کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ میں کسی کو اپنا محب اور معین و معاون نہیں بنانا یا رکھنا چاہتا۔ ہر شخص سے تو آزادی ہے ساتھ جو برتاؤ مناسب سمجھتا ہوں کرتا ہوں۔ الحمد للہ یہ کبھی وسوسہ ہی پیدا نہیں ہوا کہ اپنے برتاؤ سے فلاں شخص میرا ساتھ چھوڑ دے گا۔ اور یہ میں دعویٰ سے نہیں کہتا۔ بلکہ یہ مجھے ہونے ڈر بھی لگتا ہے کہ خدا جانے اس میں کتنی واقعیت ہے اپنے تئیں تو واقعیت کے خلاف نہیں کہہ رہا۔ اگر کئی بیشی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔
میں اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اس وضع کو محض اپنے فضل و کرم سے نباہ رکھا ہے۔ کیونکہ وہ عین وقت پر میری غیب سے ہر حاجت پوری فرما دیتے ہیں۔ اور ایسے طریق سے میری راحت کا سامان مہیا فرما دیتے ہیں۔ جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا۔ اسی لئے میرا یہ طرز آزادی و استغناء نبھ رہا ہے۔ ورنہ اگر احتیاج ہوتی تو سارا استغناء دھرا رہ جاتا۔ اور ساری آزادی رکھی رہ جاتی۔

قواعد ملاقات

نو وارد کو ابتدائی ملاقات کے لئے ان قواعد کا پابند ہونا پڑتا۔ آنے کے بعد فوراً مقیمین سے اوقات کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرے۔
۲۔ وہاں پہنچنے کے بعد جلد ہی ملاقات کر لے۔ کیونکہ نہ آنے والے کے لئے کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ تاکہ اسے انتظار نہ کرنا پڑے۔

۳۔ سلام و مصافحہ کے وقت اس بات کا خیال رکھے کہ حضرت باتوں میں مشغول نہ ہوں۔ اور ہاتھ بھی مصافحہ کیلئے خالی ہوں۔ آرام نہ فرما رہے ہوں۔ اگر مشغول بیٹھا

دیکھیں۔ تو بیٹھ جائے۔ انتظار فراغت میں نہ کھڑا رہے کہ یہ تقاضے کی صورت ہوتی ہے۔ جس سے قلب پر بار ہوتا ہے۔

۴۔ سلام و مصافحہ کے بعد فوراً اپنا پورا تعارف کرائے۔ بصورت خط و کتابت آخری خط پیش کرے۔ گفتگو بیٹھ کر اس طرح کرے کہ صاف سنائی دے۔ بات پوری کرے۔ ادھوری نہ کرے۔

۵۔ سوال کا جواب فوراً دے۔ انتظار میں نہ رکھے۔ اگر جواب ذہن میں نہ آئے۔ تو کہہ دے کہ پھر سوچ کر جواب دوں گا۔

۶۔ اگر کوئی غلطی ہو جائے تو بلا تامل اور بلا تاویل اس کا اقرار کر لے۔ اور سبب دریافت کرنے پر اصل بات بتلا دے۔

۷۔ اگر کوئی خط یا پرچہ پیش کرنا ہو۔ تو سامنے رکھ دے اور کہہ بھی دے کہ یہ پرچہ ملاحظہ ہو اسکو ہاتھ میں نہ لیئے رہے۔ کیونکہ یہ بھی صورت تقاضا کی ہے کہ دوسرے کام سے جلد ہاتھ فارغ کیا جائے۔

۸۔ اگر مصافحہ کی ضرورت سمجھے تو مصافحہ سے فارغ ہو کر پرچہ پیش کرے۔

۹۔ اگر اسے کھانے کیلئے سکھا گیا ہو تو کھانے کے وقت خانقاہ میں حاضر رہے تاکہ تلاش نہ کرنا پڑے۔

۱۰۔ آنے کے بعد صاف صاف بتلا دے۔ تاکہ اس کے مطابق معاملہ ہو سکے۔

۱۱۔ مقیمین سے نشست میل ملاپ میں وقت ضائع نہ کرے۔ بلکہ ہر شخص اپنے اپنے کام میں لگا رہے۔ بلا ضرورت کوئی کسی سے بات نہ کرے۔

۱۲۔ بلا اجازت مقیمین و نو واردین ایک دوسرے کی دعوت نہ کریں۔

۱۳۔ اہل قصبہ سے کوئی تعلق پیدا نہ کرے۔

غرضیکہ حضرت ہر شے کو اپنی حد پر رکھنا اور دیکھنا چاہتے تھے۔ جس سے قدم قدم پر سبق ملتا تھا۔

دستور خدمت
حضرت تھانوی اس وقت تک کسی سے خدمت لینا پسند نہیں فرماتے تھے
جب تک اس سے بالکل دل نہ کھل جائے۔ بلکہ جن سے دل مل بھی جاتا۔ ان سے

بھی شاذ و نادر ہی اور کسی بہت ہی خفیف کام کی فرمائش فرماتے۔ البتہ اگر وہ خود سبقت کرتے
تو منع نہ فرماتے۔ ان پر مسلط بھی نہ ہو جاتے کسی کجاں ایسا ہوتا۔ کیونکہ حضرت
فرمایا کرتے تھے کہ بعض کام خود ہی کرنے سے اچھے ہو گئے ہیں۔ اور بعضوں کی
خدمت رحمت تک پہنچ جاتی ہے۔ کیونکہ ان کو خدمت کرنے کا سلیقہ نہیں ہوتا۔
ہر شخص کی طبیعت۔ مزاج۔ عادت مختلف ہوتی ہے۔ واقف کار ہی سمجھ سکتا ہے
کہ کس طرح سے خدمت کرنے میں راحت پہنچے گی۔ ہر شخص پر یہ اطمینان بھی
نہیں کہ یہ خلوص سے ہی خدمت کرے گا۔ کیونکہ بعد میں اغراض نکل آتی ہیں۔
اور بعض سے خدمت لینا طبعاً گراں ہوتا ہے۔ مثلاً اہل علم سے۔ سید سے اور
بور محلوں سے خدمت لیتے ہوئے گرانی ہوتی ہے۔

خدمت کے رحمت ہونے کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"بعض استہاج کے لئے سنت گرم پانی دے دیتے ہیں۔ جس کا استعمال کے
وقت پتہ لگتا ہے اور اس وقت اسے معتدل کرنے میں کوئی صورت نہیں ہوتی۔
جس کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے۔ اس طرح وضو کیلئے۔ سخت سرد یا سخت گرم پانی
دے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے میں نے اب دو لوٹوں میں پانی مٹگانا شروع کیا
ہے۔ نصف لوٹا سرد پانی کا اور دوسرا لوٹا گرم پانی کا۔ تاکہ حسب خواہش پانی ملا لیا
جائے۔"

نیز فرمایا کہ:

"میں چاہتا ہوں کہ سب اپنے اپنے کام میں لگے رہیں۔ خواہ مخواہ میری
خدمت کیلئے مجھ پر مسلط نہ ہوں۔ تاکہ وہ بھی آزاد رہیں اور میں بھی آزاد رہوں۔"

کیونکہ آزادی بڑی دولت ہے۔ خلاصہ میرے مذاق کا حریت ہے۔ کہ چاہے
اہانت ہو۔ چاہے تعظیم جس سے آزادی میں فرق آئے اپنی یا دوسروں کی۔ اس
میں مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ اور ہر مسلمان کا یہی مذاق ہونا چاہیے کہ غیر اللہ سے بالکل
آزاد رہے۔ کیونکہ خدا کی عبدیت مخلوق کی عبدیت کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتی
ہے۔ اسلئے میں نے اپنی ضروریات اتنی مختصر کر رکھی ہیں۔ کہ ان کو خود ہی پورا کر
لیتا ہوں۔ کسی دوسرے کی محتاجی بفصلہ تعالیٰ نہیں رہتی۔"

جو خدمت کرنا چاہتا۔ اجازت لئے بغیر نہ کر سکتا تھا۔ اور جسے روک دیتے تھے۔
اسے اصرار کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ یہ نہ صرف مضر بلکہ جانبدار کیلئے باعث تکبر
ہوتا تھا۔

نظم مجلس

حضرت تھانوی جب مجلس یا مسجد میں آتے۔ تو لوگ تعظیماً اٹھ کھڑے
ہوتے یا مصلیٰ تک پہنچنے کے لئے ادھر ادھر بیٹھنے لگتے یا مڑ مڑ کر دیکھنے لگتے۔ یا مسجد کو
آتے ہوئے پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیتے۔ اس کی از حد ممانعت بھی فرماتے تھے کہ:

"میرے آنے کی وجہ سے کوئی تغیر نہ ہونا چاہیے۔ جو جس طرح بیٹھا ہے
بیٹھا رہا کرے۔ میرے بہت گراں گزرتا ہے کہ میرے آنے کی وجہ سے ایک ہل
چل سی پیدا ہو جائے۔ میرے لئے جگہ دینے کا کوئی اہتمام نہ کرے۔ میں خود جدھر
سے چاہوں گا آزادی کے ساتھ مصلیٰ تک پہنچ جاؤں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ نہ مجھ کو
تکلیف ہو۔ نہ میری وجہ سے کسی دوسرے کو تکلیف ہو۔ اور نہ ہی میرے پیچھے
پیچھے آنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس سے ایک شان اور نمود کی سی صورت پیدا
ہو جاتی ہے۔ نیز اس سے وہ ناجائز فائدہ اٹھا کر میرے پیچھے ہی دوسروں کو ہٹا کر
صف میں جگہ لے لیتے ہیں۔ جس کا ان کو کوئی حق نہیں ہوتا۔"

مسجد کو جاتے وقت کسی کو راستہ میں مصافحہ کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ

تھے۔ ہر چیز میں ترتیب اور ڈھنگ۔ ہر بات میں نظم و آہنگ۔ بعد ظہر مجلس عام میں یہ قاعدہ تھا کہ حضرت کے داینے ہاتھ پر سہ دری میں جو وسیع جگہ پڑی ہوئی تھی۔ وہ عام طالبین اور واردین کے لئے تھی۔ ہر شخص جہاں جگہ پائے۔ بیٹھ جائے۔ کسی دوسرے کو نہ اٹھائے نہ کھکائے بائیں جانب جگہ نسبت کم تنگ تھی۔ کوئی سات آٹھ شخصوں کے بیٹھنے بھر کی۔ ادھر مخصوصین بٹھائے جاتے تھے۔ دو چار شخص سامنے بھی بیٹھ سکتے تھے۔ ایک ایک در کی دیوار کی آڑ میں۔ بغیر دوسرے کے حق میں حجاب بنے۔

(حکیم الامت ص ۲۳)

دیگر قواعد

- ۱۔ طالبین اور نوواردین کو حضرت کو بالخصوص و دیگران کو بالعموم گلہبھی باندھ کر دیکھنے کی اجازت نہ تھی۔
- ۲۔ طالبین کو دوسروں کی طرف سے سلام و پیام۔ خط و ہدیہ وغیرہ لانے کی بھی عام طور پر ممانعت تھی۔
- ۳۔ طالبین و نوواردین کو سفارشی خطوط لانے کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ امر دین میں سفارش کوئی اثر نہیں رکھتی۔ جبکہ وہاں سارا اہتمام ہی دینی تعلیم و تربیت کا تھا۔ البتہ اس سے دوسرے کو اپنی مرضی کے موافق کام کرنے پر مجبور کرنا ہوتا ہے۔ جو حضرت کو پسند نہ تھا۔
- ۴۔ نوواردین کو ہدیہ پیش کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ تاوقت کہ مناسبت تامہ پیدا نہ ہو جائے۔
- ۵۔ مسجد یا گھر کو آتے جاتے وقت راستہ میں مصافحہ یا بات چیت کرنا بھی ممنوع تھا کیونکہ آپ اکثر آمد و رفت کے دوران میں غور و فکر میں مشغول ہوتے تھے۔ اور بسا اوقات بالعموم بعد از عصر قریب مغرب گھر واپس جاتے ہوئے راستہ

آپ عین وقت نماز کے قریب مسجد کو روانہ ہوتے اور راستہ میں مصافحہ وغیرہ سے وقت کے باعث تاخیر اور تکلیف ہوتی۔ اور نہ ہی وظیفہ کے وقت مصافحہ کی اجازت تھی۔ کیونکہ اس طرح اس میں خلل پڑتا تھا۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کو بڑی غیرت آتی ہے کہ جو بندہ اس کے ذکر میں مشغول ہو اسے دوسری طرف متوجہ کیا جائے۔

نست گاہ خاص

آپ کی خصوصی نشست گاہ سہ دری تھی۔ جس کے درمیان میں غرق غری دیوار سے مستقل ڈسک کے سامنے ایک مسند نمازش پر تشریف رکھتے تھے۔ اس کے پائین میں ایک گوشہ صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا۔ جن کو کوئی ضروری بات کہنی ہو یا صرف ملاقات کرنی ہو۔ مستقل طور پر کسی کو وہاں بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ بلکہ اسے ضروری بات کرنے کے بعد وہاں سے اٹھنا ہوتا۔ اور بیٹھنا چاہتا۔ تو وہاں سے اٹھ کر مجلس عام میں آ بیٹھتا۔ وہاں کسی کے آکر بیٹھنے کا مطلب ہی یہ تھا کہ حضرت فوری طور پر اسکی طرف متوجہ ہوں۔ اور یہ جگہ مخصوص کرنے کا فائدہ یہ تھا کہ مجلس میں کسی قسم کی گڑبڑ نہ ہو۔ اور نہ لطف کیف میں کوئی فرق پڑے۔

سہ دری کا مغربی حصہ اہل خصوصیت کے ساتھ کے لئے مخصوص تھا۔ وہاں صرف ایسے لوگ بیٹھتے۔ جن کو حضرت وہاں خود بیٹھنے کا ارشاد فرماتے یا جن کو پہلے سے معلوم ہوتا کہ حضرت نے ان کو اس جگہ بیٹھنے کا اعزاز بخشا ہوا ہے۔ ایسے لوگوں کو تکلف کی اجازت نہ تھی۔ کہ وہ ہر دفعہ حضرت کے کہنے پر وہاں بیٹھیں۔ بلکہ انہیں خود بخود ہی وہاں بیٹھنا ہوتا۔

مولانا عبد الماجد لکھتے ہیں کہ:

"بیٹھنے بٹھانے کے سب آداب اور قاعدے حضرت کی مجلس میں مقرر

۲۰
میں کوئی مضمون پڑھنے ہوئے تشریف لے جاتے تھے اس طرح کسی کے مصافحہ کرنے یا نکل ہونے سے یکسوئی میں خلل پڑتا تھا۔
۶۔ راستہ چلتے وقت پشت کی جانب سے قنابل تو داخل بد تہذیبی تھا۔ اور اسے براہست مناسبت تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے حضرت امام ابو یوسف کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر تم کو کوئی پشت کی طرف سے خطاب کرے تو اس کا جواب مت دو۔ اس نے تمہاری بڑی اہانت کی۔ اور اس نے تم کو گویا جانور سمجھا۔ کیونکہ جانوروں کو ہی پشت سے خطاب کیا جاتا ہے۔
۷۔ راستہ چلتے وقت کسی کا خواہ مخواہ ساتھ ہولینا بھی ممنوع تھا۔ کیونکہ چلنے میں آزادی نہیں رہتی۔ حضرت امام احمد بن حنبل بھی راستہ میں اپنے ہمراہ کسی کو نہ چلنے دیتے تھے۔
۸۔ اسی طرح راستہ چلتے وقت پیچھے پیچھے چلنے کی بھی اجازت نہ تھی کہ یہ آپ کے اچانک رک جانے سے پہلے آدمی کو ٹکرائے گا۔ اگر کوئی پیچھے چلنا ہی چاہتا۔ تو اتنے فاصلہ پر رہنے کی اجازت تھی کہ پاؤں کی آہٹ نہ آئے۔
۹۔ رخصت ہونے وقت رخصتی ملاقات کے لئے کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ صرف اتنی پابندی تھی کہ آتے ہی کہہ دے کہ میں جا رہا ہوں۔ کیونکہ محض سلام و مصافحہ سے پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ آمد کا ہے یا رفت کا۔
۱۰۔ عین چلتے وقت تعویذ وغیرہ کی درخواست یا کوئی دیگر حاجت پیش کرنی بھی ممنوع تھی کیونکہ قلت وقت کے باعث جانبدار کو تنگی ہوتی تھی۔
ان شرائط کی مفصل حکمتیں جاننے کے لئے اشرف السوانح حصہ دوم عنوان چہارم کا مطالعہ مفید رہے گا۔

ماجدی جائزہ

مولانا عبد الماجد دریابادی اپنے مشاہدہ کی بناء پر کوائف خانقاہ کے سلسلہ میں

لکھتے ہیں:

۲۱
"معمول یہ تھا کہ طالبین و سالکین کا تانتا ہر زمانہ میں بندھا رہتا تھا۔ یہ لوگ آتے اور اپنے کھانے پینے کا انتظام خود کر کے خانقاہ میں ٹھہر جاتے۔ ان میں اچھے اچھے ذاکر و شافل ہوتے۔ اور ان میں سے بعض تو اپنے کام میں ریاضت کی بناء پر خود قابل زیارت ہوتے۔ لیکن یہ لوگ ملنے ملانے کے ڈھب کے زیادہ نہ ہوتے۔ دن تو دن۔ رات کے بھی اگلے اور پچھلے حصوں میں اپنے کام میں لگے رہتے۔ اور کام سے مراد محض نوافل و اوراد ہی نہیں۔ ہاتھ پیر سے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام کرنے میں بھی ان حضرات کو تامل نہ ہوتا۔ سادگی۔ اخلاص بے طمع بے نفسی کے بیسیوں سبق ان لوگوں کی زندگیوں کو دیکھ دیکھ کر سیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک تعداد حضرت کے مخصوص خلفاء کی بھی تھی۔ یہ عموماً اہل علم و اہل وجاہت ہوتے کوئی نہ کوئی ان میں سے بھی تھا نہ بھون حاضر ہی ہوتا رہتا۔ خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوب (بی اے۔ ایل ایل بی) انسپٹر آف سکولز۔ مولانا محمد طیب مہتمم (دارالعلوم) دیوبند مولانا مفتی محمد شفیع دیوبند (مفتی اعظم پاکستان) طبیب حاذق مولوی حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بخوری میرٹھی۔ اس وقت یہی نام خیال میں آرہے ہیں۔ اس قسم کے حضرات سے بھی تھا نہ بھون کے طویل قیام کے دوران میں ضرور ملاقات ہو جاتی۔ ایک تیسرے طبقہ مولانا کے ذاتی مہمانوں کا ہوا کرتا۔ اور ان میں سے اکثر علم و دین کے مشاہیر ہی ہوتے۔ آج شیخ التبلیغ مولانا محمد الیاس کی دہلی سے آمد ہے۔ کل مدرسہ مظاہر العلوم کے مولانا عبد اللطیف صاحب اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپور سے آرہے ہیں۔ اور پرسوں رائے پور کے مشہور بزرگ شیخ عبد القادر صاحب جنہیں پہنچانے کیلئے مولانا خود اسٹیشن تک گئے۔ اور انکے پیچھے ان کا ذکر خیر بار بار کرتے رہے۔" (حکیم الامت ص ۱۳۹)

قواعد و ضوابط کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

"مولانا قواعد و ضوابط کے محکوم نہ تھے۔ قاعدے اور ضابطے سب ضرورۃً اور

شریعت و طریقت

اسلام کی تمام تعلیمات کا سرچشمہ کتاب و سنت ہے۔ جس کی ابتدائی تعلیم مجلس نبوی میں دی جاتی تھی۔ وہ چونکہ ابتدائی دور تھا اور حلقہ بگوشان اسلام اپنے اصلی مرکز میں موجود تھے۔ جن کی تعداد بھی اس وقت اتنی زیادہ نہ تھی۔ جتنی بعد میں ہو گئی۔ اسلئے اس نبوی یونیورسٹی میں علوم اسلام یعنی علم تفسیر۔ علم حدیث۔ علم فقہ اور علم تصوف کی تعلیم یکجا دی جاتی تھی۔ کوئی الگ الگ دفتر قائم نہ تھا۔ البتہ اسی نبوی یونیورسٹی میں ایک اقامتی شعبہ ایسا بھی موجود تھا۔ جس میں مہمان خدا اور عاشقان رسول ﷺ تزکیہ نفس و اصلاح باطن کی عملی تعلیم و تربیت کے لئے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ اور اصحاب صفہ کہلاتے تھے۔

بعد ازاں جب اسلام عالمگیر حیثیت اختیار کر گیا۔ تو اس کی تعلیمات کو علماء دین نے الگ الگ دفاتر میں منضبط کر دیا۔ جنہوں نے علم حدیث کی خدمت کی۔ وہ محدث کہلائے جنہوں نے علم تفسیر کا کام سنبھالا۔ وہ مفسر بنے۔ جو فقہ کا کام کرنے میں منہمک ہو گئے۔ وہ فقیہ بن گئے اور جنہوں نے صرف تزکیہ نفس و اصلاح باطل کا شعبہ سنبھالا وہ۔۔۔۔۔۔ صوفیاء مشہور ہوئے۔

اکابر سلف میں سے کسی نے شریعت کو طریقت سے الگ نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ طریقت کو شریعت کے تابع رکھا۔ یہاں تک کہ تصوف کو بطور فلسفہ پیش کرنے والے سب سے پہلے مصنف شیخ ابن عربی نے بھی (جن پر بعض ظاہر بین

انوار الہی
مولانا حافظ محمد عمر علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے صاحبِ حال بزرگ تھے
نے اپنے اس مشاہدہ کا مولوی حافظ جلیل احمد رئیس علی گڑھ سے جو حضرت کے
خلیفہ مجاز تھے۔ ایک بار ذکر فرمایا کہ:
"ایک رات ریل کے ذریعہ تھانہ بھون حاضر ہوئے۔ تو جب ریل خانقاہ
کے محاذ سے گزری تو میں نے عالم بیداری میں دیکھا کہ مسجد خانقاہ کے گنبد سے
آسمان تک انوار کا ایک تار لگا ہوا ہے۔"

اقوال صوفیاء

اسی سلسلہ میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اگر تم کسی کو کرامات والا دیکھو۔ حتیٰ کہ ہوا میں اڑتا ہو۔ تو دھوکے میں نہ آجانا۔ جب تک یہ نہ دیکھو کہ امر و نہی۔ حفظ حدود اور پابندی شریعت میں کیسا ہے۔"

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:

"مخلوق پر سب راہیں بند ہیں۔ سوا اس کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلے۔"

حضرت نوری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"جس کو دیکھو کہ اللہ کے ساتھ کسی ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ جو اسکو حد شرعی سے باہر کر دیتا ہے۔ تو اس کے پاس بھی نہ پھنگو۔"

ان حقائق و شواہد سے ظاہر ہے کہ طریقت شریعت سے الگ نہیں ہو سکتی دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

تصوف اور قرآن

چنانچہ قرآن کریم میں بھی دونوں کے احکام پہلو بہ پہلو موجود ہیں۔ اور دونوں کو اس طرح برابر کی حیثیت دی گئی ہے۔ کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنے سے اصل مقصود یعنی رضائے حق کا حاصل ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔ حضرت تھانوی "حقیقت تصوف" کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ:

"شریعت کے اندر جن اعمال کے کرنے اور جن کے نہ کرنے کا حکم ہے۔ وہ دو قسم کے ہیں۔ بعض کا تعلق ظاہر بدن یا ظاہری چیزوں سے ہے جیسے کلمہ

اقسام مثلاً: دو قسمیں ہیں۔ ایک جو کتاب و سنت کے عارف ہیں۔ مثلاً صوفیہ کی دو قسمیں ہیں۔ اور باطن میں کتاب و سنت ظاہر میں کتاب و سنت کے موافق باتیں کرتے ہیں۔ اس کے عہد کو پورا سے رنگے ہوتے ہیں۔ اللہ کے حدود کی نگہبانی کرتے ہیں۔ امت پر شفقت کرتے ہیں۔ کرتے ہیں۔ اور احکام شرعی کی پابندی کرتے ہیں۔ اس سے محبت کرتے کسی گنہگار کو حقیر و ذلیل نہیں کرتے۔ اللہ کو جو محبوب ہے اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور اللہ کو جو مغبوض ہے۔ اس سے بغض رکھتے ہیں۔ اللہ کے راستے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ اچھی باتوں کا امر کرتے ہیں۔ اور مستحق علیہ منکر سے منع کرتے ہیں۔ یہ حضرات وہ ہیں جن کا اقتداء کیا جاتا ہے۔ ان کا احترام واجب ہے۔ یہی ہیں جن کی صورت دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔"

دوسری قسم کے مثلاً وہ ہیں۔ جو صاحب احوال ہیں۔ ان کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ ظاہر میں لنگے اندر (شریعت کا وہ) تحفظ نہیں (جو پہلی قسم کے مثلاً میں ہوتا ہے نہ وہ احتیاط ہے جو ان میں ہوتی ہے) ان کے احوال کو تو تسلیم کر لیا جائے مگر انہی محبت اختیار نہ کی جائے۔ اگر ان سے کچھ کرامات بھی ظاہر ہوں تو ان پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ جبکہ ان کے اندر شریعت کے ساتھ سوء ادب موجود ہے۔ کیونکہ ہمارے لئے اللہ تک پہنچنے کا راستہ اس راستہ کے سوا کوئی نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے شریعت میں مقرر فرما دیا ہے۔ تو جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تک پہنچنے کا راستہ شریعت کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔

اس کا قول غلط اور جھوٹ ہے۔ پس جس میں (شریعت کا) ادب نہ ہو۔ اسکی اقتداء نہ کی جائے۔ اگرچہ وہ اپنے حال میں سچا ہو۔"

۳۶
پرہیزنا۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ مال باپ کی خدمت۔ ان کو مامورات کہتے ہیں۔ اور
کلمات کفر کہنا۔ شرک کے افعال کرنا۔ زنا۔ چوری۔ سود خوری۔ رشوت وغیرہ ان
کو منہای کہتے ہیں۔ بعض اعمال ایسے ہیں کہ جن کا تعلق باطن سے ہے۔ جیسے ایمان و
تصدیق۔ عقائد حق، صبر و شکر توکل و رمنا بقضا تفویض و اخلاص۔ محبت خدا اور
رسول وغیرہ۔ ان کو مامورات و فضائل کہتے ہیں۔ اور عقائد باطلہ۔ بے صبری و
نا شکری۔ ریاء و تکبر و عجب وغیرہ۔ یہ منہای و فضائل ہیں جن سے شریعت نے منع
کیا ہے۔

جس طرح قرآن شریف میں
اقیموا الصلوة واتوا الزکوٰۃ

موجود ہے۔ اسی طرح
یا ایہا الذین آمنوا اصبروا
(ایمان دارو صبر کرو) اور

واشکروا لله
(اللہ کا شکر بجالاؤ) بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر
کتب علیکم الصیام اور لله علی الناس حج البیت
پاؤ گے۔ تو دوسرے مقام میں
یحبہم ویحبونہ اور والذین آمنوا اشد حباً لله
بھی دیکھو گے۔ جہاں

اذقماوا الی الصلوة قاموا کسالی
ہے۔ اس کے ساتھ

یراؤن الناس

بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام میں تارک نماز و تارک زکوٰۃ کی مذمت ہے۔ تو
دوسرے مقام میں تکبر و عجب کی برائی موجود ہے۔ اسی طرح احادیث کو دیکھو۔
جس طرح ان میں ابواب نماز۔ روزہ۔ بیع و شرا۔ نکاح و طلاق پاؤ گے۔ ابواب

ریاء و کبر و غیرہ بھی دیکھو گے۔

اس بات سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے۔ کہ جس طرح اعمال ظاہرہ حکم
خداوندی ہیں۔ اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکم الہی ہیں۔ کیا
اقیموا الصلوة واتوا الزکوٰۃ

امر کا صیغہ ہے۔ اور
اصبروا و اشکروا
امر کا صیغہ نہیں۔ کیا

کتب علیکم الصیام

سے روزہ کی مشروعیت اور مامور بہ ہونا ثابت ہے۔ اور

والذین آمنوا اشد حباً لله

سے محبت کا مامور بہ ہونا ثابت نہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ
ظاہری اعمال سب ہی باطن کی اصلاح کیلئے ہیں۔ اور باطن کی صفائی مقصود و موجب
نجات اور اسکی کدورت موجب ہلاکت ہے۔

قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا

بیشک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب رہا اور جس نے اسکو میلایا ناکام رہا۔

یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم
جس دن مال و اولاد کام نہ آئیں گے۔ مگر جو شخص کہ اللہ کے پاس سلامت قلب لے
کر آیا۔

دیکھو پہلی آیت میں تزکیہ باطنی کو موجب فلاح اور دوسری میں سلامتی قلب
کے بغیر مال و اولاد سب کو غیر نافع بنا دیا ہے۔

ایمان و عقائد بن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے۔ قلب ہی کا
فعل ہے اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں۔ سب ایمان ہی کی تکمیل کے لئے ہیں۔
پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے۔ جس سے انسان مقبول بارگاہ او
صاحب مدارج و مقام ہوتا ہے اور اس کا نام اصلاح و عرف میں تصوف ہے

تجدید تصوف
جاہلیت کے اس دور میں حق تعالیٰ نے پھر ایک ایسا حکیم الامت اور مجدد
ملت بھیج دیا جس نے مذکورہ بالا تمام خامیاں دور اور ضرورتیں پوری کر کے دربار

ملت بھیج دیا جس نے مذکورہ بالا تمام خامیاں دور اور ضرورتیں پوری کر کے دربار
نبوی کی یاد تازہ کر دی۔ انہوں نے نہایت کھلے لفظوں میں اعلان کیا کہ:
"لوگوں کو علم کی فکر تو ہے لیکن عمل کی نہیں۔ اس کا بڑا اہتمام ہوتا ہے
کہ ساری کتابیں پوری کر لیں۔ ہدایہ بھی۔ قدوری بھی۔ شمس بارزہ بھی۔ لیکن عمل
کی ذرا بھی پرواہ نہیں حالانکہ فقط کسی چیز کا جان لینا اتنا محال نہیں۔ شیطان بھی
بہت بڑا عالم ہے۔ بڑے بڑوں کو بہکاتا ہے۔ تفسیر میں وہ ماہر۔ حدیث سے وہ
واقف۔ فقہ میں وہ کامل اور اگر یہ سب علماء سے زیادہ نہ جانتا ہو۔ تو ان کو ہر کام کا کیسے
سکتا ہے۔ شیطان میں اگر کبھی ہے تو صرف اس بات کی کہ وہ اپنے علم پر عمل
نہیں کرتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایسا علم جو عمل کے لئے نہ ہو جہنم کا ذریعہ
ہے۔"

(مواعظ اشرفیہ ص ۸)

عمل کی ترغیب دینے کے بعد آپ نے تصوف کی اہمیت کا یوں احساس

دلایا کہ:

"تصوف کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ کیونکہ سب سے اول چیز تصوف
میں تواضع ہی کی تعلیم ہے۔ جس کو اصطلاح میں فنا کہتے ہیں۔ عموماً تو تصوف میں یہ
سب سے آخر مقام سمجھا جاتا ہے۔ لیکن درحقیقت سب سے اول مقام بھی فنا ہی
ہے اور سب سے آخر مقام بھی فنا ہی ہے کیونکہ فنا کے درجات ہیں۔ باقی بدوں
فنا کے تو کوئی اس طریق میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ خواہ لاکھ درود وظیفے
پڑے یا لاکھ تسبیحیں پھیرے۔"

لوگ کہتے ہیں کہ جہوں میں بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ میدان میں آنا چاہیے۔
میں کہتا ہوں کہ جہوں ہی میں بیٹھنے سے میدان کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ جیسے

ریڈیو حجرہ میں ہی رکھا جاتا ہے پھر اس سے تقریریں نشر ہو کر تمام عالم میں ہل چل
پڑ جاتی ہے۔ سعد بن وقاصؓ ایک معرکے میں امیر لشکر تھے۔ اور ذہل نکل آنے
کی وجہ سے نقل و حرکت سے معذور تھے۔ پھر بھی اپنے خیمہ میں بیٹھے بیٹھے فوج کی
کمان کر رہے تھے (بلکہ جب نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی بد سے پہلے
حرا تھا۔ تو بد گیراں چہ رسد)۔

(الافاضات الیومیہ حصہ، ہفتم ص ۲۷۸)

سلاسل اربعہ

آپ نے آج کل کے مدعیان تجدید کی طرح اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ
نہیں بنائی۔ بلکہ اپنی تمام تعلیمات کی بنیاد کتاب و سنت اور اتباع سلف صالحین
پر رکھی۔ اور عوام کو تربیت باطن کے چاروں سلسلوں یعنی چشتیہ۔ نقشبندیہ۔
قادریہ۔ سہروردیہ کے مشائخ عظام اور تربیت ظاہر کے چاروں سلسلوں شافعی۔
حنفی۔ مالکی۔ حنبلی کے آئمہ کرام کی تعظیم و تکریم کی تاکید کی اور لکھا کہ:

"اللہ و رسول ﷺ نے دین کی سب باتیں قرآن و حدیث میں بندوں کو
بتلاویں۔ اب کوئی نئی بات نکالنا دین میں درست نہیں۔ ایسی نئی بات کو بدعت
کہتے ہیں۔ بدعت بہت بڑا گناہ ہے۔ البتہ بعض باریک باتیں دین کی جوہر ایک
کی سمجھ میں نہیں آتیں ان کے اگلے عالموں نے اپنے علم کے زور سے قرآن و حدیث
سے سمجھ کر دوسروں کو بتلا دیں۔ ایسے لوگ مجتہد کہلاتے ہیں۔ مجتہد بہت
ہوئے ہیں۔ ان میں چار بہت مشہور ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ۔ امام شافعی۔ امام
مالک۔ امام احمد۔ جس کو جس مجتہد سے زیادہ اعتقاد ہو۔ اس کی پیروی اختیار
کرے۔"

اسی طرح نفس کے سنوارنے کے طریقے قرآن و حدیث کے موافق اولیاء
اللہ نے اپنے دل کی روشنی سے سمجھ کر بتلائے۔ ایسے لوگ شیخ کہلاتے ہیں۔ شیخ

۵۲
بھی بہت ہوتے ہیں۔ مگر ان میں چار زیادہ مشہور ہیں:
۱- خواجہ معین الدین چشتی
حضرت غوث الاعظم عبد القادر جیلانی
۲- شیخ شہاب الدین سہروردی
۳- خواجہ بہاؤ الدین نقشبند
۴- جس مجتہد اور شیخ سے اعتقاد ہوا کسی پر بھی تو اس میں پیروی

درست نہیں۔ اور اگر ان سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو اس میں پیروی درست نہیں۔
"تعلیم الدین باب العقائد)
اسی کتاب کے باب الوصایا میں آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو بھی نقل فرمایا کہ "مذہب میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے کہ حنفیوں کا مذہب سب سے اچھا ہے یا شافعیہ کا مذہب سب سے بڑھ کر ہے۔ اپنے مذہب پر عمل کرنا رہے نہ صوفیوں کے طریق میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے۔ کہ چشتیہ کی نسبت بڑے زور کی ہے دوسرا کچھ واہ نقشبندیوں میں اتباع سنت زیادہ ہے۔ اور اس قسم کے خرافات سے بچنا ہے اور جو لوگ مغلوب الحال ہیں۔ یا کسی تاویل سے کوئی امر کرتے ہیں جو اس شخص کے نزدیک خلاف سنت ہے۔ انکو برا بھلا نہ کہے۔ اور خود وہی کرے جو قواعد شرعیہ کے موافق ہو۔"

جامع اصول

اس سلسلہ میں آپ نے یہ جامع اصول تجویز فرمایا کہ:
"جن حضرات میں قبول کے علامات ظاہر ہیں اور منجملہ ان علامات کے علمائے متفقین کا حسن ظن بھی ہے۔ ان کے ساتھ حسن اعتقاد رکھے۔ اور ان کے کلام میں اگر کوئی امر ظاہر خلاف سواد اعظم دیکھے۔ تو اپنا اعتقاد اس کے موافق نہ

رکھے۔ نہ اس کو کسی کے سامنے نقل کرے۔ نہ ایسی کتابوں کا خود مطالعہ کرے۔ جب تک کسی شیخ سے نہ پڑھ لے۔ کیونکہ ان حضرات کا مقصود عوام کے لئے تدوین نہیں بلکہ عوام سے اخفا فرماتے تھے۔ لہذا اعتقاد سواد اعظم کے موافق رکھے اور اس کلام میں اگر تاویل ممکن ہو تو تاویل کرے۔ ورنہ غلبہ حال پر محمول کرے یا دشمنوں کے ملحق کر دینے کا احتمال کرے۔ یا مثل متشابہات کے اس کو مقبوض بہ حق کرے۔ کیونکہ گو وہ معصوم نہ تھے۔ لیکن شریعت کے بے حد متبع تھے۔ چنانچہ غیر معذور سے اگر کوئی فعل خلاف شریعت ظاہر ہو۔ تو اس پر ان سے خود نکیر منقول ہے اور اس لئے احکام میں خود ان سے ایسا امر منقول نہیں۔ (جو شریعت کے خلاف ہو) صرف بعض "اسرار" منقول ہیں۔ جن کی بنیاد ذوق کشف پر ہے۔ اور تعبیر خاص اصطلاح میں کی گئی ہے۔ اور ان دونوں چیزوں سے چونکہ عوام اور اہل ظاہر بے بہرہ ہیں۔ اس لئے انکے کلام کے معارض شریعت ہونے کا یہ لوگ فیصلہ نہیں کر سکتے۔ گو ظاہری (علم و فصل کے اعتبار سے) ان سے بڑھے ہوئے ہوں۔ اس لئے انکو اجمالاً تسلیم کر لینا چاہیے۔ ورنہ گستاخی سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

البتہ جو شخص ایسا محقق ہو۔ اس کو حق ہے کہ ایسے کلام پر مفصلاً رد کرے۔ خواہ خطائے اجتہادی کے درجہ میں اور خواہ ابطال کی حد تک۔"

مجاہدات اربعہ

ارباب تصوف تزکیہ کے لئے سالکین سے بعض مجاہدات و ریاضیات بھی کراتے ہیں۔ جن میں قلت طعام۔ قلت منام۔ قلت کلام اور قلت اختلاط مع الانام خاص طور پر مشہور ہیں۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وقت سے اب تک ان پر مسلسل اور متواتر عمل کیا جا رہا ہے۔ اور کسی نے اس امر کی طرف توجہ نہ دی تھی کہ آیا یہ مجاہدات اس زمانہ کے طبائع و اذواق کے موافق بھی ہیں یا نہیں۔

حضرت قانوی نے ان مجاہدات کے لئے بھی زمانہ حال کے حالات کے مطابق تراجم کیں اور انکو اتنا آسان کر دیا کہ ہر شخص باسانی ان پر عمل کر سکے۔ فرماتے ہیں:

"زہد ترک لذات کا نام نہیں۔ محض قلیل لذات کافی ہے۔ یعنی لذات میں انہماک نہ ہو۔ کہ رات دن اسی فکر میں رہے۔ یہ چیز زہد کے منافی ہے۔ ورنہ اگر بلا تکلف اور بلا استہام خاص کے لذات بھر آئیں تو یہ حق تعالیٰ کی نعمت ہے۔ شکر کرنا چاہیے۔ صحت کی بہت حفاظت کرے۔ دل و دماغ کو تفریح و تقویت ہمیشہ غذا دودا کرتا رہے۔ غذا میں نہ اتنی کمی کرے کہ ضعف بیوسے ہو جائے۔ نہ اس قدر افراط کہ معضم میں فتور ہو جائے۔

بہت کم کھانا بھی زہد نہیں۔ نہ یہ مقصود ہے۔ کیونکہ ہمارے کھانے سے لغو باللہ خدا تعالیٰ کے خزانہ میں کوئی توفیر تھوڑا ہی ہو جائے۔ ہاں اتنا کھانا نہ کھائیے کہ پیٹ میں درد ہو جائے۔ ہمارے حاجی (امداد اللہ) صاحب کا مذاق تو یہ تھا کہ نفس کو خوب آرام سے رکھے۔ لیکن اس سے کام بھی خوب لے میرا تو خیال ہے کہ "مزدور خوش دل کند کار بیش"۔ حضرت حاجی صاحب نے ایک روز فرمایا کہ میاں اشرف علی! پانی ہمیشہ ٹھنڈا پیو کہ ہر بن موسیٰ الحمد للہ ٹکے۔ ورنہ گرم پانی پی کر زبان تو الحمد للہ کھے گی۔ دل شریک نہ ہوگا۔

"اسی طرح سونے میں اعتدال رکھے۔ نہ اتنا زیادہ سونے کہ کسل ہو جائے نہ بہت کمی کرے۔ کہ بیوست (خشی) ہو جائے۔"

البتہ کثرت کلام پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

"زیادہ گوئی قابل ترک ہے۔ حضرات عارفین کا مشاہدہ ہے کہ ضروری گفتگو دن بھر بھی ہوتی رہے۔ تو اس سے قلب پر ظلمت کا اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک کبریاؤں بھر "لے لوار دو" پکارتا پھرے۔ تو ذرہ برابر قلب میں اس سے غفلت نہ آنے لگی۔ کیونکہ یہ بضرورت ہے اور بے ضرورت ایک جملہ بھی زبان سے نکل جائے۔ تو دل سیاہ ہو جاتا ہے۔"

مجاہدہ نفس

ضرورت نگرانی

یوں تو انسان اپنی ہر چیز کی نگرانی اور حفاظت کرتا ہے۔ مگر جس چیز کی زیادہ نگرانی کی ضرورت ہے۔ اس سے بالعموم غفلت برقی جاتی ہے۔ یعنی انسان اپنے نفس کی اتنی نگرانی نہیں کرتا۔ حالانکہ فی الحقیقت مال کا ضیاع نفس کے معصیت میں مبتلا ہونے کے ابتلا سے کم تر ہے۔ کیونکہ دولت باطنی کی بقا کا تمام تر دار و مدار نفس کی نگہداشت پر ہے۔ اور باطن کا اثر ظاہر پر ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت شیخ اکبر قدس سرہ العزیز اپنے رسالہ

الامر المحکم المربوط فیما یلزم اصل طریق اللہ من الشروط میں لکھتے ہیں کہ:

"پس جبکہ شیخ ہر روز اپنے حالات کی نگرانی اسی طریق سے نہ کرے۔ جس سے اس کی یہ تمکین (یعنی دوام اطاعت اور کثرت ذکر کی عادت) حاصل ہوتی ہو۔ تو (غیب نہیں) کہ وہ دھوکہ میں پڑ جائے۔ اور آہستہ آہستہ طبیعت اور عادت قدیمہ اسکو اپنی طرح کھینچ لے۔ اور پھر وہ خلوت میں بھی رہنا چاہے۔ تو انس حاصل نہ ہو۔ بلکہ خلوت سے وحشت ہونے لگے۔ اور یہی حال ہے ان تمام حالات و کیفیات کا۔ جو نفس کی طبیعت و جبلت کے موافق نہیں۔ کہ ان حالات کے حصول پر اعتماد نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ بہت سریع الزوال ہوتے ہیں اور ہم نے بہت سے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے درجہ سے گر گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انکو عافیت عطا اسی طرح لوگوں سے تعلق بڑھانے کو سخت مضر بتایا کہ:

"اگر تم ارتباط بالاحباب کی وجہ سے معمولات کو نافذ کرو گے۔ تو ایک دن بالکل کورے ہو جاؤ گے۔"

من لاوردلہ لاواردلہ

چنانچہ انہی اصول و قواعد کے تحت آپ سائیں کی تعلیم و تربیت فرماتے رہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔
 فرماتے (این) حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔
 اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوَعًا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نفس کے تمام رذائل کو جمع فرمایا اور بیان فرمادیا ہے۔
 کہ جتنے فضائل نفس کو حاصل ہیں۔ وہ اس کے جلی اور گلی ہیں۔ اس لئے ان کا تلفظ واجب ہے۔
 اسی طرح شیخ ابودین مغربی جو حضرت شیخ اکبر کے مشائخ میں سے ہیں۔
 طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں کہ:
 "جو درویش اپنی (باطنی) زیادتی اور کمی کو ہر دم محسوس نہ کرتا رہے۔ وہ درویش نہیں۔"

شاہان طریق کی اس تحقیق کے آئینہ میں جب ہم حضرت تھانوی کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو آپ کو ہر وقت نگرانی نفس میں مشغول پاتے ہیں۔ جو شخص خود اپنے نفس کی نگرانی و نگہداشت نہ کر سکے وہ دوسروں کی نفسانی امراض کا کما حقہ علاج کیسے کر سکتا ہے؟ اسی لئے حضرت تھانوی کے ہاں ظاہری ریاضات و مجاہدات کی طرف بالکل اعتنا نہیں برتا جاتا تھا۔ مگر باطنی مجاہدات کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی۔ جس کی بناء پر آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

"میرے طریق میں تو عمر بھر لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں۔ گویا جنم کا روگ لگ جاتا ہے۔ میرے یہاں تو وہ آوے جس کو رات دن اپنے نفس پر آڑے چلانے ہوں۔"

شاہی سلوک

مگر یہ آڑے بھی سرتا سر قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق ہی چلانے پڑتے تھے۔ دوسرے مشائخ کی طرح یہاں یہ دستور نہ تھا کہ اپنے مریدین سے گھنٹہ

گھنٹہ دو دو گھنٹے ذکر و شغل کر لینا اور پھر انہیں خلافت شریع و وضع قطع وغیرہ امور میں بالکل آزاد چھوڑ دینا حضرت تھانوی کا تو یہ اصول تھا کہ نہ ریاضیات کراتے تھے۔ نہ مجاہدات۔ نہ ترک تعلقات کراتے تھے۔ نہ ترک لذات و مباحات۔ بلکہ تاکید فرماتے تھے کہ:

"خوب راحت و آرام سے رہو تا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو۔ اور طبیعت میں نشاط رہے۔ جو معین عبادات ہو۔ البتہ معصیت کے پاس سے نہ پھنگو اور نفس کی ہر وقت نگرانی رکھو۔ اور ہمت سے کام لو۔ اور بقدر تحمل و فرصت کچھ ذکر و شغل بھی کرتے رہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ مقصود کا حصول یقینی ہے۔ نہ کم کھانے کی ضرورت ہے۔ نہ کم سونے کی یہ دونوں مجاہدے آج کل متروک ہیں۔ کیونکہ طبائع میں پہلے ہی ضعف غالب ہے۔ البتہ کم بولنا اور کم ملنا جلنا ضروری ہے۔ لیکن نہ اتنا کہ قلب میں انقباض پیدا ہو جائے۔"

اور اسی پر آپ کا عمل تھا۔ جس پر ایک حقیقت شناس لے کہا:
 "حضرت تھانوی کا سلوک تو شاہی سلوک ہے"

فریب نفس

ایک دفعہ ایک صاحب نے کسی کے ترکہ سے پانچ سو روپیہ بذریعہ بیمہ مصارف خیر کے لئے حضرت تھانوی کی خدمت میں بھیجے۔ مگر اس کے بھیجنے کے متعلق پہلے اجازت نہ لی۔ اس لئے حضرت نے حسب معمول بیمہ واپس کر دیا۔ اس پر انہوں نے ایک معذرت نامہ بھیجا اور روپیہ بھیجنے کی اجازت چاہی۔ اس خط سے معلوم ہوا کہ اس پانچ سو روپیہ میں زیادہ حصہ تو ان ورثا کا ہے جو اسے مصارف خیر میں صرف کرنے کی اجازت دے چکے ہیں۔ اور قلیل حصہ ایسے ورثاء کا ہے۔ جن سے اس امر کی اجازت حاصل نہیں کی گئی۔ اس لئے حضرت تھانوی نے کلی طور پر ممانعت لکھ بھیجی کہ چونکہ بعض ورثاء کی اجازت حاصل نہیں کی گئی اس لئے یہ رقم

نہ بھیجی جائے۔
 مجلس عام میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت نے اس فضیلت کا
 انکشاف فرمایا کہ "ممانعت کلی لکھتے وقت میرے نفس نے کہا کہ رقم کے اس حصہ
 کو تو بھیجنے کی اجازت لکھ دی جائے جس کے متعلق ورثاء کی اجازت لی جا چکی ہے۔
 اچھا ہے مساکین کا بھلا ہو جائے گا۔ لیکن میں نے اپنے نفس سے کہا کہ اچھا آپ
 اپنے استاد کو بھی پیٹ پڑھانا چاہتے ہیں۔"
 اور اس طرح آپ فریب نفس سے بچ گئے اور فخر و نگرانی نفس کی
 برکت تھی کیونکہ:

نگرانی نفس

حضرت تھانوی جہاں طالبین کے نفوس کی ہر وقت دیکھ بھال کرتے رہتے
 تھے۔ وہاں اپنے نفس کی بھی نگرانی رکھتے تھے۔ اور اسے ابھرنے کا ذرہ موقع نہ دیتے
 تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ:

"اگر گھر سے کہیں گئی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور کوئی غیر محرم عزیز یا مہمان یا
 کام کاج کرنے والی عورت یا لڑکی گھر میں ہوتی ہے۔ تو میں اس زمانہ میں گھر جانا ہی
 چھوڑ دیتا ہوں اور اگر کوئی ضروری بات کہنی یا سننی ہوتی ہے۔ تو دہلیز ہی میں
 کھڑے کھڑے کہہ سن لیتا ہوں۔ اندر نہیں جاتا۔ یہ میں اس لئے اوروں کو سنارہا
 ہوں کہ سب کو اس معاملہ میں غایت درجہ احتیاط رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ اول تو نفس کا
 کچھ اعتبار نہیں پھر خیالات کا بھی تو پاک صاف رکھنا ضروری ہے۔ بلکہ نابالغ نامحرم
 لڑکیوں سے بھی احتیاط ہی چاہیئے۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی نابالغ لڑکی کے
 سر پر ہاتھ پھیرنے کا سبب تو شفقت ہی ہوتا ہے۔ لیکن سر پر ہاتھ رکھنے کے
 تصور ہی دیر بعد نفس کی آسیرش ہونے لگتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو عموماً
 ایسے وقائع نفسی کی طرف اعتناء بھی نہیں ہوتا۔ اور وہ برابر شفقت ہی کے گمان

میں رہتے ہیں۔ اس کی احتیاط واجب ہے۔"

ایک اور موقع پر فرمایا کہ:

"میں کسی مرد کو بھی اپنے پاس تنہائی میں نہیں آتے دیتا۔ گو یہ بات اپنی
 ذات میں تو معمولی ہے لیکن جو شخص مجھ سے اعتقاد رکھتا ہو۔ اس کے لئے یہ بہت
 بڑی بات ہے۔ کہ جب یہ پیر ہو کر بھی اپنے نفس کی اتنی حفاظت کرتے ہیں۔ تو
 ہمیں تو بہت ہی زیادہ حفاظت کرنی چاہیئے۔"

"ایک مرتبہ آپ مولوی عبدالکریم صاحب گمستلوی کے ہمراہ سفر فرما رہے
 تھے۔ آپ نے نارنول سے الور۔ الور سے دہلی اور دہلی سے پانی پت جانا تھا۔
 نارنول میں جمعہ پڑھا۔ تو آپ نے شب جمعہ کو تہجد کے وقت کپڑے بدلنے کیلئے
 مولوی صاحب موصوف سے کپڑے مانگے۔ جن کی تمویل میں آپ کا بیگ تھا۔
 انہوں نے چکن کا کرتہ پیش کیا فرمایا یہ نہیں۔ ململ کا کرتہ لائیے۔ جب وہ ململ کا
 کرتہ لائے۔ تو پھر فرمایا کہ اچھا وہ چکن کا ہی لے آئیے۔ اس کو رکھ دیجئے۔ جب وہ
 چکن کا کرتہ لائے تو فرمایا کہ کچھ خبر بھی ہے۔ یہ میں نے کیوں کیا۔ بات یہ ہے کہ
 جب آپ اچکن کا کرتہ لائے۔ تو مجھے خیال ہوا کہ یہ تو قصہ ہے۔ یہاں ململ کا کرتہ
 پہن لینا کافی ہے۔ اس کے بعد دہلی بھی جانا ہے وہاں چکن کا کرتا پہننا مناسب ہو
 گا۔ (اس مصلحت سے کہ امرا کی نظر میں ذلت نہ ہو۔) میں نے اس خیال کی مخالفت
 کی۔"

آپ نے صرف اسی پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ نفس کو اس سرتابی کی سزا دینے
 کے لئے الور سے دہلی روانہ ہوتے ہوئے کپڑے نہ بدلے۔ یہاں تک کہ دہلی میں
 بھی نہ بدلے۔ حالانکہ کپڑے میلے ہو چکے تھے۔ اور بوجہ نفاست مزاج میلے کپڑوں
 سے بہت اذیت ہو رہی تھی۔ مگر جب دہلی سے پانی پت پہنچے۔ تو فوراً غسل فرما کر
 کپڑے بدل لیے۔ اور اس طرح آپ نے نفس کی خواہش عزت پوری نہ ہونے
 دی۔

راحت رسانی

حقیقت راحت

قرآن کریم اور احادیث نبوی میں اسی دنیا کے اندر لطف جنت اٹھانے کیلئے جس قدر اصول و آداب موجود ہیں۔ ان تمام کی اساس و بنیاد اس پر ہے کہ مسلمان کو مسلمان کی زبان اور ہاتھ سے آزار نہ پہنچے۔ جسے ایک شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

بہشت آنجا کہ آزار سے نباشد

دین کے پانچ اجزاء میں سے عقائد و عبادات کا تعلق براہ راست حق تعالیٰ سے ہے۔ صحت اخلاق و معاملات کا تعلق زیادہ تر انسان کی اپنی ذات خاص سے ہے۔ اور ادب معاشرت کا تعلق تمام تر عوام الناس کے ساتھ ہے۔ جنہیں حق تعالیٰ نے اپنی عیال کا سر کر کے اپنا محبوب بتایا ہے۔ اور یہ ایک نفسیاتی امر ہے کہ جو کسی کے محبوب سے محبت کرتا ہے وہ بھی محبوب سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا سبب طریق یہ ہے کہ اس کی مخلوق کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دی جاوے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ کسی کی بھی توجہ نہیں بلکہ اس وقت حالت یہ ہے کہ

انسان کو انسان ہی جینے نہیں دیتا

مشاہیر صوفیاء و مشائخ میں اس بات کا شرف اولیت حضرت تھیں حاصل ہے کہ آپ نے ذکر و شغل اور مجاہدات و ریاضات کی بجائے ایسی

سامان راحت نفس کی اس طرح نگرانی کرنے سے گو شروع میں تھوڑی سی کلفت ہوتی ہے۔ مگر اس کے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اسی سے دائمی راحت کا سامان پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ کاپٹی کے سفر کے دوران میں خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب کے ایک ہم سبق انگریزی خواں پولیس آفیسر بھی ہم سفر تھے۔ خواجہ صاحب بھی حضرت کے ساتھ تھے انہوں نے خواجہ صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت سے عرض کیا کہ ان کی حالت دیکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی ہمت نہیں پڑتی۔ حضرت نے فوراً فرمادیا کہ:

"اس کو نہ دیکھئے مگر یہ دیکھئے کہ گھڑی کو چابی دینے والا تو ایک مرتبہ ہی چابی دیتا ہے۔ پھر جو کچھ اس میں تغیرات ہوتی ہیں۔ وہ تو خود بخود اور جسے کلفت ہی ہوتے رہتے ہیں کہ پہلے ایک بجے۔ پھر دو۔ پھر تین دس علی ہذا یعنی بظاہر ضرور دشواری نظر آتی ہے۔ مگر اس دشواری کو ایک مرتبہ برداشت کر لینے سے جو تعلق مع اللہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی لذت کے مقابلہ میں اس دشواری کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ قلب خود بخود اپنی اصلاح کی طرف راغب رہتا ہے اور جو نہی کوئی ایسا ناگوار واقعہ پیش آتا ہے۔ تو وہ فوراً اس کی کوئی نہ کوئی تاویل کر کے مطمئن ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ ہر وقت باطنی ترقی کرتا رہتا ہے اور اس شخص سے بڑھ جاتا ہے۔ جسے عبادات نافلہ کا تو اہتمام بہت ہوتا ہے۔ لیکن قلب کی نگہداشت کا اہتمام نہیں ہوتا۔"

توجہ اصلح معاشرت پر رکھی۔ جو مکدر و انقباض کی رافع اور مسرت و انبساط کی جامع ہے۔

اصول راحت
ذیل میں حضرت تھانوی کے چند اصول راحت پیش کئے جاتے ہیں تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ اس معاملہ میں حضرت کی نظر کتنی دور رس تھی۔

اپنے لئے

مشکلم کو ہدایت تھی کہ:

۱۔ بات ہمیشہ صاف اور بے تکلف کہہ دے۔ تکلف کی تمہید وغیرہ نہ کرے۔
۲۔ کسی کے توسط سے بلا ضرورت پیغام نہ پہنچائے جو کچھ کہنا ہو۔ خود بے تکلف کہہ دے۔

۳۔ جب بات کرنی ہو تو سامنے بیٹھ کر کرے۔ پشت پر سے کرنے میں الجھن ہوتی ہے۔

۴۔ اگر گفتگو میں کسی کی بے تمیزی پر زیادہ تغیر مزاج میں ہونے لگے تو بہتر ہے کہ بلا واسطہ اس سے گفتگو نہ کرے۔ کسی مزاج شناس۔ سلیقہ شعار کو بلا کر اس کے واسطہ سے گفتگو کرے تاکہ تمہارا تغیر دوسرے پر اور اسکی بے تمیزی تم پر اثر انداز نہ ہو۔

۵۔ دوسروں کی بات اچھی طرح توجہ سے سنے۔ اور اگر کچھ شبہ رہے تو مشکلم سے فوراً دوبارہ تحقیق کر لے۔ بے سمجھے محض اجتہاد سے کام نہ لے۔ بعض اوقات غلط فہمی کے ساتھ عمل کرنے سے مشکلم کو اذیت ہوتی ہے۔

دوسروں کیلئے

دوسروں کو تاکید تھی کہ:

۱۔ جس سے بے تکلفی نہ ہو۔ اس سے ملاقات کے وقت اس کے گھر کا حال نہ پوچھو۔

۲۔ لڑکوں کے سامنے کوئی بے شرمی کی بات نہ کہو۔

۳۔ جو آدمی تیزی کے ساتھ جا رہا ہو۔ راستہ میں اسے مصافحہ کرنے کے لئے مت روکو شاید اس کا کوئی حرج ہو۔ اسی طرح ایسے وقت میں اس کو کھڑا کر کے بات مت کرو۔

۴۔ جو شخص کھانے کے لئے جا رہا ہو۔ یا بلایا گیا ہو۔ اس کے ساتھ اس مقام تک مت جاؤ کیونکہ صاحب خانہ شرمناک کھانے کی تواضع کرتا ہے۔ اور دل اندر سے نہیں چاہتا۔ اور بعضے جلدی قبول کر لیتے ہیں۔ تو صاحب خانہ کی بلارصنا کھانا کھایا اور اگر قبول نہ کیا۔ تو صاحب خانہ کی سبکی ہے۔ پھر خود صاحب خانہ کا اول صورت میں تردد یہ بھی مستقل ایذا ہے۔

۵۔ کوئی چیز جو کسی شخصوں کے استعمال میں ہوتی ہو۔ اس سے کام لینے کے بعد اسے واپس کر دو۔ اور اس کا بہت ہی اہتمام کرے تاکہ دوسروں کو پریشانی نہ ہو۔
۶۔ جہاں جس کا جوتہ رکھا ہو۔ اس کو ہٹا کر اپنا جوتہ رکھ کر مسجد وغیرہ میں نہ جانا چاہیئے جہاں جس کا جوتہ رکھا ہو۔ وہ اسی کا حق ہے۔ وہیں آکر دیکھے گا۔ نہ ملے گا تو پریشان ہو گا۔

۷۔ جہاں اور آدمی بیٹھے ہوں وہاں بیٹھ کر مت تھو کو۔ نہ ناک صاف کرو۔ اگر ضرورت ہو تو ایک کنارے جا کر فراغت حاصل کرو۔

۸۔ بیمار کے سامنے یا اسکے گھر والوں کے سامنے ایسی باتیں مت کرو۔ جس سے زندگی کی ناامیدی پائی جائے۔ ناحق دل ٹوٹے گا۔ بلکہ تسلی کی باتیں کرو۔ کہ انشاء اللہ تعالیٰ سب دکھ جاتا رہے گا۔

مشغول اور پریشان رہتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ جس کے پاس قصد کر کے آئے ہو۔ اس کے مصافحہ پر کفایت کرو۔ البتہ اگر دوسرے سے بھی تعارف ہو تو مصافحہ نہیں۔

مہمانوں کے لئے

مہمانوں کے لئے یہ اصول وضع فرمائے کہ:

۱۔ کسی کے گھر میں مہمان بنو تو اس سے کسی چیز کی فرمائش نہ کرو۔ بعض دفعہ چیز تو بے حقیقت سی ہوتی ہے۔ مگر اس وقت گھر والا اس کو پوری نہیں کر سکتا۔ ناحق اس کو شرمندگی ہو گئی۔

۲۔ اگر کسی کے ہاں مہمان بنو اور تم کو کھانا کھانا منظور نہ ہو۔ خواہ کھا چکنے کی وجہ سے یا روزہ کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے کھانے کا ارادہ نہ ہو تو فوراً جاتے ہی اس کی اطلاع کر دو کہ میں اس وقت کا کھانا نہ کھاؤں گا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ انتظام کرے۔ اور انتظام میں اسے تعب بھی ہو اور تمہارے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے اس کا نقصان بھی ہو۔

۳۔ اسی طرح مہمان کو چاہیے کہ کسی کی دعوت میزبان کی اجازت کے بغیر قبول نہ کرے۔

۴۔ اگر مہمان کھانا چاہے تو میزبان کو اطلاع کر کے جاوے تاکہ بعد میں اس کی تلاش نہ کرنی پڑے۔

۵۔ جہاں مہمان بنے۔ وہاں کے انتظامات میں مہمان ہونے کی وجہ سے ہر گز دخل نہ دے۔ البتہ اگر میزبان کوئی خاص انتظام اس کے سپرد کرے تو اس کے اہتمام کا مصافحہ نہیں۔

۶۔ مہمان کو چاہیے کہ اگر پیٹ بھر جاوے تو تھوڑا سا لٹ روٹی دسترخوان میں ضرور چھوڑ دے۔ تاکہ گھر والوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ مہمان کو کھانا کم ہو گیا۔ اور وہ دل میں

۹۔ اگر کسی سے پوشیدہ بات کرنی ہو۔ اور وہ بھی اس جگہ موجود ہو۔ تو آنکھ سے یا ہاتھ سے ادھر اشارہ مت کرو۔ ناحق اس کو شبہ ہو گا۔ اور یہ جب ہے کہ اس بات کا کرنا ضرور مست بھی ہے۔ اور اگر درست نہ ہو تو ایسی بات کرنا ہی گناہ ہے۔

۱۰۔ کسی کو کوئی چیز ہاتھ میں دینا ہو تو دور سے مت پھینکو۔ کہ وہ ہاتھ میں لے لے گا۔

۱۱۔ اگر کسی شخص پر قصد آنا خوش ہونا پڑے یا اتفاق سے ایسا ہو جائے تو دوسرے وقت اس کا دل خوش کر دو۔ اور اگر تم سے واقعی زیادتی ہو گئی ہے تو بے تکلف اس سے معذرت کر کے اپنی زیادتی کی معافی مانگ لو۔ عار مت کرو۔ قیامت میں وہ اور تم برابر ہو گے۔

ملاقاتیوں کے لئے

ملاقاتیوں کے لئے ان چند اصولوں کی پابندی لازمی تھی کہ:

۱۔ اگر کسی سے ملنے جاؤ تو وہاں اتنا مت بیٹھو یا اس سے اتنی دیر باتیں مت کرو کہ وہ تنگ آ جاوے یا اس کے کام میں حرج ہونے لگے۔

۲۔ اگر مجلس میں کوئی خاص گفتگو ہو رہی ہے۔ تو نئے آنے والے کو خواہ مخواہ سلام کر کے اپنے طرف متوجہ کر کے سلسلہ گفتگو میں مزاحم نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ چپکے سے نظر ہٹا کر بیٹھ جاوے۔ پھر موقع پا کر سلام وغیرہ کرے۔

۳۔ مشغول آدمی کے پاس بیٹھ کر اس کو تنگ نہ رہے کہ اس سے دل بٹتا ہے اور دل پر بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ بلکہ خود اس کی طرف متوجہ ہو کر نہ بیٹھے۔

۴۔ کوئی حاجت لے کر جاوے۔ تو موقع پا کر فوراً اپنی بات کہہ دے انتظار نہ کراوے۔

۵۔ بعض آدمی مجلس میں پہنچ کر سب سے الگ الگ مصافحہ کرتے ہیں۔ اگرچہ سب سے تعارف نہ ہو جس میں بہت وقت صرف ہوتا ہے اور فراغ تک تمام مجلس

تعلیم و تربیت

محور زندگی

حضرت تھانوی کی زندگی کا ایک سرسری جائزہ لینے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی امت مسلمہ کی اصلاح و تربیت کے لئے ہی وقف کر رکھی تھی۔ آپ کو ہر وقت طالبین و سالکین کی اصلاح و نفع کا خیال رہتا تھا۔ اس باب میں آپ کو اتنا اہتمام تھا کہ خود طالبین و سالکین بھی اپنے لئے اتنی فکر نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے جن جن گوشوں تک آپ کی نظر پہنچتی تھی۔ وہاں کسی دوسرے کی نظر پہنچنی محال تھی۔

تشخیص و معالجہ

ایک صاحب قلم فلسفی لکھتے ہیں کہ:

"اکثر اطباء علاج میں صرف مرض کا خیال کرتے ہیں۔ مریض کا نہیں۔ شخصی حالات یا زمان و مکان کے اختلافات پر بہت کم نظر جاتی ہے۔ حضرت کے ہاں روحانی معالجہ میں دونوں باتوں کا پورا لحاظ رہتا ہے۔ مثلاً کم خوری۔ کم خوابی یا دیگر ریاضیات شاقہ وغیرہ کو غالباً اس زمانہ کے لوگوں کیلئے بالعموم ترک ہی فرما دیا ہے۔ اذکار و اشغال وغیرہ تمام چیزوں میں طبیعت کی مناسبت اور برداشت کا خیال فرماتے ہیں۔ زیادہ زور احکام پر ہے۔ تشخیص مرض اور نفس شناسی میں حضرت کی خداقت حیرت انگیز ہے۔ کسی ماہر نفسیات کی نگاہ وہاں کیا پہنچے گی۔

فرمائشوں کے لئے

فرمائش کرنے والوں کو ہدایت تھی کہ: یقیناً یا مطلقاً ہو کہ تمہارے کھنے کو ہرگز ۱۔ جس شخص کی نسبت تم کو قرآن سے متعلق یا مطلقاً ہو کہ تمہارے کھنے کو ہرگز نہ ملے گا۔ تو اس سے کسی ایسی چیز کی فرمائش نہ کرو جو شرعاً واجب نہیں۔ ۲۔ اگر بلا فرمائش کوئی تمہاری مالی یا بدنی خدمت کرے۔ تب بھی اس کا لحاظ رکھو کہ اس کی راحت یا مصلحت میں خلل نہ پڑے۔ یعنی اس کو زیادہ نہ جاگئے دو۔ اسکی گنجائش سے زیادہ اس کا ہدیہ مت لو۔ اگر وہ تمہاری دعوت کرے تو بہت سے کھانے مت کالئے دو۔ ہر ای میں بہت سے آدمیوں کی دعوت مت کر لے دو۔ ۳۔ کسی ایسے شخص سے کوئی چیز مت مانگو کہ تم کو قرآن سے یقین ہو کہ وہ باوجود گرائی کے بھی انکار نہ کر سکے گا۔ اگرچہ یہ مانگنا بطور عاریت یا قرض کے ہی کیوں نہ ہو۔ اگر یہ یقین ہو کہ اس کو گرائی ہی نہ ہوگی۔ یا اگر گرائی ہوئی۔ تو یہ آزادی سے

عذر کر دے گا۔ تو مصائقہ نہیں اور ۴۔ یہی تفصیل ہے کسی کام بتلانے میں۔ کوئی فرمائش کرنے میں کسی سے کسی کی سفارش کرنے میں۔

۵۔ اسی طرح کسی کی وجاہت سے کام نکالنا۔ مثلاً کسی بڑے آدمی سے اپنی قرابت ہے۔ اور اس کے کسی معقد یا اثر ماننے والے کے پاس اپنی کوئی حاجت لے جاوے اور قرآن سے معلوم ہو کہ وہ بطیب خاطر اس حاجت میں سعی نہ کرے گا۔ بلکہ محض اس بڑے آدمی کے تعلق اور اثر سے کرے گا کہ بے توجہی سے وہ ناراض نہ ہو جائے تو اس طرح سے کام نکالنا۔ یا کام کی فرمائش کرنا حرام ہے۔

جہاں حضرت کی پہنچتی ہے۔ ایک شخص اپنی جس صفت کو تواضع سمجھ رہا ہے۔ اور دوسرے بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ حضرت کی مذاقت اسے کبر کا مریض تشخیص فرماتی ہے۔ اور پھر مریض کو خود نظر آجاتا ہے کہ ہاں یہ تواضع نہیں کبر تھا۔ بعض مرتبہ آدمی اپنا کوئی ایسا حال بیان کرتا ہے کہ دوسرا مرشد تو شاید اس کی ولایت کی تصدیق کر دے۔ مگر حضرت بیسوت دماغ کا علاج کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔ اسی طرح دوسری طرف بعض حالات و خیالات پر انسان اپنے کفر و نفاق تک کا گمان ہونے لگتا ہے۔ لیکن حضرت کی تشخیص میں وہ ایمان و اخلاص کے منافی نہیں ہوتے کم ہمت سے کم ہمت کو بھی حضرت ہمت شگستہ نہیں ہونے دیتے۔ بلکہ جہاں تک بھی اس کی ہمت یاوری کرے۔ دین کا سر یہ ہے، کہ خدا سے ہمت لے رکھتے ہیں۔ ایسے ہی تجربات ہیں کہ مرشد کی کیا ضرورت ہے اور اس کو کیسا ہونا چاہیے۔

تعلیم و تربیت کے باب میں بعض کلیات تو حضرت کے ایسے ہیں مثلاً مطلوب و غیر مطلوب اختیاری و غیر اختیاری کی تفریق و تحلیل کہ جن سے سلوک کی سبکدوشی گریں کھل جاتی ہیں۔ ہمت سی باتوں کو سالک اہم و مقدم قرار دے لیتا ہے۔ جو دراصل غیر اہم یا سرے سے غیر ضروری ہوتی ہے۔ جیسے احوال و اذواق۔ کثرت و کمالات۔ ان کے عدم حصول سے نہ صرف دل ٹوٹ جاتا ہے۔ بلکہ جو امور حقیقتہً اہم و اقدام ہیں۔ ان کا دل میں اہتمام ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ایک بڑی سہولت تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں حضرت نے یہ فرمادی ہے کہ جس کے بعد مروجی کا کوئی عذر نہیں رہ جاتا۔ کہ دور دراز مقام پر رہ کر بھی آدمی مکاتبت کے ذریعہ کافی استفادہ کر سکتا ہے۔ اس معاملہ میں حضرت کی بصیرت سراپا کرامت ہے۔ طویل سے طویل اور پراگندہ سے پراگندہ خطوں میں دکھتی ہی رگ پر انگلی پڑتی ہے۔ اور دو چار فقروں میں شافی و کافی جواب تحریر فرمادیتے ہیں۔ " (الفیض الجاری)

اہمیت اصلاح

حضرت تھانوی کی ابتدائی اور اہم ترین کوشش یہ ہوتی تھی کہ اصلاح اعمال کی اہمیت طالب کے ذہن نشین ہو جائے اور جب تک یہ مقصود حاصل نہ ہو جاتا۔ نہ آپ خود چین لیتے اور نہ اسے چین لینے دیتے۔ مگر یہ منزل آپ صرف استفسارات میں ہی طے کر دیتے تھے۔ اور اس کا حق تعالیٰ نے آپ کو ایسا ملکہ و سلیقہ بخشا تھا۔ جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ آپ طالب سے محققانہ سوالات کر کے اسے اس طرح لاجواب کر دیتے کہ اس کا جہل اسکے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا تھا۔ اور وہ اپنے لئے گریز پائی کے تمام راستے مسدود پا کر شاہراہ طریقت پر چلنے کے لئے مجبور ہو جاتا تھا۔ جس کی مثالوں سے اشرف السوانح حصہ دوم بھری پڑی ہے۔

طریق اصلاح

حضرت تھانوی کے ہاں امراض باطنی کے معالجہ کا دستور یہ تھا کہ طالب آپ کو محض اپنے حالات باطنیہ کی اطلاع دے۔ اور درخواست اصلاح کرے لیکن تشخیص و تجویز کے سلسلہ میں اپنی طرف سے کوئی رائے یا تدبیر پیش نہ کرے۔ اور یہ تمام معاملہ آپ کی رائے پر چھوڑ دے۔ جب آپ تمام حالات کا جائزہ لے کر یا بشرط ضرورت ضروری استفسارات فرما کر مرض و علل تشخیص و تجویز کریں۔ تو طالب بلاچون و چرا اور بکمال اعتماد آپ کی تجاویز پر عمل کرنا شروع کر دے اور اس میں قطعاً قطعاً اپنی رائے کو خیل نہ ہونے دے عمل کرنے کے بعد یا عمل کرنے کے دوران میں جو جو حالات اور تغیرات پیدا ہوتے جائیں ان سے آپ کو مطلع کرتا رہے۔ اور ان کے پیش نظر حضرت اپنی تجویزات میں جو مناسب حال تغیر و تبدل یا کمی بیشی یا ترمیم و تنسیخ فرمائیں۔ ان پر کاربند رہے اور یہ سلسلہ برابر جاری رکھے اس طریق کو ذہن نشین کرنے کیلئے حضرت نے فرمایا کہ بس ان چار ہم

قافیہ الفاظ کو یاد رکھئے۔ اطلاع و اتباع۔ اعتقاد و انقیاد۔ تعلیم و تربیت کا یہ دستور
آپ کے اس اصول پر مبنی تھا کہ:
"انسان صرف اختیاری امور کا مکلف ہے۔ غیر اختیاری امور کا مکلف ہی
نہیں لہذا اختیاری امور میں تو بہ تکلف ہمت اور استعمال اختیار سے کام لے اور
غیر اختیاری امور کے نہ تو درپے ہو اور نہ ان کی فکر میں پڑے۔"

چنانچہ جب کوئی طالب اپنے کسی عیب کی اصلاح چاہتا ہے۔ تو آپ سب سے
پہلے اس پر یہ سوال کرتے کہ یہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری؟ اگر وہ کہتا کہ اختیاری
ہے تو فرماتے جس چیز کا فعل اختیاری ہے اس کا ترک بھی اختیاری ہے۔ ہمت کر
کے اختیار کو استعمال میں لاؤ۔ اگر وہ کہتا کہ غیر اختیاری ہے۔ تو اگر وہ دراصل غیر
اختیاری ہوتا۔ تو فرماتے کہ غیر اختیاری کا انسان مکلف ہی نہیں۔ پھر اس میں دی
ضرر ہی کیا ہوا۔ جو اس کا علاج پوچھا جاتا ہے۔ یہی سوال ان عنوانات سے بھی
فرماتے کہ یہ بات عقلی و طبعی ہے یا مقصود غیر مقصود ہے یا مطلوب و غیر مطلوب
ہے۔ جس سے حقیقت خود بخود منکشف ہو جاتی۔ مثلاً

۱۔ عقلی و طبعی امور کے متعلق فرماتے تھے انسان عقلی امور کا مکلف ہے۔ کیونکہ وہ
اختیاری ہیں۔ طبعی امور کا مکلف نہیں۔ کیونکہ وہ غیر اختیاری ہیں۔
۲۔ اعمال و احوال کے متعلق فرماتے۔ اعمال مقصود ہیں۔ احوال (کشف و کرامات
وغیرہ) مقصود نہیں۔ کیونکہ اعمال اختیاری ہیں۔ احوال اختیاری نہیں۔

۳۔ افعال و انفعالات کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ اس طریق میں افعال کا اعتبار
ہے۔ انفعالات کا اعتبار نہیں۔ لہذا افعال کا اہتمام چاہیے جو اختیاری ہیں۔
انفعالات کے درپے نہ ہونا چاہیے۔ جو غیر اختیاری ہیں۔

۴۔ مقصود و غیر مقصود کے سلسلہ میں فرماتے کہ گواحوال محمودہ محمودہ ہیں۔ لیکن
مقصود نہیں کیونکہ وہ اختیاری نہیں۔ نہ ان کا حصول لازم نہ ان کا بقا دائم۔ اگر
حاصل ہوں۔ شکر کرے۔ لیکن کمال نہ سمجھے اگر حاصل نہ ہوں یا حاصل ہو کر زائل ہو
جائیں۔ تو غم نہ کرے۔

غرضیکہ آپ صرف اس ایک تنقیح پر مختلف صورتوں سے ہزاروں
اشکالات فوراً اس طرح حل فرما دیتے تھے کہ اہل علم کے سامنے بھی ان کا جہل مشکل ہو
کر آجاتا تھا۔

اذکار و اشغال

جب ایک طالب علم اصلاح اعمال کی اہمیت کو ذہن نشین کر کے اصلاح
اعمال میں خاص اہتمام کے ساتھ مشغول ہو جاتا تو پھر آپ اصلاح اعمال کی تکمیل کا
انتظار کیسے بغیر بلاتامل اذکار و اشغال بھی اسی وقت شروع کر دیتے تھے حالانکہ
سلسلہ چشتیہ کے مشائخ سلف کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب تک طالب اصلاح اعمال
ظاہرہ و باطنہ کی تکمیل نہ کر لیتا۔ اسے اذکار و اشغال شروع نہ کرائے جاتے۔ لیکن
اکابر متاخرین نے یہ دیکھ کر کہ اس زمانہ میں عمریں اور ہمتیں دونوں اس ترتیب کو
علیٰ حالہ قائم رکھنے میں قاصر ہیں۔ انہوں نے یہ ترتیب بدل دی۔ اور اصلاح اعمال
کے ساتھ اذکار و اشغال کی تعلیم بھی دینی شروع کر دی۔ مگر حکیم الامت نے اپنے
زمانہ کے طالبین کے مصلح کے پیش نظر اکابر سلف اور اکابر متاخرین کے طریق
کے بین بین طریق اختیار کیا۔ فرماتے ہیں کہ:

"کچھ دن تک میں محض اصلاح اعمال ہی میں مشغول رکھتا ہوں۔ اور جب
یہ دیکھ لیتا ہوں کہ اصلاح اعمال کی اہمیت اچھی طرح اس کے ذہن نشین ہو گئی
ہے۔ اور اس کے اندر اس کا خاص اہتمام پیدا ہو گیا ہے۔ اس وقت اذکار و اشغال
بھی بتلادیتا ہوں اور پھر دونوں کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلاتا ہوں۔ غرضیکہ میں نے اکابر
متاخرین کے طریق میں اپنے زمانہ کے طالبین کی طبائع کا رنگ دیکھ کر بضرورت
صرف اتنی ترمیم کر لی ہے کہ وہ حضرات تو دونوں چیزوں کو شروع ہی سے ساتھ
ساتھ چلاتے تھے۔ اور میں کچھ دن بعد ساتھ ساتھ چلاتا ہوں۔"

دستور العمل کے سلسلہ میں حضرت کا دستور العمل بھی بڑا حکیمانہ تھا۔ جس

اذکار و اشغال کے متعلق آپ لکھتے ہیں کہ یہ: "دستور العمل غایت نافع ہونے کے اعتبار سے میرے نزدیک عطر تصوف کہنے کے قابل ہے۔ جو بہت ہی خاک بیزی کے ساتھ آیا ہے۔ جسے عام طالبین کے لئے عموماً اپنے شیخ کی خدمت میں پہنچنے تک کے واسطے اور اپنے دوستوں کے لئے خصوصاً ہمیشہ کیلئے عمل کرنے کے واسطے ضبط کئے دیتا ہوں۔ پھر اگر کسی کا شیخ اس کو منظور و جائز رکھے۔ تب تو قصہ سہل ہوا۔ اور اگر اوراد و اذکار و اشغال کے متعلق کچھ اور تجویز کرے تو اس کے موافق کرنا چاہیئے۔ البتہ اس میں جتنے امور شرعاً ضروری ہیں۔ ان میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں۔ وہ بحالہ رہیں گے۔"

(قصد السبیل ص ۸)

اس توسیع و احتیاط کی مثال اس زمانہ میں ملنی ناممکن نہیں۔ تو مشکل ضرور ہے۔ آپ کے الفاظ میں اس دستور العمل کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"طالب یا عامی ہے یا عالم۔ اور ہر ایک ان میں سے یا فکر معاش و حقوق عباد سے فارغ ہے۔ یا مشغول۔ تو طالب کی یہ کل چار قسمیں ہوں گی۔"

۱- عامی فارغ

۲- عامی مشغول

۳- عالم فارغ

۴- عالم مشغول

ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک ایک دستور العمل خاص ہے۔

(بحوالہ صدر)

برائے عامی مشغول

۱- عامی مشغول کا خاص دستور العمل یہ قرار دیا کہ:

"اول عقائد و مسائل ضرور یہ سیکھے۔ اور بہت اہتمام سے اس کا پابند رہے۔ جو نئی بات اس کو پیش آوے۔ علماء سے پوچھے۔ اور اگر اس کا پیر عالم ہے۔ تو وہ سب سے بہتر ہے۔ اگر ممکن ہو تو تہجد اخیر شب میں پڑھے ورنہ عشا کے بعد ہی وتر سے پہلے کچھ نفلیں بجائے تہجد کے پڑھ لے۔ اور پانچوں نمازوں کے بعد یا جن نمازوں کے بعد فرصت ہو سبحان اللہ سو بار لا الہ الا اللہ سو بار اور اللہ اکبر سو بار اور سوتے وقت استغفار سو بار پڑھا کرے۔ اور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے درود شریف زبان سے جاری رکھے۔ اس میں وضو اور کسی عدد کی قید نہیں۔ لیکن ہر وقت تسبیح ہاتھ میں نہ لئے پھرے۔ اور اگر قرآن پڑھا ہوا ہو تو روزانہ کسی قدر قرآن کی تلاوت بھی کر لیا کرے۔ اور رسالہ قصد السبیل کے اخیر میں جو مردوں اور عورتوں کیلئے نصیحتیں لکھی ہیں۔ ان کو کبھی کبھی دیکھ لیا کرے اور ان پر عمل کرے۔ اور کبھی کبھی اپنے پیر کے پاس یا کوئی خوش عقیدہ مستقی بزرگ موجود ہو اس کے پاس جا بیٹھا کرے۔ لیکن پیر کے پاس جانے میں اس کی پابندی نہ کرے کہ کچھ نہ کچھ لے کر ہی جانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ تکلف اخلاص کے خلاف ہے۔ اور باقی اوقات میں بال بچوں کے لئے کب حلال میں مشغول رہنا بھی عبادت ہے۔ اور اگر یہ عامی عورت ہے تو ان باقی اوقات میں گھر کا کاروبار خصوصاً شوہر کی خدمت اس کے لئے عبادت ہے۔ مگر یہ بدول اذن شوہر کے پیر کے پاس نہ جائے اور ایام حیض میں بھی وظیفوں کے وقت میں وضو کر کے وظیفے پڑھ لیا کرے۔ نیز قرآن مجید کے کہ اسکا پڑھنا اس حالت میں درست نہیں۔"

برائے عامی فارغ

۳۰
 "عامی فارغ کا خاص دستور العمل وہی قرار دیا جو عامی مشغول کے لئے
 بیان کیا گیا۔ لیکن اتنے امور اور زائد ہیں کہ اگر ممکن ہو۔ تو پیر کی خدمت میں جا
 پڑے۔ لیکن کھانے پینے کا انتظام ایسے طور پر کرے کہ کسی دوسرے پر بار نہ
 پڑے۔ اور اگر کوئی انتظام و سامان ظاہری نہ ہو۔ تو اتنا ضرور ہے کہ دوسرے کے
 بھروسہ پر نہ رہے۔ یا تو کچھ منت مزدوری کر لے اور اگر پیر کے پاس نہ رہ سکے تو اپنے
 کرے مل جائے تو کھالے۔ نیلے صبر کرے۔ اگر پیر کے پاس نہ رہ سکے۔ مگر جہاں تک ہو سکے۔ خلق سے علیحدہ
 وطن میں ہی رہے خواہ گھر میں یا کسی مسجد میں۔ مگر جہاں تک ہو سکے۔ خلق سے علیحدہ
 رہے۔ کسی کے پاس زیادہ آمدورفت نہ رکھے۔ جب تک کوئی دنیا ماراں کی
 ضرورت نہ ہو۔ مخالفت نہ کرے۔ اور کسی ضرورت سے ملنا ہو تو زبان کا بہت
 خیال رکھے۔ کوئی کلمہ خلاف شرع مثل غیبت وغیرہ منہ سے نہ نکالے۔ لیکن نماز
 جماعت کے ساتھ پڑھے۔ اور تنہائی میں جو اوقات اپنی ضروری حاجت و آکرام سے
 بچیں اس میں خواہ قرآن کی تلاوت مع مناجات مقبول خواہ نوافل خواہ درود
 شریف۔ خواہ استغفار میں مشغول رہے۔ اور اگر کچھ خواندہ ہو۔ تو تھوڑے وقت
 دین کی کتابیں بھی جو اردو۔ فارسی میں ہیں۔ کسی معتبر عالم کو دکھلا کر مطالعہ
 کرے۔ لیکن جہاں شبہ رہے۔ اپنی رائے سے مطلب نہ نکالے۔ کسی محقق عالم سے
 پوچھ لے۔ اگر اس بستی میں کہیں طالب علم یا اللہ اللہ کرنے والے موجود ہوں تو
 انکی خدمت گزاری میں اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ خرچ کرے۔ اس سے قلب میں
 برکت بھی پیدا ہوتی ہے اور خود بینی سے بھی حفاظت رہتی ہے اور کبھی کبھی نفل
 روزہ بھی رکھ لیا کرے باقی دونوں قسم کے عامی کو اشغال کی تعلیم نہ کرنا چاہیے کہ
 اس میں طرح طرح کے خطرات ہیں۔ جن کا تحمل عامی سے نہیں ہوتا۔ البتہ اگر اس
 میں شوق و استعداد دیکھے تو اسم ذات تین ہزار سے چھ ہزار تک تنہائی میں بیٹھ کر
 پڑھنے کو بتلاوے۔ مگر بدوں ضرب و بدوں جہر کے۔ اس سے زیادہ مناسب نہیں
 باقی دوسرے اوراد و نوافل جس قدر جی چاہے پڑھے۔ البتہ اگر کوئی عامی صحبت
 علماء سے مثل علماء کے خوش فہم ہو گیا ہو۔ وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔"

برائے عالم مشغول

۳۱
 "عالم مشغول کا خاص دستور عمل یہ قرار دیا کہ فارغ اوقات میں کوئی ایسا
 وقت جس میں قلب، افکار و تشویشات سے کسی قدر خالی ہو۔ اور محدہ پر نہ ہو۔ نہ
 بھوک کا تقاضا ہو۔ معین کر کے اس میں بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک جس قدر
 ممکن ہو۔ خلوت میں بیٹھ کر اسم ذات یعنی اللہ اللہ با وضو خفیف جہر و ضرب کے
 ساتھ قلب کو متوجہ کر کے پڑھا کریں۔ تہجد کی پابندی کریں۔ اور کسی وقت قرآن
 شریف کی تلاوت اور مناجات مقبول کی اصل عربی کی ایک منزل کا التزام
 رکھیں۔ اگر مدرس ہیں۔ فہما۔ ورنہ ایک معتد بہ وقت تدریس طلبہ علم دین میں
 ضرور صرف کیا کریں۔ اور گاہ گاہ جب ضرورت دیکھی جاوے۔ یا سامعین رغبت
 کریں۔ ضروری احکام کا وعظ کہہ دیا کریں۔ مگر وعظ میں غیر ضروری مضامین بیان نہ
 کریں اور جو ضروری مضمون ہو۔ مگر عوام کی طبیعت کے خلاف ہو۔ اس کو نہ مبہم
 طور سے کہیں۔ اور نہ خشونت و درشتی سے کہیں۔ بلکہ صاف لیکن نرم کہیں اور
 وعظ بر اجرت نہ لیں۔ نہ عوام کے زیادہ درپے ہوں۔ نہ ان کو سخت کہیں کہ اس
 سے خواہ خواہ طاوت پیدا ہوتی ہے۔ اور احیاء العلوم وغیرہ مطالعہ رکھیں۔ لیکن شیخ
 سے دور رہ کر مشغول نہ کریں۔ البتہ چندے شیخ کے حضور میں اگر یہ کام کیا ہو اور وہ
 اب بھی تجویز کرے تو مضائقہ نہیں۔"

برائے عالم فارغ

۳۲
 "عالم فارغ کے لئے یہ دستور العمل ہے کہ وہ اگر برائے چندے ہی
 فارغ ہو۔ جس کی مدت اقل چھ ماہ ہیں۔ خاص دستور العمل یہ ہے کہ چند روز جس
 قدر موقع میسر آئے۔ شیخ کی خدمت میں رہ کر مشغول ذکر رہے۔ اور اس کے لئے

۷۶
اذکار میں سے اس قدر کافی ہے کہ بعد تہجد کے بارہ تسبیح پڑھے۔ یعنی لا الہ الا اللہ ۲۰۰ بار اور اللہ ۳۰۰ بار اور اللہ بے غم پانے اول و سکون پانے ثانی ۶۰۰ بار اور صرف اللہ ۱۰۰ بار۔ یہ تیرہ تسبیح ہیں۔ مگر اصطلاح میں بارہ کہلاتی ہیں۔ ان میں ضعیف سا جہر اور معتدل ضرب قلب پڑھے۔ مگر جہر مقصود بالذات اور قربت فی نفسہا نہیں۔ ایسا اعتقاد کرنا بدعت ہے جس کی ترکیب قصد السبیل سے دیکھ لی جائے) اس کے بعد اگر نیند کا تقاضا ہو۔ ذرا سو جائے۔ ورنہ خواہ ان اذکار میں سے کسی خاص ذکر کو اور زیادہ کر لے۔ یا یوں ہی فارغ رہے۔ پھر بعد نماز صبح تلاوت قرآن اور ایک منزل مناجات مقبول پڑھنے کے بعد بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک جس قدر سہل ہو۔ اسم ذات ضعیف جہر اور معتدل ضرب سے خلوت میں بیٹھ کر کرے اور دوپہر کو قبولہ کرے پھر بعد ظہر اسی طرح بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک سہولت کے ساتھ عصر کے قبل اسم ذات کا ورد کرے۔ اور عصر کے بعد اگر تک شیخ صاحب فارغ ہو تو مغرب تک شیخ کی خدمت میں حاضر رہے۔ اور فارغ نہ ہو تو وہاں موجود ہی نہ ہو۔ یا اس کے قلب میں زیادہ اشتیاق نہ ہو۔ تو جنگل۔ باغ۔ نہر۔ ندی وغیرہ کی سر کو چلا جائے۔ اگر شیخ موجود ہو۔ تو اس کی اجازت لے کر جائے۔ اور اسی وقت میں کبھی کبھی مقابر عامہ مسلمین و مزارات اولیاء کرام پر ہو آیا کرے پھر بعد مغرب گھنٹہ آدھ گھنٹہ جب تک دلچسپی ہو۔ خلوت میں بیٹھ کر مراقبہ موت و مابعد الموت الی الحساب کا کرے کہ یہ واقعات اس طرح سے پار ہوں گے۔ اور بقیہ اوقات میں چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھتا رہے یا اور جس ذکر سے دلچسپی ہو۔" (قصد السبیل)

عامی و عالم۔ فارغ و مشغول کے اشغال و اذکار کا طویل اقتباس مضمّن اس لئے پیش کیا گیا ہے تاکہ آپ اندازہ لگا سکیں کہ یہ طریق سلوک شریعت مطہرہ کے کتنے مطابق ہے۔ اور دین و دنیا کے امتزاج کے باوجود کتنی سہولت و رعایت کا حامل ہے۔ اگر انسان ایک دفعہ اس پر عامل ہو جائے۔ تو بظاہر اگر کوئی مشکل صورت نظر نہ آتی ہو۔ تو وہ بھی سہل و آسان معلوم ہونے لگتی ہے۔

کیفیات و تنبیہات

یہ بات ظاہر ہے کہ جس دستور العمل پر بھی انسان عمل کرے۔ اس کا کوئی نہ کوئی خاص نتیجہ طالب کی طلب۔ اخلاص۔ ذوق و شوق کے مطابق برآمد ہونا لازمی ہے۔ جسے سلوک کی اصطلاح میں کیفیت کہتے ہیں۔ مگر ان کیفیات کے معاملہ میں حضرت کی تنبیہات کا معاملہ ایسا ہے جیسے

درمیان قعر دریا تفتہ بندم کردہ

باز می گوئی کہ دامن ترکمن ہشیار باش

کیونکہ حضرت کے ہاں اس بات کا بڑا اہتمام رہتا تھا کہ طالبین کیفیات کو ان کے درجہ سے آگے نہ بڑھائیں۔ اسی لئے آپ طالبین کو کیفیات کی طرف التفات کرنے سے بتا کید منع فرماتے رہتے تھے۔ اگر کوئی طالب اپنی کیفیات کی اطلاع دیتا تو اکثر یہی فرماتے تھے کہ:

۱۔ "ان کی طرف التفات نہ کیا جائے۔ اپنے کام میں لگا جائے۔ اور کام ہی کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا جائے۔ ورنہ غیر مقاصد میں مشغول ہو کر طالب اپنے اصل کام سے بھی رہ جاتا ہے۔ اور پھر کیفیات بھی منقطع ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اٹکا و رود بھی تو کام ہی کی برکت سے ہوتا ہے جیسے چراغ میں روشنی اسی وقت تک رہتی ہے جب تک کہ بجلی میں تیل پہنچتا رہے۔ اور اگر تیل ہی ڈالنا چھوڑ دیا جائے۔ تو رفتہ رفتہ روشنی کم ہو کر بجلی کا جل ہو جائے گا۔"

۲۔ "کشف و کرامات و مواجید وغیرہ راہ سلوک میں کوئی چیز نہیں بلکہ یہ چیزیں اکثر موانع طریق ہو جاتی ہیں۔ ان کا نہ ہونا زیادہ اچھا اور بے خطر ہے۔ لوگ خواہ منواہ اسکی ہوس کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا درجہ تو بس اتنا ہے۔ جیسے شروع میں بچہ کو پڑھنے کا شوق دلانے کے لئے مٹھائی دیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت جنید کے قول تلک خیالات تربی بھا اطفال الطریقہ سے ظاہر ہے تو بعض مبتدیوں کو جو اطفال طریق ہوتے ہیں۔ راہ پر لگانے کیلئے کیفیات عطا فرمادی جاتی ہیں۔ اور

بیعت

حقیقت بیعت

حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ:

"بیعت کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت۔ اسکی صورت مطلوب نہیں۔ حقیقت مطلوب ہے۔ صورت بیعت ایسی ہے جیسے پھولوں کی کیاری میں گھاس کہ اس سے ایک خوش نمائی ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھولوں کی رونق بڑھ جاتی ہے۔ لیکن پھولوں کی نشوونما میں گھاس کا کچھ بھی دخل نہیں۔ اگر کیاری میں گھاس نہ بھی لگائی جائے۔ محض پھولوں کے پودے ہی لگا دیئے جائیں تب بھی پھول اپنی ساری صفات اور اپنی اصلی آب و تاب ہی کے ساتھ پیدا ہوں گے۔ کیاری میں گھاس نہ ہونے کی وجہ سے ان کی ذات میں کسی قسم کا نقص واقع نہ ہوگا۔

بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ اس کو اپنے شیخ پر پورا اعتقاد ہو جائے کہ یہ میرا خیر خواہ ہے۔ جو مشورہ دے گا۔ وہ میرے لئے نہایت نافع ہوگا۔ غرض اس پر پورا اطمینان ہو اس کی تجویز و تشخیص میں مطلق دخل نہ دے۔ جیسا کہ طبیب حاذق و مشفق کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔ بس ویسا ہی اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔

بیعت کی صورت شروع شروع میں خواص کے لئے نافع نہیں ہوتی۔ عوام کے لئے البتہ نافع ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے ان کے قلب پر ایک عظمت اور شان اس شخص کی طاری ہو جاتی ہے۔ جس کا یہ اثر ہوتا ہے۔ کہ وہ اس کے قول کو با وقعت سمجھ کر اس پر عمل کرنے لگتا ہے۔ مجبور ہو جاتا ہے۔ خواص کیلئے کچھ مدت کے بعد بیعت نافع ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا خاصہ ہے کہ جانبین میں ایک تعلق خلوص پیدا ہو جاتا ہے۔ پیر سمجھنے لگتا ہے کہ یہ ہمارا ہے اور مرید سمجھتا ہے کہ یہ ہمارے ہیں۔ ڈانوا ڈول حالت نہیں رہتی۔ جب تک جانبین میں پوری مناسبت

کسی طالب کی حوصلہ افزائی کیلئے کیفیات محمودہ پر اسے مبارک باد دیتے تو ساتھ ہی یہ بھی ہدایت فرمادیتے کہ کیفیات محمودہ کو محمودہ سمجھ کر شکر تو کرے۔ لیکن مقصود اور کمال اور لازم طریق یا لازم بزرگی نہ سمجھے۔

"ذکر و طاعت میں بہ تکلف مشغول رہے۔ سہولت یا دلچسپی کا متمنی نہ ہو، اور یہ نہ دیکھے کہ مجھے کچھ نفع ہو رہا ہے یا نہیں ذکر و طاعت میں مشغول رہنا ہی اصل مقصود اور اصل نفع ہے اور جب بتکلف مشغول ہو جائے گا۔ تو پھر رفتہ رفتہ سہولت بھی ہونے لگے گی اور دلچسپی بھی پیدا ہو جائے گی۔"

توسط و اعتدال

غرضیکہ حضرت تھانوی کے ہاں افراط و تفریط نہ تھی۔ ہر معاملہ میں توسط و اعتدال برتا جاتا تھا کہ وجد و حال۔ ذوق و شوق۔ جوش و خروش اور گریہ و زاری سبھی کچھ ہو لیکن سب اندر ہی اندر ہو۔ باہر کچھ نہ ہو۔ ہمت و تحمل اور یقین و اعتماد کے ساتھ کام تو کرے مگر اظہار سے باز رہے۔ اس لئے آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

"تقویٰ و دین داری کا اہتمام تو بہت رکھے۔ لیکن اپنی طرف سے حتی الامکان کوئی ایسی امتیازی صورت پیدا نہ ہونے دے۔ جس سے شہرت ہو جائے۔ جب لوگوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہو تو کبھی کبھی کسی قدر ہنس بول بھی لے۔ تاکہ لوگوں کو خواہ مخواہ بزرگی کا گمان نہ ہو۔ لیکن ہنسنے بولنے کی کثرت ہرگز نہ کرے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو زیادہ ہنسنے سے بچاؤ۔ ہنسنے کی کثرت قلب کو مردہ کر دیتی ہے۔"

یہ رعایتیں اور احتیاطیں صرف دربار اشرفیہ میں ہی برتی جاتی ہیں۔ دوسری خانقاہوں میں آپ کو ان کی مثالیں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں گی۔

ضرورت صنا بطہ
حضرت تھانوی کے ہاں چونکہ ہر بات اصول اور صنا بطہ کی ہوتی تھی۔ اس لئے لوگوں پر اس کی پابندی ذرا گراں گزرتی تھی۔ حالانکہ وہ قواعد اپنی ذات میں بالکل سہل ہوتے تھے اور ان کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوتا تھا کہ نہ کوئی آپ کو اذیت دے۔ اور نہ کسی کا کوئی کام رکا رہے۔ اور برزگوں کے ہاں چونکہ یہ قاعدے اور صنا بطے نظر نہیں آتے تھے۔ اس لئے لوگ حضرت پر زبانی طعن دراز کرنے سے باز نہ رہتے تھے۔ جس کے جواب میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اپنے اور حضرات کا تو یہ طرز نہ تھا میں نے کہا کہ یہ بات تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے کہ حد خمر نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھی صرف تعزیر تھی حضرت عمرؓ نے بجائے تعزیر کے یہ حد کیوں مقرر کر دی۔ بس جو وہاں جواب ہے وہی یہاں بھی ہے یعنی پہلے طبائع میں سلامتی تھی۔ اس لئے واقعات میں قلت تھی۔ لہذا صرف تعزیر کافی تھی۔ حد مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ بعد کو طبائع کا رنگ بدل گیا۔ اور واقعات زیادہ ہونے لگے۔ اس لئے حد مقرر کرنے کی ضرورت واقع ہوئی۔ تو جو فاروق نے کیا۔ وہی ایک فاروقی بھی کر رہا ہے۔

میں نے یہ قواعد سوچ کر بلا ضرورت پہلے سے تجویز نہیں کئے بلکہ جیسے جیسے معاملات لوگ میرے ساتھ کرتے گئے۔ ان کی بناء پر جیسی جیسی ضرورت پیش آتی گئی۔ قواعد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ باقی خدا نہ کرے۔ مجھ کو خوا منخواہ قواعد بنانے کا کوئی شوق تصور ہی ہے کہ لوگوں کو تنگی میں ڈالوں۔ مجھے تو ضرورتوں نے مجبور کر

اس کی مثال بالکل ایسی ہے۔ جیسے لوگوں کے اعمال میں روز بروز نئی نئی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں اور حکومت ان کے انسداد کے لئے قانون پر قانون بنائے چلی جا رہی ہے۔ اسمبلی کا کوئی اجلاس بھی ایسا نہیں گزرتا۔ جس میں نئے نئے قانون اور صنا بطے وضع نہ کئے جاتے ہوں۔

شرائط بیعت

اسی لئے حضرت کے ہاں بیعت کے لئے بھی قواعد مقرر تھے۔ جب کوئی طالب آپ سے بیعت کی درخواست کرتا۔ تو آپ ایک پرچہ شرائط بیعت اس کے حوالے کرتے۔ اور پرچہ دیتے وقت اس کو تاکید فرماتے کہ:

"اس کے متعلق یہاں تحریری یا تقریری گفتگو کرنے کی اجازت نہیں۔ گھر پہنچ کر اس کا جواب سوچ کر لکھنا۔ تاکہ آپ کو اس مسئلہ پر پورا غور کرنے کا موقع مل جائے۔ اس کے جو مناسب ہو گا۔ جواب دیا جائے گا۔"

کیونکہ آپ جانتے تھے کہ زبانی گفتگو میں وہ ضرور کوئی بے ڈھنگی بات کہہ دے گا۔ جس سے طبیعت میں فہمائش کا تقاضا ہو گا۔ اور اس سے بے لطفی ہو گی۔ جو طالب کے لئے مضر ہے۔

شرائط و قسم کی تھیں۔

۱۔ بیعت بلا تعلیم

۲۔ تعلیم بلا بیعت

پہلی قسم کے لئے یہ شرائط تھیں۔

۱۔ قرآن مجید جتنا پڑھا ہے یا جتنا یاد ہے۔ کسی صحیح پڑھنے والے سے صحیح کرنا ہو گا۔

۲۔ بہشتی زیور کے سب حصے یا سات حصے بہشتی گوہر۔ اصلاح الرسوم اور

قصہ السبیل کی تذیل (جس میں کرنے اور چھوڑنے کے کاموں کی فہرست درج ہے) پڑھ کر یا سن کر اس کی پابندی کرنا ہوگی۔

۳- میرے چچے ہونے و عظمیٰ ہمیشہ پڑھنا یا سننا پڑیں گے۔
۴- ابتدائی تعلیم میرے کسی اہل بیت سے (جس کو میں تجویز کر دوں یا طالب کی تجویز پر اجازت دے دوں) حاصل کرنی ہوگی۔ اور جب تک پچیس بار ان سے خط و کتابت نہ ہو چکے۔ مجھ سے براہ راست تعلیم کی استدعا نہ کی جائے۔
دوسری قسم کے لئے یہ شرط تھی۔

اگر فی الحال بیعت پر اصرار نہ ہو۔ صرف تعلیم حاصل کرنا ہو۔ تو صرف اول تین شرطوں کی پابندی لازم ہوگی۔ چوتھی شرط نہ ہوگی۔ پھر جب باہم خوب مناسبت ہو جائے گی۔ اس وقت درخواست بیعت کا بھی مضائقہ نہیں۔
تنبیہ: ابتداء میں بیعت و تعلیم دونوں یکجا جمع نہیں ہو سکتیں۔
اشرف علی

دیگر شرائط

خط و کتابت کے بعد جن کی درخواست بیعت بلا تعلیم منظور فرمانا چاہتے انکو لکھ دیتے کہ میرا یہ خط میرے فلاں تجویز کردہ اجازت یافتہ کے پاس بیٹھ کر ان سے تعلیم حاصل کرنا شروع کر دیں جب ان کے تعلیمی خط مع میرے اس خط کے میرے پاس بھیج کر مجھ سے درخواست بیعت کی جائے گی۔ میں بیعت کر لوں گا۔ چنانچہ جب وہ ایسا کرتے تو آپ انہیں بلا تاہل بیعت فرمالیتے۔ لیکن خط کے ذریعہ بیعت فرماتے۔ محض بیعت کے لئے سفر کرنے کی اجازت نہ دیتے۔ کیونکہ یہ مقصود خط کے ذریعہ بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

جن کو بیعت بلا تعلیم سے مشرف فرمایا جاتا۔ ان کو کسی قسم کی تعلیمی خط و کتابت کی اجازت نہ دی جاتی۔ البتہ محض طلب دعا اور دریافت خیریت کے لئے

خط لکھنے کی اجازت عطا کی جاتی اور جو اس سے تجاوز کرے۔ اس کو خود خط کا مسودہ لکھ بھیجتے کہ آئندہ اس طرح لکھا جائے اور میرا مسودہ ہمراہ بھیجا جائے۔ تاکہ موازنہ ہو سکے کہ اس میں کمی بیشی تو نہیں کی گئی۔

• جو حضرات تعلیم بلا بیعت کے خواستگار ہوتے تو حضرت انہیں خوش فہم تصور کرتے۔ کہ انہوں نے محض بیعت پر محض تعلیم کو ترجیح دی۔ جو اصل مقصود ہے۔ چنانچہ ان کی تعلیمی خط و کتابت کی اجازت دے دی جاتی۔ لیکن اگر وہ خط و کتابت کے دوران میں فہم و فکر سے کام نہ لیتے۔ اور بے اصول باتیں لکھ کر باعث اذیت ہوتے۔ تو ان کو اپنے کسی خلیفہ مجاز سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت فرماتے۔ اور اس کی اکثر یہ ترتیب ہوتی۔ کہ اول سخت سخت تنبیہات کی جاتیں اگر ان کا اثر نہ ہوتا۔ تو خط بھیجنے کی ممانعت کر دی جاتی۔ جب وہ بلا واسطہ یا بالواسطہ معافی چاہتا تو اکثر بالواسطہ ہی معافی کے بارہ میں تحریر یا تقریر کی اجازت ملتی۔ کیونکہ اس طرح مزید بد عنوانیوں کا امکان نہ رہتا۔ اور واسطہ کو صرف سفیر بننے کی اجازت ہوتی۔ وکیل بننے کی نہ ہوتی۔ اور اسے ذمی واسطہ کو کوئی مشورہ دینے یا سفارش کرنے کی سخت ممانعت ہوتی۔ ورنہ وہ خود زیر عتاب آجاتا۔ اس لئے کبھی کسی کو ایسی جرأت نہ ہوتی۔ اور جب اس امر کی تسلی ہو جاتی کہ یہ آئندہ اذیت نہ پہنچائیں گے۔ تو انہیں معافی دے دی جاتی۔ اور جن سے یہ توقع نہ ہوتی کہ وہ خط و کتابت میں آئندہ اذیت نہ پہنچائیں گے۔ تو انکو اس شرط پر معافی دے دیتے کہ آئندہ کے لئے مجھ سے تعلیم حاصل کرنے کا تعلق نہ رکھا جائے۔ مگر اس حالت میں بھی ازراہ خیر خواہی سفیر فرمادیتے کہ اصلاح کرانا بہر حال ضروری ہے۔ اور اسکے لئے کسی دوسرے مصلح کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور اگر کوئی اس کا پتہ پوچھتا۔ تو آپ وہ بھی بتلا دیتے۔

چونکہ یہاں نام نہاد کی بیعت نہ ہوتی تھی بلکہ کام کی بیعت ہوتی تھی۔ اس لئے اس میں عجلت گوارا نہ کرتے تھے اور تاخیر اس لئے فرماتے تھے کہ امید بیعت میں طالب اپنی اصلاح اور مناسبت پیدا کرنے کی بہت کوشش کرتا ہے ورنہ اگر

درخواست پر بیعت فوراً فوراً کر لیا جائے۔ تو نہ صرف وہ بے فکر ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کے دل میں اس کی وقت پیدا نہیں ہوتی۔

صاف معاملگی

حضرت تھانوی ایسے لوگوں کو ہرگز بیعت نہ فرماتے۔ جن سے قلب میں کسی قسم کا حجاب ہو۔ خواہ اختلاف طبائع کی وجہ سے۔ خواہ اختلاف مسلک کے سبب سے یا کسی خاص نوعیت کی وجاہت کے سبب سے۔ بعض اوقات تعلیم و تربیت کے لئے اہل بدعت۔ اہل حدیث۔ اہل قرآن بلکہ قادیانی اور ہندو بھی آپ کے پاس پہنچتے رہے۔ اور بعض خط و کتابت کرتے رہے۔ لیکن حضرت تھانوی سب سے اول ہی موقع پا کر اپنا مسلک اور دستور صاف صاف بیان فرمادیتے اور اظہار حق میں ذرا تامل نہ فرماتے۔ اور غیر مسلم کو تو نہایت مہذب عنوان سے بلا ادنیٰ دلآزاری فرمادیتے کہ اس کے لئے اسلام شرط اولین ہے۔ تاکہ بعد میں کسی قسم کی خلش فریقین کے دل میں نہ رہے۔ نوابوں کو اور والیان ریاست کو انکی پیہم درخواستوں کے باوجود بیعت فرماتے اور نہایت لطافت و متانت اور تہذیب و شائستگی کے ساتھ عذر فرمادیتے۔ کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ:

"کسی کی تربیت اس وقت تک اپنے ذمہ نہ لینا چاہیے۔ جب تک اپنے دل کو اس سے اتنا کھلا ہوا نہ پائے کہ اگر خود اس کی ذات کو نالائق نہ کہہ سکے۔ تو کم از کم اتنا تو کہہ سکے کہ آپ کی یہ حرکت بڑی نالائق ہے۔ ورنہ پھر اسکی اصلاح کیا ہو سکتی ہے۔ اور پھر اسکو اس سے فائدہ ہی کیا پہنچ سکتا ہے۔"

اس پر ایک اہل خصوصیت و صاحب اجازت نے عرض کیا کہ حضرت پھر ایسے لوگ فیض کس طرح حاصل کریں۔ فرمایا:

"یہ تو انہیں کے اختیار کی بات ہے۔ وہ برتاؤ ہی ایسا کریں کہ دل کھل

جائے۔ کہ جو چاہیں کہہ سکیں۔ چنانچہ تجربہ ہے کہ برتاؤ سے دل کھل جاتا ہے۔" مگر بایں ہمہ آپ بعض درویشوں کی طرح امراء و اہل و جاہت کے ساتھ خشونت کا برتاؤ نہ کرتے تھے۔ بلکہ فرماتے تھے کہ:

"اس معاملہ میں میرا معمول یہ ہے کہ میں انکے ساتھ نہ تو تعلق کا برتاؤ کرتا ہوں۔ نہ اہانت کا۔ بلکہ متوسط درجہ کا برتاؤ کرتا ہوں۔ جس میں ان کی امتیازی شان اور حفظ مراتب کی بھی رعایت ہوتی ہے۔ کیونکہ جس برتاؤ کے وہ عادی ہوتے ہیں اور وہ عام طور پر متوقع رہتے ہیں۔ اس کا بھی بقدر ضرورت لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ دل شکنی نہ ہو لیکن اگر ان کی طرف سے کوئی برتاؤ نازہ یا ہوتا ہے۔ بالخصوص ایسا برتاؤ جس سے اہل دین کا استخفاف مترشح ہو۔ تو پھر میں انکی بالکل رعایت نہیں کرتا۔"

جو لوگ پہلے کسی صحیح سلسلہ بیعت سے وابستہ ہوتے اور اپنے شیخ کی وفات کے بعد حضرت سے مکرر بیعت ہونا چاہتے۔ تو حضرت انہیں عموماً از سر نو بیعت نہ فرماتے بلکہ فرماتے کہ:

پچھلی بیعت مع اپنی تمام برکات کے بدستور قائم ہے۔ تجدید بیعت کی حاجت نہیں البتہ تعلیم طریق کے لئے حاضر ہوں۔" اس کے باوجود کوئی اپنی تسلی اور اطمینان کے لئے بیعت پر اصرار کرتا تو آپ پھر انکا نہ فرماتے۔ کیونکہ تجدید بیعت خلاف طریق نہیں۔

انتہائے ادب

اگر کسی فاسد العقیدہ پیر کا مجدد پچھلی بیعت کو فسخ کر کے حضرت سے بیعت ہوتا۔ اسکو بھی سخت تاکید فرماتے کہ اپنے پچھلے پیر کی نسبت عمر بھر کوئی گستاخی کا کلمہ زبان پر نہ لانا۔ اگرچہ میں بھی برا کہوں۔ مگر تم مت کہنا۔ کیونکہ اول اول اس نے اس طریق کی طرف متوجہ کیا۔ اور راہ پر ڈالا۔ اس لئے وہ محسن ہے۔ گو

۸۶
راستہ غلط بتایا۔ لیکن مقصود کا شوق تو اسی نے دلایا۔ اس راہ میں ناشکری بہت ہی مضر ہے۔ یہ طریق بس بالکل ادب ہی ادب ہے۔ بے ادبی سے بڑھ کر اس طریق میں کوئی چیز مضر نہیں۔ یہاں تک کہ بعض حیثیتوں سے معصیت بھی اتنی مضر نہیں کیونکہ معصیت کا تعلق ایسی ذات سے ہے۔ جو افعال سے پاک ہے اور بے ادبی کا تعلق شیخ سے ہے۔ جو بشر ہے اور بے ادبی سے نکل رہا ہوتا ہے۔ جو مرید کے حق میں سم قاتل ہے۔

حضرت کے ہاں فاسد العقیدہ پیروں کے احترام کا اتنا اہتمام تھا مگر ان کے ہاں حضرت اور لنگے سلسلہ کے اکابر کو بیسودہ اور فحش گالیاں دینے کا رواج عام تھا اور ہے۔

حضرت تھانوی صاحب کے طریق کے مطابق بیعت کرتے وقت طالبین کو چاروں سلسلوں میں داخل فرماتے تھے۔ تاکہ سب اکابر طریق کے انتساب ہو جائے اور سب کی برکات نصیب ہوں۔ چاروں سلسلوں کے بزرگوں سے یکساں اعتماد ہے اور ایک سلسلہ کے بزرگوں کو دوسرے سلسلہ کے بزرگوں پر فضیلت نہ دیں کیونکہ آخر اس تفصیل سے دوسرے بزرگوں کی تنقیص لازم آتی ہے۔ جو ناجائز بھی ہے اور خطرناک بھی۔ کیونکہ بزرگوں کے ساتھ سوء ظن بسا اوقات سوء خاتمہ کا سبب ہو جاتا ہے۔ ورنہ برکات سے محرومی تو ضرور ہوتی ہے۔

رعایت خاص

حضرت تھانوی عورتوں کو یوں تو مسنون طریقہ سے پردہ کی آڑ سے بذریعہ کسی رومال یا کپڑے کے بیعت فرماتے تھے۔ اور بیعت کرنے کے وقت ان کے کسی محرم یا اپنی اہلیہ محترمہ یا اپنی کسی محرم مستور کو اپنے پاس بٹھالیتے تھے اور اس بات کی بھی تاکید فرمادیتے تھے۔ کہ میں جو کچھ کہتا جاؤں تم بھی وہ چپکے چپکے کہتی جاؤ۔ پکار کر نہ کہو۔ اور ایسی بوڑھیاں جو حضرت سے پردہ نہ کرتی تھیں۔ ان کو بھی

بیعت کے وقت پردہ میں بٹھا دیا جاتا تھا۔ جس سے اس طریق کے ادب کا تحفظ مقصود تھا۔ مگر ان کے لئے مردوں کی طرح تنگی نہ فرماتے بلکہ انہیں ذی رائے نہ سمجھ کر فوراً بیعت فرمالیتے تھے۔ اس طرح مریض کو بھی ازراہ رحم جلد بیعت کر لیتے تھے۔

تاکید خاص

حضرت تھانوی فرماتے تھے کہ:

"میں بیعت کے وقت اس سے بھی منع کر دیتا ہوں کہ کسی لڑکا جھگڑنا نہیں۔ کیونکہ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ کم عقل لوگ لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں اور اپنے بزرگوں کو گالیاں دلاتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہی حالتیں ہیں۔ یا تو وہ اپنے بزرگوں کی تعریف کرے گا۔ تو یہ بھی مجھے پسند نہیں۔ یہ استخوان فروشی ہے۔ کہ خواہ مخواہ اپنے بزرگوں کی تعریف کراتے پھریں۔ جسے غرض ہو گی وہ خود آکر دیکھ لے گا تمہیں ترغیب دینے کی کیا ضرورت ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ وہ گالیاں دے گا۔ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ ایک مسئلہ کسی کے سامنے بیان کر دیا کہ اس نے ابھی تو انہیں کو برا بھلا کہا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے یہ کہا تھا کہ فلاں بزرگ فرماتے تھے۔ بس اب ان بزرگ پر گالیاں پڑنا شروع ہو گئیں۔ بھلا اس کی کیا ضرورت ہے کہ ایک مخالف کے سامنے اپنے شیخ کا ذکر کیا جائے اور اسے گالیاں دلوائی جائیں۔ اول تو آپ کو جوش ہی کیوں آیا اگر آیا تھا۔ تو اپنی ہی طرف منسوب رہنے دیا جاتا۔ یہ بالکل دلوائی ہے کہ جوش آپ کو ہو اور نام شیخ کا لیں۔ تاکہ تپڑا جو کچھ ہو۔ انہیں پر ہو۔"

اتباع سنت
حضرت تھانوی کے ہاں کوئی بات بھی خلاف کتاب سنت نہ ہوتی تھی بلکہ آپ طبعاً کوئی خلاف شرع بات برداشت کر ہی نہ سکتے تھے کانپور کے واپسی کے بعد آپ نے گویا شیخ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے فرمان کے مطابق توکل علی اللہ زندگی بسر کرنی شروع کر دی تھی۔ مگر یہ توکل بھی اس زمانہ کے مقتضیات کے عین مطابق تھا۔ یعنی آپ سال بھر کا خرچ ہمیشہ اپنے پاس جمع رکھتے تھے۔ کیونکہ آپ کے ارشاد کے مطابق:

"اس سے اطمینان رہتا ہے۔ حدیث شریف میں بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کو سال بھر کا خرچ دے دیا کرتے تھے۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ سال بھر کا خرچ ذخیرہ کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔" قلیل ہدایا کی قبولیت اور کثیر ہدایا کا استرداد بھی عین سنت کے مطابق تھا۔ ایک روز مجلس عام میں اس کی علت و حکمت کے متعلق خواجہ عزیز الحسن کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ:

"ہدیہ قبول کرنے کا طریقہ میں نے ایجاد نہیں کیا۔ یہ بھی دین کا طریقہ ہے۔ الحمد للہ مجھے اس کا بہت خیال رہتا ہے کہ کوئی دستور العمل سنت اور شریعت کے خلاف نہ ہو۔ جو خدا تعالیٰ کی برہمنی رحمت ہے۔ ایک بات میں میرا خیال تھا کہ شاید سنت کے خلاف ہو۔ وہ یہ کہ اگر کوئی برہمنی رقم کا ہدیہ دیتا ہے۔ تو گودینے والے کی

حیثیت سے زیادہ نہ ہو اور خلوص میں بھی کمی نہ ہو۔ لیکن مجھے زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اور طبیعت پر بوجھ سا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے واپسی کو جی چاہتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میں یہ کہتا ہوں کہ یہاں کیا عذر شرعی ہے۔ لیکن باوجود عذر سمجھ میں نہ آنے کے چونکہ طبعی بات کی مخالفت مشکل ہوتی ہے۔ اس لئے میں انکار کر دیتا تھا۔ لیکن میں سمجھتا تھا کہ یہ محض طبعی معذوری ہے۔ سنت میں اس کی اصل نہیں ہے۔ بہت دنوں مجھے یہ شبہ رہا۔ میں اپنے کو اس واپسی میں قاصر سمجھتا تھا۔ مگر واپس کر دیتا تھا۔ لیکن الحمد للہ میرا وہ شبہ جاتا رہا۔ جب سے کہ میں نے ایک حدیث دیکھی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ کوئی خوشبو پیش کرے۔ تو واپس مت کرو۔ کیونکہ اس کا بار کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ اور فرحت کی چیز ہے۔ پس عدم رد کی علت خفیف الحمل ہونے کو بتلایا الحمد للہ کہ اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ طبیعت پر بوجھ پڑنا بھی ہدیہ کو رد کرنے کا ایک معقول و مشروع عذر ہے۔ میں نے احتیاطاً اوروں سے بھی پوچھا کہ اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ مجھے خیال ہوا کہ کہیں نفس نے ہی یہ مطلب نہ تراشا ہو۔ مگر وہ کہنے لگے کہ "جی دلالت صاف ہے۔"

مقدمہ
آپ دہانتے تھے کہ:

"اہل علم کے مولیٰ کے باب میں بہت احتیاط چاہیے۔ لینے میں بھی اور دینے میں بھی۔ میرے یہاں لینے کے بھی شرائط ہیں کہ ایک دفعہ ایک دن کی آمدنی سے زیادہ ہدیہ نہ دیا جائے۔ مثلاً اگر پندرہ روپیہ ماہوار کا ملازم ہے۔ تو ایک بار میں آٹھ آنہ یومیہ سے زیادہ نہ دے۔ اور دو ہدیوں کے درمیان کم از کم ایک ماہ کا فصل ہو اور پابندی کے ساتھ نہ دے۔"

شرائط ہدیہ کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب تک ہدیہ دینے والے کے متعلق حضرت تانوی کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب تک ہدیہ دینے والے کے متعلق آپ کو پورا اطمینان اور شرح صدر نہ ہو جاتا تھا کہ یہ بالکل صدق و اخلاص سے ہدیہ دے رہا ہے۔ اور یہ میرے متعلق کسی قسم کے دھوکہ میں نہیں ہے اور اس ہدیہ کے قبول کرنے میں کسی دینی یا دنیوی مصلحت میں خلل نہیں پڑتا۔ نہ اسکی۔ نہ میری۔ خواہ وہ گرانی ہی کے درجہ میں ہو۔ اس وقت تک ہدیہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ اور جن پر ان امور کے متعلق پورا پورا اطمینان ہو چکا تھا کہ وہ جو کچھ دیں گے۔ ان سب امور کی رعایت کر کے دیں گے۔ تو ان کے لئے کوئی قواعد و ضوابط نہیں تھے۔ بلکہ مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ:

"ایسے لوگ تو اگر مجھے اپنا سارا گھر بھی بخش دیں۔ تب بھی انکار نہیں۔" اسی سلسلہ میں ایک اور موقع پر فرمایا کہ:

"فلاں مقام سے جو آتا ہے۔ کبھی کچھ نہ کچھ لے کر ہی آتا ہے۔ اول تو مجھے اجنبی شخص سے جس سے کہ پوری پوری بے تکلفی نہ ہو۔ ہدیہ لیتے ہوئے شرم آتی ہے۔ ممکن ہے وہ اپنے اعتقاد میں مجھے کیا سمجھ رہا ہو۔ اور میں بعد ملاقات کچھ اور ثابت ہوں۔ پھر اسکو اس ہدیہ کا افسوس ہو۔ جیسے ایک شخص نے ایک مسئلہ پوچھا۔ اس کا جواب اس کے مذاق یا خواہش کے خلاف اسے ملا۔ تو کھینے لگا کہ ہم نے اتنے دنوں خدمت کی۔ پھر بھی موقع پر ہماری مدد نہ کی۔

دوسرے جس شخص کو مجھ سے دین کا فائدہ نہ پہنچا ہو۔ اس سے کچھ لینا سخت ذلت کی بات ہے۔ یہ تو ایسا ہوا کہ گویا میں نے اسے بیعت ہی اس لئے کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان لوگوں کے ہدیہ واپس کر دیتا ہوں۔ جو مجھ سے دین کی باتیں نہیں پوچھتے۔ یا اپنی اصلاح نہیں چاہتے کیونکہ سب خرابیوں کی بنا دین سے ناواقفیت اور فکر اصلاح نہ کرنے میں ہے جو دین کا پابند نہیں ہوتا۔ اس کی دنیا کی سمجھ بھی خراب ہو جاتی ہے۔ اور جو شخص دیندار ہوتا ہے۔ گوا سے دنیا کا تجربہ نہ

ہو۔ لیکن دنیاوی امور میں بھی اس کی سمجھ سلیم ہوتی ہے۔ حلال روزی میں بھی یہی اثر ہے۔ برخلاف اس کے حرام روزی سے فہم مسخ ہو جاتا ہے۔ ہاں جو مجھ سے دینی نفع حاصل کرتا رہے۔ وہ اگر کبھی کچھ محبت سے دے۔ تو کس کو انکار ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ دینے میں بجز محبت کے اور کوئی نیت نہ ہو۔ یہاں تک کہ ثواب کی نیت نہیں ہونی چاہیے۔ گو حق تعالیٰ کے تعلق کی وجہ سے ثواب ویسے بھی مل جاتا ہے۔ جیسے اگر کوئی اپنے باپ یا اپنے لڑکے کو کچھ دے۔ تو نیت ثواب کی نہیں ہوتی۔ لیکن ثواب ملتا ہے۔"

اقسام ہدیہ

اسی سلسلہ میں ایک بار فرمایا کہ:

"آج کل جو بزرگوں کو بصورت ہدایا دیا جاتا ہے اکثر اس کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو بغرض دنیا یعنی رشوت۔ دوسرے بغرض ثواب اخروی یعنی صدقہ و خیرات۔ تیسرے کسی امر دینی کی غرض سے (مثلاً استغفار کے سلسلہ میں) اس کی حرجت اور میں ان تین قسموں میں سے ایک قسم کا بھی ہدیہ نہیں لیتا۔ جو محبت سے لیا جاوے۔ وہ لے لیتا ہوں۔ کیونکہ صدقہ لینا تو مجھے ہرگز کے جائز نہیں اور اجرت امور دینیہ پر لینا بھی جائز نہیں سمجھتا۔ اور رشوت تو سب ہی کے نزدیک حرام ہے۔ جو محض محبت کی وجہ سے ہو۔ وہ ہدیہ ہے اور اسی کا قبول کرنا سنت ہے۔ اور دین کی حفاظت بلا اتباع سنت نہیں ہو سکتی۔ اس طرف جو لوگوں کی توجہ ہے۔ وہ سب دین کی بدولت ہے۔ اس دین کی عزت قائم رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ اگر اس کی عزت ہم کو کون پوچھتا ہے۔"

ہدیہ طلبا اس سلسلہ میں ایک اور مولوی منفعت علی صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل سہارنپور نے صاحب اشرف السونخ سے فرمایا کہ میں حضرت تھانوی کی خدمت میں بناناہ طالب علم کی حیثیت سے پیش کیا۔ تو آپ نے یہ فرما کر واپس کر دیا کہ:

"ابھی تو تم طالب علم ہی کر رہے ہو اس لئے سر دست تمہارا مجھ پر حق ہے۔ اگر میں اس طرح ہدایا لینے لگوں۔ تو سونے کی دیواریں کھڑی کر لوں۔" واقعی حق تعالیٰ نے آپ کو جس قسم کی محبوبیت و جاذبیت بخشی تھی۔ اس کی وجہ سے بکثرت ہدایا آتے تھے۔ اگر حضرت ان کو قبول کرنے میں بھی ایسی ہی وسعت دکھلاتے۔ تو بلا خوف و تردید کروڑ پتی بن جاتے۔

تعلق باللہ

مگر وہاں تو معاملہ دوسرا تھا۔ اور تو اور۔ خود اپنے برادر عزیز منشی اکبر علی صاحب کا ہدیہ بھی آپ نے قبول کرنے میں عذر فرما دیا۔ آپ جب کانپور سے تھانہ بھون آکر مقیم ہوئے تو آپ کے برادر موصوف ان دنوں بریلی میونسپلٹی میں بطور سیکرٹری ملازم تھے اور قریباً پانچ سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ انہوں نے یہ چاہا کہ پچاس روپیہ ماہوار حضرت کو بھیج دیا کریں۔ جو آپ کانپور میں بحیثیت مدرس لیتے تھے۔ اور حضرت کو اپنے اس ارادے سے مطلع کیا۔ تو آپ نے انہیں لکھا کہ:

"اس کی قبولیت میں ایک خرابی ہے۔ اب تو میری نظر کسی خاص شخص پر نہیں۔ صرف اللہ پر ہے۔ اگر تم نے ماہوار مقرر کر دیا تو پھر دل بریلی میں ہی پڑا رہے گا۔ اور ہر ماہ کے اختتام پر یہ خیال کرنا پڑے گا کہ آج تنخواہ وصول ہوئی ہو

گی۔ آج روپیہ روانہ کیا ہوگا۔ آج آ رہا ہوگا۔ بروقت نہ آیا تو اور پریشانی بڑھے گی۔ کہ نہ معلوم کیا وجہ ہوئی۔ پھر

من حیث لایحتسب

کی شان تو نہ رہے گی۔ کہ جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا۔ وہاں سے حق تعالیٰ دیتے ہیں۔ دوسرے یہ برامانے کی بات نہیں۔ گو تمہاری تنخواہ ساڑھے چار سو روپیہ رہ جائے گی۔ لیکن ضرورتیں مختلف ہوا کرتی ہیں بعض دفعہ پانچ سو کا خرچ پڑ جائے گا۔ اس وقت تم گرانی محسوس کرو گے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر وقت جوش محبت نہیں رہتا۔"

غرضیکہ حضرت تھانوی کے وسعت کے ساتھ ہدایا قبول کرنے اور ان کے محدود تعداد میں قبول کرنے کے لئے اصول وضع کرنے میں اسی تعلق باللہ کو دخل تھا۔ جس کے بعد دنیا کی کسی چیز کی محبت و وقعت دل میں باقی نہیں رہ جاتی۔

عطیہ شیخ

چنانچہ جب حضرت کے پیرومرشد حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے بغایت شفقت و عنایت اپنا کتب خانہ حضرت تھانوی کو عطا کرنا چاہا۔ تو اس وقت حضرت تھانوی نے نہایت ادب و احترام سے عرض کیا کہ:

"حضرت کتابوں میں کیا رکھا ہے۔ مجھے تو کچھ اپنے سینہ مبارک سے عطا فرمائیے۔"

اس پر حضرت حاجی صاحب بہت مسرور ہوئے اور جوش میں آ کر فرمایا کہ:

"جی ہاں۔ سچ تو یہی ہے کہ کتابوں میں کیا رکھا ہے۔"

حالانکہ کتابوں کا عطیہ دوسرے تبرکات کے مقابلہ میں ہزار درجہ بہتر و نافع ہے۔ مگر حضرت تھانوی کی نظر کتاب علم پر نہ تھی۔ بلکہ انوار علم پر تھی۔ جس کا محض پر تو کتاب پر ہوتا ہے۔

ادب تبرکات

جس طرح بزرگوں کی شان میں ادنیٰ بے ادبی بھی موجب محرومی برکات باطنی ہوتی ہے۔ اس طرح ان کے تبرکات کی بے ادبی بھی باطنی محرومی کا باعث ہوتی ہے۔ مگر ان کے ادب میں حدود سے تجاوز کر کے غلو کرنا تو معصیت کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے حضرت تھانوی کو اس معاملہ میں اعتقاداً یا عملاً زیادہ شغف نہ تھا۔ یہاں تک کہ ان کا ادب اور ادب میں اعتدال و احتیاط کی نگہداشت ہی بار خاطر ہو رہی تھی۔ اس لئے آپ کے پاس حضرت حاجی صاحب کے جن قدر تبرکات موجود تھے۔ وہ آپ کے اسباب میں تقسیم کر دیئے تھے۔ جن کے متعلق آپ کو یقین تھا کہ وہ مجھ سے بھی زیادہ ان کا ادب کریں گے۔ اور ان تبرکات میں سے صرف حضرت حاجی صاحب کی تعلیمات پر اکتفا کیا اور فرمایا کہ:

"اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں پر عمل کی توفیق بخشی۔ تو ظاہری تبرکات کے مقابلہ میں ہزار درجہ بہتر ہیں۔"

تبرکات

امتیازی وصف

صاحب اشرف السوانح لکھتے ہیں کہ:

"چونکہ حضرت والا پر بفضلہ تعالیٰ توحید اور تنزیہ باری تعالیٰ کا بہت علم ہے اور ہر شے کو اس کے درجہ پر رکھنا۔ اور مقصود و غیر مقصود میں فرق کرنا حضرت کا امتیازی وصف ہے جو ایک مجدد اور مصلح اور حکیم الامت میں ہونا لازمی ہے۔ اس لئے تبرکات کے باب میں بھی حضرت کا مذاق نہایت معتدل ہے۔ یعنی ان کی برکات کا انکار نہیں۔"

بلکہ بزرگوں کے تبرکات کی برکتوں کے واقعات اپنے بھی اور دوسروں کے بھی مشاہدہ کئے ہوئے اکثر نہایت معتقدانہ طور پر بیان فرماتے رہے ہیں۔ لیکن جو اصل دولت بزرگوں کے پاس ہے جس نے ان حضرات کو اس قابل بنادیا کہ اس کی وجہ سے ان کی چیزوں میں بھی برکت پیدا ہو گئی۔ اس دولت کی تحصیل کی جانب خود بھی ہمیشہ نظر رہتی ہے اور دوسروں کو بھی اسی کی تحصیل کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ اور فرماتے رہتے ہیں کہ بزرگوں کے اصل تبرکات تو ان حضرات کے لئے اقوال و اعمال و احوال ہیں۔ ان سے برکت حاصل کرنی چاہئیے۔"

۹۶
ایک صاحب نے آپ سے سوال کیا کہ شیخ کے تبرک کو پہن کر پاخانہ جانا جائز ہے یا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ: "جائز تو ہے۔ مگر کچھ واجب بھی تو نہیں۔ اور ہر جائز کام کا کرنا ضروری ہی نہیں ہے۔" جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامزد جبہ جلال آیا ہے خود میری یہ حالت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جہاں وہ رکھا جاتا ہے۔ آباد سے تھانہ بھون آتا ہے۔ تو اگرچہ اس مکان کی طرف جہاں وہ رکھا جاتا ہے۔ پاؤں کرنا جائز ہے مگر غلبہ ادب کی وجہ سے غالب احوال میں اس طرف پاؤں نہیں کر سکتا۔"

برکت تبرکات

حضرت تھانوی تبرکات کی برکت کے نہ صرف قائل تھے۔ بلکہ اکثر اہل علم و دین بھی کرتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں فرمایا کرتے تھے کہ: "موس بھی کرتے تھے۔ لیکن جو آج کل لوگوں نے ان کے متعلق میں برکت کا تو معتقد ہوں۔ اس کو ناجائز سمجھتا ہوں۔" اعتقاد اور عمل میں غلو کر رکھا ہے۔ ایک بہت ہی صلح امی بزرگ حاجی عبداللہ نے جو اول حضرت مولانا گنگوہی سے بیعت تھے۔ اور پھر خود حضرت سے بیعت ہو گئے۔ حضرت کو ایک بالکل معمولی کپڑے کا روئی دار عبادتہ دیا تھا۔ جو حضرت نے خود استعمال کیا۔ اور اس کے متعلق فرمایا کہ:

"اس کی خود میں نے یہ برکت موس کی اور جس کا بارہا تجربہ کیا کہ جب تک میں اس کو پہنے رہا۔ معصیت کے وساوس بھی بالکل نہ آتے تھے۔"

زیارت تبرکات

تبرکات کی زیارت کا جس طرح آج کل دستور ہے۔ اس سے حضرت کو

سخت نفرت تھی۔ ایک دفعہ میرٹھ میں ایک صاحب سلسلہ شیخ نے حضرت کی موجودگی میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے ایک خرقہ کو مجلس میں ایک ایک کے سامنے پیش کیا تا کہ اس کو چوما جائے اور آنکھوں سے لگایا جائے حالانکہ یہ مروجہ تعظیم و تکریم حضرت کے اپنے ہی پیرومرشد کے خرقہ کی کی جارہی تھی۔ مگر پھر بھی حضرت نے فرمایا کہ: "مجھ کو یہ فعل اچھا معلوم نہیں ہوا۔ بلکہ ایک ڈھونگ سا معلوم ہوا ہے۔"

جلال آباد میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامزد جبہ شریف رکھا ہوا ہے۔ جس کی آپ نے اپنے اکابر سے اس کی تصدیق و جدائی سنی ہوئی تھی۔ اسے بغرض زیارت تھانہ بھون بھی لے جایا جاتا تھا۔ اور خدام جبہ ایک لمحہ کے لئے بھی جبہ شریف کو اپنی آنکھوں سے او جھل نہ کرتے تھے۔ حضرت نے بھی اس کی زیارت کا شوق ظاہر کیا مگر یہ شرط لگا دی کہ مجھے بالکل تنہائی میں زیارت کا موقع دیا جائے۔ چونکہ ان لوگوں کو حضرت کی خاص طور سے خاطر عزیز تھی۔ اس لئے انہوں نے آپ کو تنہائی میں زیارت کرنے کی اجازت دے دی۔ اور خود وہاں سے ہٹ گئے۔ چنانچہ آپ نے بالکل تنہائی میں نہایت ذوق و شوق سے غلی بالطبع ہو کر حب اطمینان کے ساتھ زیارت کر کے دل کی بھر اس نکالی۔ اس وقت حضرت پر جو کیفیات طاری ہوئی ہوں گی۔ ان کی حضرت کے سوا کسی کو خبر نہ ہو سکی۔

احتیاط و ممانعت

حضرت تھانوی نے لوگوں کو اس معاملہ میں غلو اور خلاف شرع رسوم سے بچانے کے لئے یہ تدبیر کی کہ جب آپ نے اپنے پٹے دار بال کٹوائے تو ان کو حجام کے پاس نہ رہنے دیا۔ تا کہ وہ کہیں انکو بیچنا نہ شروع کر دے۔ کیونکہ آپ بچشم خود مشاہدہ فرما چکے تھے۔ کہ حضرت حاجی صاحب کے تبرکات بعض لوگ معتقدین کے ہاتھ بڑی بڑی قیمتوں پر بیچنے پر آمادہ تھے۔ اور پھر ان بالوں کو خاص

عملیات

خواص قرآنی

قرآن پاک میں اس کی مختلف صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ ان میں سے اس کی ایک صفت "شفاء" بھی ہے سورہ یونس کے چھٹے رکوع میں شفاء کے ساتھ لمافی الصدور کا بھی اضافہ فرمایا گیا ہے کہ یہ دلوں کی بیماری کیلئے شفاء ہے مگر آگے سورہ بنی اسرائیل اور حم سجدہ میں لفظ مطلق شفا کا آیا ہے کہ

نَزَّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ

ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جن سے روگ رفع ہوں۔ (بنی اسرائیل ۱۵/۹)

عام مفسرین نے شفاء کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس سے روحانی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ دلوں سے عقائد باطلہ اخلاق ذمیرہ اور شکوک و شبہات کے روگ مٹ کر صحت باطنی حاصل ہوتی ہے۔ مگر صاحب "روح المعانی" اور "زاوا المعاد" نے اس کا فلسفہ اور تجربہ بیان کر کے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ بسا اوقات اس کی مبارک تاثیر سے بدی صحت بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ قیصر روم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں درد سر کی شکایت لکھ بھیجی۔ تو آپ نے ایک ٹوپی سلوا کر بھیج دی کہ یہ پہنی جائے۔ جب تک وہ ٹوپی سر پر رہتی درد کو سکون رہتا اور جب اس کو اتار دیتا پھر درد ہونے لگتا۔ اسے تعجب ہوا اور کھول کر اس ٹوپی کو دیکھا تو اس میں صرف کلمہ لکھی تھی۔

گومادہ پرست اور ان کا حلقہ اثر قرآن کے الفاظ کی تاثیر کا قائل نہیں مگر مادہ پرستوں کا مورث اعلیٰ ابو جہل اس کا قائل تھا۔ چنانچہ اس نے جب دیکھا کہ محض قرآن کی آیات سننے سے بڑے بڑے ذمی مرتبت کفار حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے

۹۸
اہتمام کے ساتھ دفن کرادیا۔ تاکہ معتقدین کے ہاتھ نہ پڑنے پائیں اور وہ ان کا کوئی دھونگ نہ بنا سکیں۔

علاوہ ازیں آپ نے اپنے وصیت نامہ "الاستحضار للاحتفال" میں یہ وصیت بھی فرمادی کہ میری مستعمل چیزوں کے ساتھ متعارف طریق سے تبرکات کا سا معاملہ نہ کریں۔ البتہ اگر کوئی محبت سے بطریق شرعی مالک بن کر مخفی طور پر اپنے پاس رکھے۔ تو مضائقہ نہیں۔ مگر اعلان اور دوسروں کو دکھلانے کا اہتمام نہ کیا جائے۔

حصول تبرکات

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ:

"بزرگوں کے تبرکات حاصل کرنے کا سہل طریق جس میں ان کو کچھ تردد نہیں کرنا پڑتا یہ ہے کہ اپنی کوئی چیز ان کو عاریتہ دیکر یہ عرض کیا جائے کہ کچھ روز اس کو استعمال فرما کر واپس فرمادیں۔ میں نے ایک رومی شیخ کو حضرت حاجی صاحب سے اس طرح تبرک حاصل کرتے دیکھا تھا۔ جو مجھ کو بہت پسند آیا تھا۔"

مزید فرمایا کہ:

"تبرکات بزرگوں کے ہوتے ہیں۔ میں گنہ گار اس قابل کہاں کہ مجھ سے تبرکات حاصل کئے جائیں۔ لیکن بعض اپنے حسن ظن اور محبت سے مانگتے ہیں۔ تو اگر اس وقت کوئی چیز نہ ہوئی۔ تو میں انکو بھی یہی ترکیب بتا دیتا ہوں اور یہ صورت ہے بھی بہت راحت کی کہ اس میں مجھ کو کوئی تردد نہیں کرنا پڑتا۔"

چنانچہ اکثر فہیم خدام ایسا ہی کرتے تھے اور بعض کی درخواست پر حضرت اپنی خاص مستعمل اشیاء بھی مرحمت فرمادیتے تھے۔ نیز چونکہ نوازئیدہ بچوں کے کرتوں کیلئے اکثر حضرت سے کپڑا بطور تبرک مانگا جاتا تھا۔ اس لئے آپ اپنے کھنہ مستعمل کرتوں میں سے ایسے بچوں کے ناپ کے چند چھوٹے چھوٹے کرتے قطع کر کے ایسے موقعوں کے لئے رکھ لیتے تھے۔ تاکہ وقت پر تردد نہ کرنا پڑے۔ اور درخواست پر فوراً نکال کر دیا جاسکے۔

۱۰۰
ہیں۔ تو اس نے منادی کرادی کہ جہاں قرآن پڑھا جا رہا ہے۔ وہاں شور و غل مچاؤ۔ تا
کہ اس کی آواز لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ اور انہیں اس سے متاثر ہونے
کا کوئی موقع نہ ملے۔

مفید خدمت
قرآن کے خواص پر بڑے بڑے آئمہ نے اپنے تجربہ کی بناء پر مفید خلافت

رسائل لکھے ہیں۔ جن میں سے حضرت تھانوی نے نظمیں جس میں انہوں نے
۱۔ امام یافعی شافعی۔ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الدر المنظمہ جس میں انہوں نے
کتاب البرق المائع تالیف قاضی ابی بکر غسانی اور کتاب خواص الایمان و قولہ تالیف
امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یکجا جمع کیا۔ اور

۲۔ شیخ شہاب الدین شرجی۔ منی کی کتاب الفوائد فی الصلوٰۃ العوائد جس کے
حاشیہ پر امام محمد شیراوی الشافعی الشریعہ کا رسالہ بہ فوائد الفرائض فی شرح اسماء
الحسنی درج تھا کو عوام کے لئے مفید پا کر ان کا ترجمہ کر کے "اعمال قرآنی" کے
نام سے اردو میں منتقل کیا جن کا مقصد صرف عامۃ المسلمین کو خواص قرآنی کے
متعلق اکابر سلف کے تجربات سے مطلع کرنا اور پیشہ ور پیروں کے ہمتہ کندوں۔
خلاف شرع اور غیر معتبر باتوں سے بچانا تھا اور بس۔

ارشاد مرشد

حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ العزیز نے آپ کو تاکید فرمائی تھی کہ اگر
لوگ تعویذ مانگنے آئیں۔ تو جو کچھ اس وقت سمجھ میں آیا کرے۔ لکھ کر دے دیا
کریں۔ اس لئے حضرت تھانوی اپنے شیخ کے ارشاد کی تعمیل میں معمولی شکایات
درد سر۔ بخار۔ نظر وغیرہ کے تعویذ اسی طرح لکھ کر دیتے تھے۔ حاملوں کی قیود کا لحاظ نہ
کرتے تھے۔ اور نہ ہی خاص عملیات کی پابندی کرتے تھے۔ بلکہ اکثر اوقات تو کوئی
مناسب حال آیت یا حدیث یا دعا لکھ دیتے تھے۔ جو عین وقت پر خیال میں آجاتی
تھی اور بفضلہ تعالیٰ بالعموم مقصد براری ہو جاتی تھی۔

گرانی طبع

مگر ذاتی طور پر حضرت تھانوی تعویذ گنڈوں کے شغل کو بہت ہی ناپسند
فرماتے تھے کیونکہ

۱۔ ان کے طالب زیادہ تر دنیا دار ہوتے ہیں۔ جو دنیوی اغراض کے لئے حاصل
کرتے ہیں۔ جس سے صرف وقت ہی ضائع نہیں ہوتا۔ دینی ضرر بھی ہوتا ہے۔
۲۔ لوگ ان کو تدبیر سے زیادہ نافع اور دعا سے زیادہ موثر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایسا
سمجھنا خلاف سنت ہے۔

۳۔ جن کے تعویذ گنڈے موثر ثابت ہوتے ہیں۔ لوگ انہیں صاحب کرامات
بزرگ سمجھنے لگتے ہیں۔

اس گرانی طبع کی وجہ سے حضرت عام طور پر تعویذ نہیں دیا کرتے تھے۔ جمعہ
کو تو بالکل نہ دیتے تھے تاکہ ضرورت مندوں کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی طلب نہ
کرنے لگیں ویسے بھی تحریری یا زبانی درخواست پر ایک سے زائد تعویذ نہ دیتے تھے۔
اگر آپ سے کوئی آسیب یا سحر وغیرہ کے لئے تعویذ مانگتا تو آپ عام طور پر یہ کہہ
کر انکار فرمادیتے تھے کہ میں حامل نہیں مگر ازراہ شفقت یہ بھی فرمادیتے تھے کہ اگر کسی
حامل کا مجھ سے پتہ پوچھا جائے تو وہ بتا دوں گا۔ چنانچہ جو پتہ پوچھتا۔ اسے بتا دیتے جو
حامل ہوئے۔ انکار کے باوجود تعویذ مانگنے پر اصرار کرتا تو اسے اس شرط پر تعویذ
عطا فرماتے کہ:

"اگر اثر نہ ہو تو مجھ سے درخواست نہ کی جائے۔ کیونکہ میں حامل نہیں
ہوں کہ اگر ایک تعویذ سے لکھ نہ ہوا تو دوسرا لکھ دوں گا"

مگر یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت نے جب بھی کچھ لکھ کر دیا۔ اس کا فوری اثر ہوا
چنانچہ مولانا عبد الماجد دریا بادی جیسے فلسفی نے بھی اپنی کتاب "حکیم الامت" میں
اس کا بڑی حیرت کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ بایں ہمہ حضرت فرمایا کرتے تھے
کہ:

۱۰۲
"مجھے دو صفحہ کا مضمون لکھنا اتنا گراں نہیں گزرتا۔ جتنا دو سطروں کا تعویذ لکھنا۔"

مواقع انکار
غیر مباح کاموں کے لئے آپ قطعاً تعویذ نہیں دیتے تھے۔ بلکہ جہاں کسی مفسدہ کا احتمال بھی ہوتا۔ وہاں آپ انکار فرما دیتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک صاحب نے اپنی درخواست تعویذ میں لکھا کہ ایک نوجوان فاموتی النسل اپنے تمام رشتہ داروں کی مرضی اور دستور خاندان کے خلاف تیموری نسل کی ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے جس کے تمام رشتہ دار بجز اس کی والدہ کے اس پیوند سے ناراض ہیں۔ اس کا حضرت نے یہ جواب لکھا کہ:

"اتنا تامل ہے کہ تفریق وہاں جائز ہے۔ جہاں اتفاق حرام ہو۔ عورت سے نکاح کرنا حرام ہے۔ جو تنافر کی تدبیر کی جائے۔ اگر اس جزو میں مجھ کو مطمئن کر دیا جائے۔ تو تعویذ لکھ دوں گا۔"

اسی طرح ایک صاحب نے اپنی ثنویات بیان کر کے کچھ پڑھنے کو پوچھا۔ تو فرمایا کہ ثنویات کا علاج پڑھنا نہیں بلکہ تدابیر اختیار کرنا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کوئی تدبیر ہی بتا دیجئے۔ تو فرمایا کہ ہر ثنویات کی تدبیر جدا ہے۔ جب کوئی خاص ثنویات پیش آئے تو اس کے متعلق دریافت کیا جائے۔ اگر کوئی طالب حزب البحر یا دلائل الخیرات یا اس قسم کے بزرگوں کے دوسرے اوراد و احزاب پڑھنے کی اجازت طلب کرتا ہے تو آپ اس سے پہلے اس کی غرض دریافت فرماتے اگر وہ لکھتا کہ اسے دنیوی حاجات کے لئے بطور عمل کے معمول بنانا ہے تو صاف لکھ دیتے کہ میں عامل نہیں ہوں۔ اگر کوئی زیادہ ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے یہ لکھتا کہ مقصود قرب و رضائے حق ہے۔ تو تحریر فرماتے کہ ان دعاؤں سے پہلے قرب حق کا کوئی طریقہ نہ تھا؟ اگر نہیں تھا۔ تو جن بزرگوں سے یہ دعائیں منقول ہیں۔ انکو قرب حق کس طرح حاصل ہوا؟ جو وہ اس قابل ہو گئے کہ ان پر یہ دعائیں الہام کی گئیں؟ لہذا

تم بھی انہی کا طریقہ کیوں نہیں اختیار کرتے کہ ویسے ہی ہو جاؤ۔
غرضیکہ آپ حتی الوسع اس بات میں بھی اعتقادی غلو کی اصلاح فرمانے کی کوشش میں رہتے تاکہ آئندہ کے لئے اچھی طرح سبق مل جائے۔ اور لوگ عملیات و تعویذات کے پیچھے نہ پڑے رہیں۔

قوت مستحیلہ

آپ عملیات کے اثر کو زیادہ تر قوت مستحیلہ کا اثر دیتے تھے۔ جن دنوں آپ کانپور میں پڑھاتے تھے۔ انہی دنوں وہاں طلسمی انگوٹھی اور روحوں کو بلانے کا بہت چرچا تھا۔ جب آپ نے یہ واقعات سنے تو آپ کو بہت حیرت ہوئی۔ اور خود یہ واقعہ دیکھنا چاہا چنانچہ اس واقعہ کے راوی کو کہا گیا کہ ان لوگوں کو یہاں بلا لاوے تاکہ ہم بھی مشاہدہ کر سکیں۔ چنانچہ جب یہ عمل کرنے والے آگئے۔ تو آپ نے مدرسہ میں ان کے عمل کرانے کو خلاف مصلحت سمجھا۔ اور ایک علیحدہ مقام میں اس عمل کو دیکھنا تجویز ہوا۔ اس وقت تین عامل مدرسہ کے مہتمم۔ حضرت تھانوی اور ایک مدرس جو ایسی باتوں کے قطعاً قائل ہی تھے۔ موجود تھے۔ میز پر ان عاملوں نے عمل کیا۔ دونوں ہاتھوں کو رگڑ کر انہوں نے میز پر رکھا اور ذرا اُدھر توجہ جو کی تو تھوڑی دیر بعد میز کا ایک پایہ خود بخود اٹھا۔ انہوں نے کہا کہ لیجئے جناب روح آگئی ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے۔ معلوم ہوا کہ جمل حسین ہے۔ کوئی آواز تو نہ تھی۔ البتہ کچھ اصطلاحیں مقرر تھیں۔ ان سے سوالات کے جواب معلوم ہو جاتے تھے۔ اب ان لوگوں نے مشہور اہل ہوی کے لڑکے کی روح کو بلانا چاہا اور اس جمل حسین سے کہا کہ اس کی روح کو بلا لاؤ۔ اور جب جانے لگو۔ تو فلاں پایہ کو اٹھا کر دینا۔ چنانچہ فوراً پہلے وہ پایہ اٹھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ روح کو بلانے چلا گیا ہے تھوڑی دیر کے بعد دوسرا پایہ اٹھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس شخص کی روح آگئی ہے۔ اب ایسی ہی اصطلاحوں میں اس اہل ہوی

۱۰۴
کے لئے سے سوالات کرنے شروع کئے۔ پوچھا کہ تم نے جمہور کے مذہب کو حق پایا یا اپنے مذہب کو؟ جواب ملا کہ جمہور کے مذہب کو۔ پوچھا کہ تم اتباع ہوی کی وجہ سے سزا بھگت رہے ہو یا سزا نہیں دی گئی۔ جواب ملا کہ سزا دی جا رہی ہے۔ میں عذاب میں مبتلا ہوں۔

حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ: ہم لوگ بڑی حیرت میں تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ان لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ اب آپ جس شخص کی روح کو بلوانا چاہیں۔ بلوائیں۔ ملاں کی دور مسجد تک۔ میں نے حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو بلوایا۔ وہی مجمل حسین سب روحوں کو بلا بلا کر لاتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت حافظ صاحب شریف لائے تو میں نے السلام علیکم کہا۔ اصطلاح میں جواب ملا کہ وعلیکم السلام۔ جب حضرت مجلس میں یہ واقعہ بیان فرما رہے تھے۔ تو اس وقت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نے حضرت سے سوال کیا کہ کیا حضور کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ حضرت حافظ صاحب کی روح ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جی میں بالکل خالی الذہن تھا۔ نہ اعتقاد تھا اور نہ اس مشاہدہ کی تکذیب کی کوئی دلیل ذہن میں آتی تھی۔ حیرت میں تھا کہ یا اللہ کیا معاملہ ہے۔ سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ آپ حضرت حافظ کا کلام پڑھیے۔ ان کی روح خوش ہوگی۔ چنانچہ میں نے شروع کی غزل

الایہا الساقی ادر کاسا وناولہا

پڑھی۔ میر کا پایا بار بار اور جلدی جلدی اٹھنے لگا۔ گویا حضرت حافظ صاحب کی روح وجد کر رہی ہے۔ ہم لوگ بڑے متعجب تھے اور کوئی وجہ سمجھ میں نہ آتی تھی۔ اتنے میں نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ ہم نماز پڑھنے کیلئے اٹھے اور آپس میں گفتگو کی کہ آخر کیا معاملہ ہے۔ اخیر میں یہ رائے قرار پائی کہ یہ سب کرشمے قوت خیالیہ کے معلوم ہوتے ہیں۔ اب یہ کرنا چاہیے کہ جب وہ عمل کرنے لگیں۔ تو ہم تینوں یہ خیال کر کے بیٹھ جائیں کہ پایہ نہ اٹھے۔ مہتمم صاحب بولے کہ وہ لوگ مشاق ہیں۔

ہم لوگوں کا خیال ان کے مقابلے میں کیا کام کر سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ تم ابھی سے ضعیف نہ بنو۔ نہیں تو کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ یہی سمجھنا چاہیے کہ ان کے خیال کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ ہمارا خیال ضرور غالب آئے گا۔ امتحان تو کرنا چاہیے۔

چنانچہ ہم لوگ یہ مشورہ کر کے بعد نماز مغرب پھر بیٹھے۔ اور ان سے کہا کہ اب کی مرتبہ پھر وہ عمل دکھلاؤ۔ انہوں نے پھر عمل کرنا شروع کیا۔ ادھر ہم تینوں یہ خیال جما کر بیٹھ گئے کہ پایہ نہ اٹھے۔ انہوں نے بہتیرا زور لگایا۔ مگر پایہ نہ اٹھا جس پر وہ بڑے شرمندہ ہوئے اب تو ہماری بڑی ہمت بندھی۔ اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ یہ سب قوت خیالیہ کے ہی کرشمے ہیں اس پر میں اٹھ کر چلا آیا۔

دوسرے روز حضرت نے ان ہمراہیوں کی مدد سے خود اس کا تجربہ کیا اور کامیاب رہے اور اس طرح اس عمل کی ساری حقیقت کھل گئی۔ (حضرت کے اس تجربہ اور دوسرے تجربات کا مفصل حال "حسن العزیز" جلد اول کے ملفوظ نمبر ۱۳۵ میں مفصل درج ہے۔ جسے شوق ہو وہ وہاں سے دیکھ لے) حضرت نے فرمایا کہ قوت متخیلہ ایسی چیز ہے کہ اگر اس سے کام لیا جائے تو بہت سے واقعات صحیح کھل آتے ہیں۔ جس کی تائید میں حضرت نے بعض واقعات بھی بیان فرمائے۔ جو اسی ملفوظ کے اندر موجود ہیں۔

تصرفات

اسی سلسلہ میں آپ نے ایک استفسار پر فرمایا کہ:

"سالکین کو جو واقعات پیش آتے ہیں ان میں بھی بعض امور قوت خیالیہ کے تصرف سے ہوتے ہیں مثلاً سلب مرض یا کشف قبور وغیرہ یا بعضے انوار و اصوات وغیرہ گو کتاب ضیاء القلوب میں بحیثیت فن بعض تصرفات کی ترکیبیں بھی لکھی ہیں۔ لیکن انہیں بہت ناپسند فرماتے تھے۔ کیونکہ ان میں ایک صورت

۱۶
دعویٰ کی سی ہوتی ہے۔ نیز عوام کو ان کے باکمال ہونے کا ابہام ہوتا ہے۔ پھر اہل باطل کے لوگ معقد ہونے لگتے ہیں۔ کیونکہ انکے لئے بزرگی کی ضرورت نہیں۔ بلکہ فاسق فاجر یہاں تک کہ کفار جوگی بھی مشن سے یہ قوت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لئے ان میں بڑا فتنہ ہے۔ پھر تصرفات شان عبدیت کے بھی خلاف ہیں۔ ان تصرفات کے وقت حق تعالیٰ کی طرف اتنی توجہ نہیں رہتی جس قدر غیر ہیں۔ ان تصرفات کے وقت حق تعالیٰ کی طرف اتنی توجہ نہیں رہتی جس قدر غیر ہیں۔ ان تصرفات کے وقت حق تعالیٰ کی طرف اتنی توجہ نہیں رہتی جس قدر غیر ہیں۔ ان تصرفات کے وقت حق تعالیٰ کی طرف اتنی توجہ نہیں رہتی جس قدر غیر ہیں۔

فرمایا کہ:

توجہ متعارف اور تصور شیخ میں بھی ایک غیرت پیدا ہوتی ہے کہ جو توجہ
تام کہ حق تعالیٰ کا حق ہے۔ دوسری طرف اس کو متصرف کرنا نہایت ناگوار
معلوم ہوتا ہے۔ گو ہر وقت توجہ الی الحق کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ لیکن قصداً تو
دوسری طرف ایسی توجہ اچھی نہیں لگتی۔ جو خاص حق تعالیٰ کا حق ہے۔"

ایک اور موقعہ پر یوں فرمایا کہ:

"توجہ کے دو درجے ہیں۔ ایک درجہ تو غیر اختیاری ہے وہ یہ کہ دل چاہتا ہے کہ فلاں شخص میں ذوق و شوق، محبت حق، خوف خدا وغیرہ پیدا ہو جائے اس کے واسطے دعا کر دے۔ تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ دوسرا درجہ توجہ کا متعارف معطلہ ہے۔ وہ یہ کہ شیخ اپنے قلب کو سب خطرات سے خالی کر کے خاص توجہ کرتا ہے۔ اس میں تصور بقصد تصرف ہوتا ہے۔ یہ گوجائز ہے مگر ذوقاً پسند نہیں۔ اس

مکاتبت

خدمت خلق

خدمت خلق بڑی چیز ہے۔ بلکہ ایک بہت بڑی عبادت ہے۔ دوسروں کی راحت کے لئے خود تکلیفیں برداشت کرنا آسان نہیں۔ ہر دور میں ملک کے اندر بڑے بڑے عظیم الشان ادارے سرگرم عمل رہے ہیں۔ مگر خدمت خلق کا شعبہ صحیح معنوں میں کہیں بھی دکھائی نہیں دیتا۔ حضرت تھانوی نے اپنی تمام زندگی خدمت خلق کیلئے وقف کر رکھی تھی۔ مگر اس معاملہ میں اتنی احتیاط اور اتنا خیال ضرور رکھتے تھے کہ دوسروں کی خدمت کرتے کرتے کہیں اپنے حقوق جان کا نقصان یا حق تلفی نہ ہو۔ اس کے ساتھ اس بات کا بھی اہتمام رکھتے تھے کہ تمام تر توجہ ایک ہی طرف نہ لگی رہے۔ بلکہ سب کاموں کے لئے تھوڑا تھوڑا وقت نکالتے تھے۔ تاکہ کوئی کام ادھورا نہ رہ جائے۔ اسلئے آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

"اگر کوئی عمر بھر بھی مجھ سے خدمت لیتا رہے۔ تو میں نہایت خوشی کے ساتھ حاضر ہوں۔ کیونکہ میرا تو کام ہی یہی ہے کہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت کروں۔ جتنی بھی ہو سکے اور جیسی بھی ہو سکے۔ بشرطیکہ طریقہ سے خدمت لی جائے۔ اور صرف وہی کام مجھ سے لیا جائے۔ جو میرے کرنے کا ہو۔ اور جو خود کر سکیں اس کو خود کیا جائے۔ سارا بوجھ مجھ پر نہ ڈالا جائے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تھوڑے تھوڑے سب کے کام ہو جائیں کیونکہ سبھی کا حق ہے۔ اگر میں ایک ہی کام کو لے بیٹھوں۔ تو دوسروں کے کام یوں ہی پڑے رہیں گے۔"

شرائط مکاتبت

اس لئے آپ نے خط و کتابت کرنے والوں کے لئے اپنے تجربہ کی بناء پر چند اصول مقرر کر رکھے تھے۔ تاکہ سب کا کام حصر رسد می ہوتا چلا جائے اور اگر آپ کے ہاں یہ اصول وقاعدے مقرر نہ ہوتے تو آپ کبھی بھی روزانہ اوسطاً چالیس پچاس خطوط کے جواب نہ دے سکتے۔ اور نہ ہی دوسرے ضروری امور کی طرف توجہ فرما سکتے۔ آپ نے یہ قاعدہ بنا رکھا تھا کہ:

۱- ایک خط میں مختلف النوع مضامین نہ لکھے جائیں۔ یعنی مسائل فقہیہ اور احوال و مسائل سلوک کا ایک ہی خط میں جمع کرنا آپ کو گوارا نہ تھا۔ ایک تو مختلف مضامین کے جواب دینے میں خلجان ہوتا ہے۔ دوسرے یہ اندازہ بھی نہ ہو سکتا تھا کہ اصل مقصود کس مضمون کا جواب حاصل کرنا ہے۔ بعض لوگوں نے اس سلسلہ میں بوجہ ناداری استثنیٰ کی درخواست کی کہ بار بار خط بھیجنے کے لئے ہمارے پاس پیسے نہیں تو حضرت نے انہیں لکھا کہ:

"اول تو مواقع استثناء کو میں یاد کیسے رکھ سکتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ جب مستثنیٰ کرنا شروع کر دیا۔ تو وہ قاعدہ قاعدہ ہی کیا رہے گا۔ اور جس ضرورت و مصالحت سے وہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے وہ کب پوری ہوگی۔ اسلئے یہ تو گوارا نہیں۔ لیکن اگر ناداری ہے۔ تو اس غرض خاص کے لئے چندہ جمع کیا جائے اور اس میں میں بھی خوشی کے ساتھ شریک ہوں گا۔"

چنانچہ حضرت تھانوی نے اس بارہ میں اصول تو نہ توڑا۔ مگر ایسے لوگوں کی اس سلسلہ میں برابر مالی اعانت فرماتے رہے۔ تاکہ بوجہ ناداری وہ محروم نہ رہیں۔

۲- خط عبارت کے تصنیف و تکلف سے پاک ہو۔ کیونکہ اس طرح تبلیغ کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے۔ اور مکاتبت کے مافی الضمیر کا اندازہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ مزید براں ایسے خطوط سے زیادہ تر مقصود محض اظہار لیاقت ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض

حضرات بلا ضرورت آپ کو عربی میں خط لکھ دیتے تھے۔ تو آپ جواب عربی میں لکھنے کی بجائے اردو میں ہی یہ تحریر فرما دیتے کہ:

"میں تو بے تکلف عربی عبارت لکھنے پر قادر نہیں۔ اور آپ ماشاء اللہ قادر ہیں۔ اس لئے آپ مجھ سے اکمل ہوئے۔ لہذا اکمل کو ناقص سے رجوع نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ کسی کامل سے رجوع کیجئے۔"

اس طرح ایک دوسرے عربی خط کے جواب میں لکھا کہ:

"افادہ کی شرط مفید کا مستفید سے اکمل ہونا ہے۔ آپ عربی لکھتے ہیں گو غلط لکھتے ہیں۔ میں غلط بھی نہیں لکھتا۔ پس آپ اکمل لکھنے سے اور شرط مفقود ہوئی۔ اس لئے مشروط بھی مفقود ہوا۔"

البتہ عربی ممالک سے جو خطوط عربی میں آتے تھے۔ ان کا جواب آپ عربی میں ہی دیتے تھے کیونکہ وہ ان کی مادری زبان تھی۔ وہاں تصنع و تکلف کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

۳۔ طالبین خطوط میں اشعار نہ لکھیں۔ کیونکہ آپ اپنے بڑے کے سامنے اشعار پڑھنا یا اس کو اشعار لکھنا خلاف تہذیب و ادب سمجھتے تھے لیکن مغلوب الحال یا ہم عصر وہم مکتب وہم مشرب حضرات کے لئے یہ پابندی نہ تھی۔

۴۔ زیادہ تعظیمی الفاظ بھی نہ لکھے جائیں۔ کہ یہ بھی تکلف میں داخل ہے۔ ایک مرتبہ ایک ذی وجاہت وکیل نے لکھا کہ میں تو حضرت والا کے دربار کا ادنیٰ غلام ہوں۔ آپ نے اسے اس لطیف و جامع جواب میں آئندہ کے لئے ایسا نہ لکھنے کی تنبیہ فرمائی کہ:

"ایسے الفاظ سے اگر مجھ میں کبر ہوا۔ تو میرا مرض بڑھتا ہے۔ اور اگر تواضع ہوئی۔ تو تنگی ہوتی ہے۔ ہر حال اس میں ضرر ہی ہے۔ بدنی یا نفسانی۔"

اسی وکیل صاحب کے خط میں دوسرا فقرہ یہ تھا کہ افسوس میرا پہلا خط جو میں نے بڑے شوق سے لکھا تھا گم ہو گیا اور آپ کو نہیں ملا۔ یہ میری بد قسمتی ہے۔ اس پر یہ تنبیہ تحریر فرمائی کہ:

"مجھ کو مسلمان کے منہ سے بد قسمتی کا اقرار اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مسلمان تو بد قسمت ہوتا ہی نہیں۔ مثلاً اس واقعہ میں آپ کا خط گم ہوا۔ آپ کو قلق ہوا۔ اور اس پر آپ کو اجر ملا۔ تو یہ خوش قسمتی ہوئی یا بد قسمتی۔ البتہ جو معاصی اختیار یہ ہیں۔ ان کو خسارہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔"

انہی وکیل صاحب نے یہ بھی لکھا کہ حضوری میں جناب عالی سے مرعوب ہوں اور غائبی میں کتابت سے قلم ترساں۔ اس پر آپ نے لکھا کہ:

"ان خیالات کو دل میں نہ آنے دیجئے۔ بلارحایت کسی خاص قاعدہ و ضابطہ کے بے تکلف جو دل میں آئے لکھئے۔ بس اتنا خیال رہے کہ ایک تو واقعہ صاف لکھا جائے۔ تکلف یا عبارت آرائی نہ ہو۔ دوسرے بلا ضرورت طول نہ ہو۔ تیسرے ایک خط میں متعدد مضامین نہ ہوں۔ لیکن اگر ان میں ارتباط ہو۔ تو وہ ایک ہی مضمون شمار ہوگا۔"

انگریزی روشنائی والے خطوط بھی آپ پسند نہ فرماتے تھے۔ کیونکہ ان میں سپرٹ کی آمیزش ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی ایسا خط نماز کے وقت جیب میں ہوتا۔ تو آپ نکال کر الگ رکھ لیتے تھے۔ مزید براں گیلے ہاتھ ہونے کی وجہ سے ہاتھ پر اس کا رنگ چڑھ جاتا ہے اور پسینہ کی صورت میں جیب میں ایسے خط ہونے سے کپڑے داغدار ہو جاتے ہیں۔

حصول جواب

جواب خط کے لئے لکھا تھا کہ جوابی خط بھیجا جائے۔ خود حضرت تھانوی اگر اپنے کسی جاں نثار کو بھی خط لکھتے تو جواب طلب امور کے لئے جوابی خط ہی لکھتے اور فرماتے جب میری ہی غرض ہے۔ تو ان پر خواہ مخواہ کیوں محصول ڈاک کا بار ڈالا جائے۔ اسی طرح جو طالب اپنے سوال کے ساتھ جواب کے لئے لفافہ ہمراہ نہ بھیجتا۔ اسے جواب نہ دیتے۔

۱۱۲
یہ بھی لازمی تھا کہ جوابی لفافہ پر اپنا نام و پورا پتہ صاف لکھا ہوا ہو۔ بغیر پتہ لکھے جواب کے لئے لفافہ ڈالنے میں یہ قباحت ہوتی کہ بسا اوقات جواب دینے والے کا پتہ معلوم نہ ہوتا یا اس وقت بھولا ہوا ہوتا۔ یا جو پتہ یاد ہوتا۔ وہ بدل چکا ہوتا ہے۔ یا نقل کرتے وقت غلطی ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے جواب دیر سے پہنچتا ہے یا بالکل ہی نہیں پہنچتا۔

اسی طرح یہ بھی ضروری تھا کہ جواب کے لئے ٹکٹ نہ بھیجے جائیں۔ کیونکہ وہ بھی موجب اذیت ہوتے ہیں۔ بسا اوقات لفافہ ٹکٹ کے وقت گر جاتے تھے۔ بسا اوقات کثرت مشاغل اور ہجوم خطوط کی وجہ سے یاد نہیں رہتا تھا کہ اس خط کے جواب کے ٹکٹ کہاں رکھے تھے۔ اور اگر کوئی ٹکٹ گر پڑتا اور بعد میں مل جاتا۔ تو سب خطوط کی پرٹھال کرنی پڑتی کہ یہ کس لفافہ کا ٹکٹ ہو گا۔ اگر پھر بھی نہ ملتا۔ تو کچھ عرصہ امانت رکھ کر پھر مصارف خیر میں صرف کر دیا جاتا اس طرح نہ صرف وقت ضائع ہوتا بلکہ پریشانی بھی اٹھانی پڑتی۔

رسید طلبی

اگر کوئی خط بذریعہ "رجسٹری بہ واپسی رسید" بھیجتا۔ اور قرائن سے معلوم ہو جاتا کہ یہ کسی جگہ کے معاملہ ہے۔ جس کی وجہ سے بھیجنے والا رسید طلب کرتا ہے تاکہ مرسل الیہ خط پانے سے انکار نہ کر سکے۔ تو واپس کر دیتے اور فرماتے کہ رسید وہاں طلب کی جاتی ہے۔ جہاں یہ احتمال ہو کہ مرسل الیہ خط پانے سے انکار کر دے گا۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ مرسل کو مرسل الیہ کے کاذب ہونے کا احتمال ہے۔ جو بلا دلیل شرعی معصیت ہے نیز اس سے مرسل کا مقصود بھی حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا مقصود تو یہ ہے کہ مرسل الیہ اس کے خاص مضمون پہنچنے کا انکار نہ کر سکے۔ لیکن رسید صرف اس بات کو ظاہر کرے گی کہ کوئی خط پہنچا مگر اس کو ظاہر نہیں کر سکتی کہ کس مضمون کا خط پہنچا۔ لہذا ہر حال میں رسید طلب کرنا ایک

۱۱۳
فصول حرکت ہے۔ رہی حفاظت۔ وہ غیر جوابی رجسٹری سے بھی ہو سکتی ہے۔ ویسے جہاں مذکور الصدر شبہ نہ ہوتا وہاں جوابی رجسٹری بھی وصول کر لیتے۔ مگر جوابی رجسٹری بھیجنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

منی آرڈر

منی آرڈر کے کوپن پر اگر کوئی مضمون تحریر نہ ہوتا۔ یا مبہم مضمون ہوتا۔ جس سے بھیجی ہوئی رقم کا مصرف یا کوئی اور ضروری جزو صاف طور پر واضح نہ ہوتا۔ تو اس پر سبب لکھ کر واپس فرما دیتے۔ اگر کوپن پر صرف اتنا لکھا ہوتا کہ اس رقم کے متعلق الگ خط لکھا گیا ہے تب بھی اسے وصول نہ فرماتے۔ کیونکہ اگر خط کے انتظار میں رقم وصول کر لیتے اور پھر خط کے مضمون سے وہ رقم قابل واپسی سمجھتے۔ تو اسے امانت رکھتے اور پھر واپسی بھیجنے میں بڑی دقت ہوتی۔

بیمہ یار رجسٹری

اس طرح اگر کوئی رقم بذریعہ بیمہ یار رجسٹری بھیجتا اور اس کی تفصیل سے پہلے آگاہ نہ کرتا۔ تو بجز اطمینان کے مواقع کے اسکو بھی واپس فرما دیتے۔ کیونکہ یہ امر ظاہر یا واضح نہ ہوتا۔ کہ وہ رقم قابل وصولی ہے یا نہ۔

چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ منی آرڈر یا بیمہ کے ذریعہ آئی ہوئی رقم جو واپس جاتی اور پھر اس کے مرسل کی طرف سے وصاحتی خط آتا تو اس کا کوئی نہ کوئی جزو ضرور ایسا نکلتا جو ناقابل قبول ہوتا۔ جس کی مثال باب اخلاق میں بضمن استغنا گزر چکی ہے جو بڑے بڑے بیمہ یا منی آرڈر خلاف اصول ہونے کی وجہ سے واپس بھیج دیے جاتے اور وہی رقوم اصول کے مطابق مکرر موصول ہوتیں۔ تو اس وقت حضرت فرمایا کرتے کہ دیکھیے جو آئے والی چیز ہوتی ہے وہ آکر رہتی ہے چاہے اس کو واپس کیا جائے۔ پھر کیوں نیت خراب کی جائے اور خلاف اصول کا ارتکاب کیا جائے۔

تحفظ حقوق

حقوق العباد

حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ:

"عام طور پر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حق العبد میں محض بندہ ہی کا حق ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کا حق نہیں ہوتا۔ یہ غلط ہے کیونکہ بندہ کا وہ حق اللہ تعالیٰ ہی نے تو مقرر فرمایا ہے۔ مثلاً حکم دیا ہے کہ مظلوم کی امداد کرو۔ کسی مسلمان کی غیبت نہ کرو۔ کسی کو ایذا نہ دو۔ تو جب ان احکام کے خلاف کسی کو ایذا دی جاوے گی۔ تو جیسے بندہ کا حق فوت کیا۔ ویسے ہی حق تعالیٰ کا بھی حق فوت کیا کہ ان کے حکم کی مخالفت کی۔ اس لئے حقوق العباد تلف کرنے میں محض بندوں کی معافی کافی نہیں بلکہ حق تعالیٰ سے بھی توبہ و استغفار لازمی ہے گو عام حقوق العباد میں بندہ کی معافی کے بعد اکثر حق تعالیٰ اپنا حق بھی معاف کر دیتے ہیں۔ مگر بعض اوقات مہربان خاص کی طرف توفیق میں ان کی معافی کے بعد بھی حق تعالیٰ اپنا حق معاف نہیں فرماتے۔ بلکہ مواظبت ضرور ہوتا ہے۔" (کمالات اشرفیہ ص ۱۶)

یہ اسی تحقیق الحقیقہ کا نتیجہ تھا کہ حضرت تھانوی کو تحفظ حقوق کا غایت درجہ اہتمام تھا۔ اور معاملات میں ہمیشہ احکام شرعیہ اور جزعیات فقیہہ غامضہ دقیقہ کو ہر وقت پیش نظر رکھتے تھے اور مالی معاملات میں احتیاط انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ جو سب کے نزدیک واجب العمل ہونے کے باوجود قابل اعتنا نہیں۔

جواب رسائل

آپ فرماتے تھے کہ: "لوگ بڑے بڑے رسالے بھیج دیتے ہیں کہ ان کا جواب لکھو۔ میں یہ بتا دیتا ہوں کہ میرے پاس اتنا وقت کہاں ہے کہ سب کا یکجائی جواب لکھوں وہاں آپ یہ کریں کہ پہلے ایسے مقامات منتخب کر لیں جو آپ کے نزدیک محتاج جواب ہوں۔ پھر ان مقامات میں سے ایک خط میں صرف ایک مقام میرے پاس بھیج دیا کریں۔ جب اس کا جواب پہنچ جائے اور وہ طے ہو جائے خواہ ایک ہی خط میں یا متعدد خطوط میں۔ تو پھر اسی طرح دوسرا مقام بھیج کر اس کا جواب حاصل کر لیں۔ اسی طرح برابر مجھ سے خدمت لیتے جائیں۔ اور جب سب مقامات کا جواب ہو جائے تو اس کو جمع کر کے شائع کر دیں۔"

اس سلسلہ میں آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ:

"لوگوں کو دوسرے پر بوجھ ڈال دینا تو آسان ہے۔ لیکن جب خود ان کو کچھ کام کرنے کو کہا جاتا ہے۔ تو پھر بیٹھ جاتے ہیں۔ میں نے بہت سے لوگوں کو مذکورہ بالا طریقہ بتلایا۔ لیکن چونکہ اس میں خود بھی ان کو کچھ کام کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے بیٹھ رہے۔ البتہ ایک صاحب نے اس اطلاع کے بعد ایک رسالہ کا صرف ایک مقام حل کرایا۔ پھر وہ بھی بیٹھ رہے۔ انہوں نے فرقہ بہائیہ کے شبہات کے جوابات چاہے تھے۔ ان کو میں نے یہی لکھ دیا کہ ایک ایک شبہ پیش کیا۔ اور اس کو اپنی طرف منسوب کیا جاوے۔ نہ کہ کسی دوسرے کی طرف سے۔ کیونکہ میں غائب سے کیسے خطاب کر سکتا ہوں۔"

چنانچہ انہوں نے ایک بار شبہ لکھ کر بھیجا۔ میں نے اس کا جواب لکھ دیا۔ اور میں اپنی طرف سے اس سلسلہ کو جاری رکھنے کیلئے آمادہ ہو گیا۔ اور اس کے جوابات کو جہاں نہ نقل بھی کرایا۔ (کیونکہ جو جواب یا مضمون باہر جاتا تھا۔ اس کی نقل رکھ لی جاتی تھی) تاکہ آئندہ کے لئے جوابات کو مسلسل نقل کرتا رہوں۔ لیکن ان کا بھی بس ایک ہی خط آکر رہ گیا۔ اور اتنا التزام بھی ان سے نہ نبھ سکا۔"

پابندی شریعت
ایک مرتبہ ایک صاحب نے ایک معتد بہ رقم مصارف خیر کے سلسلہ میں حضرت تھانوی کی خدمت میں روانہ کی اور لکھا کہ:

"میں بہت بیمار ہوں یہاں تک کہ صحت سے مایوسی ہے۔" مگر اس میں وصیت کا کہیں ذکر نہ تھا۔ اس نے حضرت تھانوی نے مصارف خیر کے لئے بھی رقم کی وصولی کو حد شرعی کے اندر لانے کے لئے ان کو شرعی وصیت کا ایک مضمون لکھ کر روانہ کیا۔ کہ وہ اس پر دستخط کر کے واپس بھیج دیں۔ تاکہ وصیت شرعاً بھی ہو جائے۔ چونکہ انہوں نے وہ رقم بہ نیت وصیت ہی بھیجی تھی۔ اس لئے انہوں نے بلا تامل اس مضمون پر دستخط کر کے حضرت کی خدمت میں بھیج دیا۔ ورنہ حضرت اس بات کا تہیہ کر چکے تھے کہ اگر اس پر دستخط نہ ہوئے تو یہ رقم واپس کر دی جائے گی۔

حجت شرعی

اسی طرح جب حضرت کے ایک نہایت ہی مخلص اور مستمول خادم مجاز حاجی محمد یوسف رنگونی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔ تو ان کے ورثاء نے ایک کثیر رقم حضرت کی خدمت میں اس وصیت کی بناء پر روانہ کی۔ جو مرحوم نے حضرت کے نام تحریر فرمادی تھی۔ لیکن حضرت نے تحریر فرمایا کہ:

"چونکہ مرحوم کے بعض ورثاء نابالغ ہیں۔ اس لئے اگر یہ وصیت کسی شرعی حجت سے ثابت ہو۔ تب وہ نابالغ ورثاء کے مقابلہ میں شرعاً نافذ ہو سکتی ہے۔ ورنہ نہیں۔ لہذا وہاں کے علماء کے سامنے شرعی حجت پیش کر کے اور ان پر یہ بھی ظاہر کر کے کہ وہ وصیت نامہ کس کس کے سامنے لکھا گیا یا حاجی صاحب نے کس کس کے سامنے تحریر کرنے کا اقرار کیا اور کس کس کے پاس رہا اور کہاں کہاں رہا ان

سے باقاعدہ فتویٰ حاصل کیا جائے اور پھر وہ فتویٰ میرے پاس بھیجا جائے۔ اگر میرے نزدیک بھی وہ حجت شرعاً کافی ہوگی۔ تو وصیت کردہ رقم بخوشی قبول کر لوں گا۔ ورنہ عذر کر دوں گا۔"

چنانچہ وہاں سے باقاعدہ فتویٰ مکمل حجت شرعی کے ساتھ جب آیا۔ اور حضرت کو بھی اس پر پورا اطمینان ہو گیا۔ تب وہ رقم قبول ہوئی۔

کمال احتیاط

وصیت کردہ رقم کے علاوہ حاجی صاحب مرحوم نے ایک کثیر رقم ایک خاص مصرف خیر کیلئے حضرت کے پاس امانت رکھی ہوئی تھی۔ جو حضرت نے ان کی ہدایات کے مطابق صرف فرمائی تھی۔ چونکہ اس کے مصرف میں لانے سے قبل ہی صاحب خیرات انتقال فرما چکے تھے۔ اس لئے اب ان کا اس رقم پر کوئی حق شرعی باقی نہ رہا تھا۔ بلکہ یہ رقم اب ورثاء کا ترکہ ہو چکی تھی۔ اس لئے حضرت نے وہ رقم ان کے ورثاء کو واپس بھیج دی اور اس رقم کی واپسی کی نسبت پہلے دریافت کرنا اس لئے مناسب نہ سمجھا کہ مبادا وہ از راہ مروت واپس کرنے کی ممانعت کر دیں۔ برخلاف اس کے اب ان کو آزادی تھی۔ کہ اب جو چاہیں اس کے متعلق رائے قائم کریں۔ چونکہ ان کے ورثاء بھی ماشاء اللہ دین دار تھے۔ اس لئے انہوں نے بھی یہ کیا کہ اس رقم کو بالغ ورثاء نے اپنے حصہ میں لگا کر اور نابالغوں کے حصہ کا عوض ان کو اپنے پاس سے دے کر واپس بھیج دیا کہ اسی مصرف خیر میں بدستور مصرف کی جاوے۔ چونکہ اب کوئی عذر شرعی باقی نہ رہا تھا۔ اس لئے حضرت نے وہ رقم بخوشی قبول کر کے اس مصرف خیر میں صرف فرمادی۔

بے نظیر مثال حکیم نور احمد صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مرض حضرت کے خلیفہ تحریری وصیت حضرت کے نام تملیک کر کے الموت میں اپنے تین مکان بذریعہ تحریری وصیت حضرت کے نام تملیک کر کے اسکی باضابطہ رجسٹری کرادی۔ حضرت تھانوی چونکہ ان ایام میں تھانہ بھون رہتے تھے۔ اس لئے انکو اس واقعہ کا کوئی علم نہ تھا۔ اور نہ وہ بعد مسافت اور تنگی وقت حضرت کو اس امر سے آگاہ کر سکے۔ جب حضرت کو کانپور جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں پہنچ کر یہ واقعہ بھی معلوم ہوا۔ چونکہ حقوق العیاد کا معاملہ تھا۔ اس لئے حضرت نے بڑے اہتمام سے مرحوم کے ورثاء کی نسبت تحقیق کی۔ تو معلوم ہوا کہ انہوں نے کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ البتہ یہ سنا کہ لکے کوئی عزیز تھے۔ جو مفقود الخیر تھے۔ علت تملیک پر جب حضرت نے غور فرمایا تو وہ ذوقاً اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر مرحوم کو گنجائش ملتی تو وہ کسی وارث کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ رقم مصارف خیر میں ہی وقف کرتے۔ لیکن چونکہ ان کو کوئی قابل اعتماد آدمی نہ ملا۔ اس لئے ان کو خیال ہوا کہ میرے نام وصیت لکھ دیں۔ کہ وہ ان مکانات کی آمدنی مصارف خیر میں صرف کریں گے۔ حالانکہ اس امر کی تائید میں وصیت نامہ میں ایک حرف بھی موجود نہ تھا بلکہ انہوں نے وہ مکان مطلق تملیک کئے تھے۔ جنہیں اپنے مصرف میں لے لینے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ مگر حضرت کے تقویٰ واستغناء سے یہ برداشت نہ ہو سکا۔ اور آپ نے غایت احتیاط کی بناء پر وہ تینوں مکان اپنی ملک میں رکھنے کی بجائے اس شرط کے ساتھ یتیم خانہ کانپور کے نام وقف کر کے رجسٹری کرادیئے کہ:

"مرحوم کے کسی شرعی وارث کی مجھ کو تحقیق نہیں ہوئی۔ سو اگر واقع میں ایسا ہی ہے تب تو یہ مکانات کل وقف ہیں اور اگر کوئی شرعی وارث حجت شرعیہ کے موافق ثابت ہو جائے۔ تو اگر وہ اس وقف کو جائز رکھے (اور شرعاً جائز رکھنے کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے) تب بھی کل وقف ہے۔ اور اگر وہ جائز نہ رکھے یا اس

کا جائز رکھنا کسی عارض کے سبب جائز نہ ہو۔ تو مجموعہ مکانات کا ایک ثلث وقف ہے۔ اور دو ثلث اس وارث کا حق ہے اور اب سے لے کر اس کی میراث شرعی ملنے تک حساب سے جو کچھ اس وقف کی آمدنی ہو۔ اس کا دو ثلث بھی اس وارث کو واپس کیا جائے۔ اور اگر وقف مذکور کی آمدنی میں اس وقت اس قدر رقم موجود نہ ہو۔ تو اس دو ثلث کی آمدنی کو بقیہ ایک ثلث کی آمدنی سے اول پورا کیا جاوے۔ اس کے بعد مصارف یتیم خانہ میں صرف کیا جائے۔"

جب یہ وقف نامہ بغرض رجسٹری پیش ہوا تو اس کو دیکھ کر سب رجسٹرار بڑا ہی متاثر ہوا۔ اور بے حد تحسین کی کہ اس سے قبل اس قسم کا وقف اور ایسا وقف نامہ جو مختصر آگے واضح اور ہر پہلو سے مکمل ہو۔ میں نے نہیں دیکھا۔ حالانکہ حضرت قانون دان نہ تھے۔

اعلان عام

آپ نے صرف یہ وقف نامہ رجسٹری کرادینے اور وارث کے حقوق کا بندوبست کر دینے کا ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اس امر کے متعلق مفصل اعلان رسالہ "تنبیہات وصیت" کے ضمیمہ خامہ سابعہ کے مضمون رابع میں بھی شائع فرمایا تاکہ:

الف: کسی طرح مرحوم کے مفقود الخیر عزیز کو اس بات کا علم ہو جائے یا ب: ان کا کوئی اور شرعی وارث موجود ہو۔ تو وہ باخبر ہو جائے۔ نیز یہ کہ

ج: میرا کوئی وارث الیٰ اللہ الوقت انگریزی قانون کی بناء پر اس کا دعویٰ نہ کرے۔ اس سلسلہ میں مزید احتیاط و اہتمام یہ کیا کہ:

"اس وقف نامہ کی رجسٹری عدالت کانپور کا پورا پتہ لکھے دیتا ہوں۔ تاکہ حق دار کو حاجت کے وقت اس کی نقل لینا سہل ہو جائے۔ جو یہ ہے:

استحقاق شرعی
اگر کسی رقم کے متعلق حضرت کو یہ علم ہو جاتا کہ اس کے وصول کرنے سے قبل بھیجنے والے کا انتقال ہو چکا ہے تو اس کو بھی واپس فرما دیتے تھے۔ کیونکہ موہوب کی ملک ہونے کے لئے محض روانگی رقم کافی نہیں بلکہ قبضہ شرط ہے۔ اور یہاں چونکہ وہ رقم بھیجنے والے کے انتقال کے بعد وصول ہوئی۔ اور قبل انتقال یعنی اس وقت جب کہ وہ رقم معطی کی ملک تھی۔ حضرت کا قبضہ اس پر نہیں ہوا تھا۔ اس لئے شرعاً وہ رقم وصول ہو جانے کے باوجود حضرت کی ملکیت نہ ہوتی تھی۔ بلکہ وارثوں کی ہی ملک رہتی تھی۔ اس لئے اسے واپس فرما دیتے تھے اور اگر بیمہ یا منی آرڈر پہنچنے کے قبل بھیجنے والے کے انتقال کی خبر مل جاتی تو اس کو وصول نہ فرماتے۔

اسی طرح اگر کسی رقم کے دوران صرف میں اس کے بھیجنے والے کے انتقال کا علم ہو جاتا تو فوراً اس کا خرچ کرنا روک دیتے۔ اور بقیہ رقم کے متعلق خصوصیت کی محل پر تو اطلاع کر کے استفسار فرمالتے تھے۔ جواب ہر پہلو سے اطمینان بخش ہوتا۔ تو اس پر عمل فرماتے۔ ورنہ بقیہ رقم واپس کر دیتے۔ اور بلا خصوصیت کے مواقع پر تو استفسار کئے بغیر ہی واپس کر دیتے۔
غرضیکہ جتنی احتیاط حضرت ایسے معاملہ میں فرماتے تھے اس کی مثال اور کہیں دیکھنے میں نہیں آتی۔

حق مساکین

حضرت کے ایماء پر خانقاہ تھانہ بھون میں روزانہ بعد عصر ختم خواجگان پڑھا

جاتا تھا۔ جس میں خانقاہ میں رہنے والے مساکین بھی بعض شرائط مناسبت پر شریک ہوتے تھے اور اس میں دعا مانگی جاتی تھی۔ جو صاحب اپنی دنیوی مباح حاجات کے لئے مستدعی دعا ہوتے تو اعانت مساکین کے لئے انہیں ایک آنہ یومیہ اس غرض کے لئے جمع کرانا پڑتا تھا کیونکہ عملیات اور رقمی پر اجرت لینا شرعاً جائز ہے۔ اور مساکین وظیفہ ختم ہونے کے بعد روزانہ ان کی مطلوبہ حاجت کے لئے ان کا نام لے لے کر دعا کرتے تھے۔ اس طرح جو رقم وصول ہوتی۔ وہ سب شرکاء وظیفہ کو حصہ رسدی تقسیم کر دی جاتی تھی۔

اگر کوئی بلا اجرت دعا کرانا چاہتا۔ تو سات دن تک اس کے لئے مفت دعا کی جاتی تھی۔ اور دینی امور کے لئے دعا کرانے والوں سے کوئی رقم قبول نہ کی جاتی تھی۔ کیونکہ ایسی دعا دین ہے اور باستثناء "موقع مذکورہ فقہ" دین پر اجرت لینا جائز نہیں۔

اس طرح اگر کوئی مریض صحت کی دعا کیلئے کوئی رقم بھیجتا اور اس رقم کے ختم ہونے سے قبل اس کا انتقال ہو جاتا۔ تو فوراً اس کی بقایا رقم کی تقسیم بند کر دیتے ہیں۔ اور بقیہ رقم اس کے ورثاء کو واپس بھیج دی جاتی تھی۔ اگر ورثاء یہ چاہتے کہ بقیہ رقم میں مرحوم کیلئے دعائے مغفرت کی جائے تو انکار فرما دیا جاتا کیونکہ دعا مغفرت پر اجرت لینا جائز نہیں۔

اگر کوئی مستمول شخص ایک آنہ یومیہ سے زائد بھیجنا چاہتا۔ تو زائد رقم قبول نہ کی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک والی ملک نے اور ایک ولی عہد نے اس غرض کے لئے زائد رقم بھیجی تھی۔ مگر حضرت نے انکار فرما دیا۔ اور ایک آنہ یومیہ کے حساب سے ہی رقم وصول کی اور جب اول الذکر کو کامیابی نصیب ہوئی۔ تو انہوں نے مساکین کی دعوت و پارچات کے لئے ڈیڑھ سو روپیہ روانہ کئے۔ جو حضرت نے قبول کر کے مستحقین میں تقسیم کر دیئے۔

غرضیکہ ایسی احتیاط۔ صفائی معاملات اور حفظ حقوق کا اہتمام آپ کو کہیں بھی نظر نہ آئے گا۔ جس کا اعتراف خود حضرت کے مخالفین کو بھی تھا

دیانت و شرافت

بڑی بڑی خرابیاں۔ فتنے اور فساد رونما ہوتے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے متذکرہ بالا خبر کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ہدایت و تلقین فرمائی کہ شیاطین الجن والانس کی جماعت دانستہ پیدا کی گئی ہے۔ انہی باتوں کی طرف ہرگز التفات نہ کیا جائے۔ نہ اس سے مناظرہ و مباحثہ کیا جائے۔ بلکہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنے فریضہ کی طرف توجہ دی جائے۔ کیونکہ ہدایت دینا میرا کام ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ہے کہ

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ قَدْ رَهْمَ وَمَا يَفْتَرُونَ

اگر اللہ چاہتا تو ایسا نہ کر سکتے۔ سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں (ان کے حال پر) رہنے دیجئے۔ (انعام ۸/۱۳)

باب نبوت بند ہونے کے بعد یہ جماعت ورثہ الانبیاء یعنی اولیاء، علماء کے درپے آزار ہو گئی اور تا قیام قیامت اس طرح مصروف عمل رہے گی۔

وہابی ایٹم بم

زمانہ ماضی میں اس جماعت کے پاس علماء راہنہ اور اقلیاء صالحین کے خلاف استعمال کرنے کے لئے صرف ایک ہی ہتھیار "تیر تکفیر" تھا۔ جس کی مدد سے یہ اہل اللہ کی محبوبیت و مقبولیت گھٹانے کی کوشش کرتی تھی۔ مگر یہ اہل حق کے لئے اس کی حسب خواہش ایٹم بم کی طرح تباہ کن ثابت نہ ہوا تھا۔ فرقہ وہابیہ کے معرض وجود میں آنے کے بعد اس جماعت کی بہت سی مشکلات آسان ہو گئیں۔ اور اس نے اہل حق کو مٹانے اور اسکے اثر و رسوخ کو کم کرنے کیلئے وہابیت کا ایٹم بم چلانا شروع کر دیا۔ جس کی "ہلاکت آفرینی" کا حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اپنے "نقش حیات" میں یوں اعتراف کرتے ہیں:

"عوام میں اس قدر نفرت نام تو اہب سے پھیلانی گئی۔ کہ شرک

نظام قدرت نظام قدرت نگوئی اس بات کا مستقاضی ہے کہ جب تک یہ نظام عالم قائم رہے۔ خیر و شر کی قوتیں ایک دوسرے سے برسر پیکار رہیں۔ تاکہ اس معرکہ حق و باطل میں لوگوں کی فہم و فراست اور علم و عمل کا امتحان ہوتا رہے۔ کہ وہ اہل حق کے ساتھ صراطِ مستقیم پر چلتے ہیں یا اہل باطل کی معیت میں راہ ضلالت اختیار کرتے ہیں۔

اس ابتلاؤ امتحان کے لئے نظام تکوینی کے تحت ہر زمانہ میں بالفاظ قرآن "شیاطین الجن والانس کی جماعت بھیجی جاتی رہی۔ جس کا کام انبیاء علیہم السلام پر اعتراضات کرنا اور لوگوں کو ان کی پیروی سے روکنے کے لئے دھوکہ اور فریب دینا بتلایا گیا ہے:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطَانِ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا۔ (انعام ۸/۱۳)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان یعنی شریر آدمیوں اور جنوں کو پیدا کیا۔ جن میں سے بعض دوسروں کو ملمع کی ہوئی باتیں فریب دینے کے لئے سکھاتے ہیں۔

لازمی بات ہے کہ جب کوئی کسی پر ناحق تہمت لگاتا ہے۔ یا جھوٹ بولتا ہے تو اسے رنج ہوتا ہے۔ اور اس رنج کی بناء پر غصہ آتا ہے جس سے بسا اوقات

عیسائیت و یہودیت مندوبیت و ست رستہ سے مسلمہ عوام کو اتنا نفرت نہیں

دیانت و شرافت

نظام قدرت نظام قدرت ٹکونیا اس بات کا مستقاضی ہے کہ جب تک یہ نظام عالم قائم رہے۔ خیر و شر کی قوتیں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہیں۔ تاکہ اس معرکہ حق و باطل میں لوگوں کی فہم و فراست اور علم و عمل کا امتحان ہوتا رہے۔ کہ وہ اہل حق کے ساتھ صراطِ مستقیم پر چلتے ہیں یا اہل باطل کی معیت میں راہِ ضلالت اختیار کرتے ہیں۔

اس ابتلاؤ امتحان کے لئے نظام ٹکونی کے تحت ہر زمانہ میں بالفاظِ قرآن "شیاطین الجن والنس کی جماعت بھیجی جاتی رہی۔ جس کا کام انبیاء علیہم السلام پر اعتراضات کرنا اور لوگوں کو ان کی پیروی سے روکنے کے لئے دھوکہ اور فریب دینا بتلایا گیا ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ اِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا۔ (انعام ۱۲/۸)
اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان یعنی شریر آدمیوں اور جنوں کو پیدا کیا۔ جن میں سے بعض دوسروں کو ملمع کی ہوئی باتیں فریب دینے کے لئے سکھاتے ہیں۔

لازمی بات ہے کہ جب کوئی کسی پر ناحق تہمت لگاتا ہے۔ یا جھوٹ بولتا ہے تو اسے رنج ہوتا ہے۔ اور اس رنج کی بناء پر غصہ آتا ہے جس سے بسا اوقات

بڑی بڑی خرابیاں۔ فتنے اور فساد رونما ہوتے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے مستذکرہ بالا خبر کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ہدایت و تلقین فرمائی کہ شیطانی جن والنس کی جماعت دانستہ پیدا کی گئی ہے۔ انکی باتوں کی طرف ہرگز التفات نہ کیا جائے۔ نہ اس سے مناظرہ و مباحثہ کیا جائے۔ بلکہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنے فریضہ کی طرف توجہ دی جائے۔ کیونکہ ہدایت دینا میرا کام ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں ہے کہ

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ قَدْ رَهْمَ وَمَا يَفْتَرُونَ
اگر اللہ چاہتا تو ایسا نہ کر سکتے۔ سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں (ان کے حال پر) رہنے دیجئے۔ (انعام ۱۳/۸)

باب نبوت بند ہونے کے بعد یہ جماعت ورثہ الانبیاء یعنی اولیاء، علماء کے درپے آزار ہو گئی اور تا قیام قیامت اس طرح مصروف عمل رہے گی۔

وہابی ایٹم بم

زمانہ ماضی میں اس جماعت کے پاس علماء را سخین اور اتقیاء صالحین کے خلاف استعمال کرنے کے لئے صرف ایک ہی ہتھیار "تیر تکفیر" تھا۔ جس کی مدد سے یہ اہل حق کی محبوبیت و مقبولیت گھٹانے کی کوشش کرتی تھی۔ مگر یہ اہل حق کے لئے اس کی مسلسل خدائش ایٹم بم کی طرح تباہ کن ثابت نہ ہوا تھا۔ فرقہ وہابیہ کے معرض وجود میں آنے سے اس جماعت کی بہت سی مشکلات آسان ہو گئیں۔ اور اس نے اہل حق کو مٹانے اور اسکے اثر و رسوخ کو کم کرنے کیلئے وہابیت کا ایٹم بم چلانا شروع کر دیا۔ جس کی "ہلاکت آفرینی" کا حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اپنے "نقش حیات" میں یوں اعتراف کرتے ہیں:

"عوام میں اس قدر نفرت نام تو اہب سے پھیلانی گئی۔ کہ شرک و کفر۔ عیسائیت و یہودیت ہندویت و بت پرستی سے مسلم عوام کو اتنی نفرت نہیں

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہما اللہ تعالیٰ علیہم کی بعض تحریروں کو سیاق و سباق سے الگ کر کے اور ان کا علیہ بگاڑ کر ایک رسالہ

"حسام الحرمین علی عنق اہل الکفر والمین"

کے نام سے ان حضرات کے خلاف مرتب کیا۔ اور لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنے اور ان حضرات کے خلاف نفرت پھیلانے کی غرض سے اولاً حضرات کو اس رسالہ میں وہابی ظاہر کیا۔ اور بعدہ ان کی مسخ کردہ تحریروں کو پیش کر کے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کیا۔ اور بڑے دجل و فریب سے اس پر علمائے عرب کے دستخط بھی حاصل کر لئے۔ علماء حرم چونکہ پہلے سے ہی وہابیوں کے زخم خوردہ تھے۔

اور ان حضرات کی اصل کتابوں سے جو اردو میں تھیں اور جن کے حوالہ جات اس رسالہ میں درج تھے۔ واقف نہ تھے۔ اس لئے وہ وہابیت کے فریب میں جلد آ گئے اور رسالہ حسام الحرمین پر اصل کتب دیکھے بغیر محض مولوی احمد رضا خاں صاحب کے بیان پر اعتبار کرتے ہوئے فتویٰ کفر کی تصدیق کر کے اس پر دستخط ثبت کر دیئے۔ علمائے حرم کو مولوی احمد رضا خاں صاحب نے کس طرح فریب دیا۔ اس کی تفصیل حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے "نقش حیات" اور ان کے رسالہ "الشہاب الثاقب علی المشرق الکاذب" یا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی کے رسالہ "الہند علی المفند" میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اس فتویٰ کفر کے اجراء سے ملک کے سنجیدہ طبقہ کو بہت ہی صدمہ پہنچا۔ بعض مقامات پر فتنہ و فساد بھی ہوا۔ بعض حضرات یہ امید لگائے بیٹھے رہے کہ اس کی تردید میں دربار اشرفیہ سے کوئی حلد اعلان شائع ہوگا۔ مگر حضرت تھانوی نے مذکور انصہر احکام قرآنی کے تحت اس جماعت کی اختراء پر دازیوں کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہ دی۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ لوگ اس شر انگیزی کے لئے فطرتاً مجبور اور روز ازل سے مامور ہیں۔

۱۲۳
ہوئی۔ جتنی کہ وہابیت سے ہوتی مجھ کو بخوبی یاد ہے۔ کہ غالباً ۱۹۲۵ء یا اسی کے قریب زمانہ میں پنجاب کے اخباروں میں ایک واقعہ چھپا تھا کہ کسی گاؤں کا امام وہاں کے ایک ہندو بننے کا مقروض تھا۔ قرضہ بڑھ گیا تھا۔ بننے نے تقاضا کیا۔ اور آئندہ قرض دینا بند کر دیا۔ امام صاحب نے اس کو سمجھایا۔ مگر وہ بنیا نہ مانا۔ اور کہا کہ جب تک پہلا قرضہ ادا نہ کر دو۔ میں تم کو کچھ قرض نہ دوں گا۔ امام صاحب دھمکی دے کر چلے گئے۔ اور مسجد میں بعد نماز جمعہ اعلان کر دیا کہ فلاں بنیا وہابی ہو گیا ہے۔ اس سے کسی قسم کا معاملہ خرید و فروخت آمد و رفت جائز نہیں رہی۔ تمام باشندگان دیہہ نے بنیاء کا بائیکاٹ کر دیا۔ بنیاء بیچارہ دن بھر دکان پر ہاتھ پر ہاتھ دھڑے بیٹھا رہتا تھا۔ اور کوئی اس کی دکان پر نہ آتا تھا۔ اس نے بعض لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ امام صاحب فرماتے ہیں۔ کہ تو وہابی ہو گیا ہے۔ اس لئے ہم تم سے لین دین نہیں کر سکتے بالآخر اس بننے نے جا کر امام صاحب سے صلح کر لی۔ تو امام صاحب نے اگلے جمعہ اعلان کر دیا کہ بننے نے وہابیت سے توبہ کر لی۔ اب لین دین جاری کر دو۔ چنانچہ بازار کھل گیا۔ خیال کیجئے۔ کہ بننے کا ہندو اور بت پرست مشرک ہونا تو لین میں حارج نہ تھا۔ مگر وہابی ہونا حارج ہو گیا۔"

(ص ۱۲۳ و ص ۱۲۵)

بریلوی حملہ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے اصلاحی جہاد سے چونکہ ارباب بدعت کے ایوان اقتدار میں ایک زلزلہ سا آ گیا تھا۔ اور ان کے حلقوں میں ایک کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ اس لئے بریلویوں کے اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حضرت تھانوی کی روز افزوں محبوبیت و مقبولیت اور آپ کے تجدیدی کارناموں کی اہمیت و افادیت کو مٹانے کے لئے یہ چال چلی کہ حضرت تھانوی کے رسالہ "حفظ الایمان" کے دو فقروں اور آپ کے اکابر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

میدان سے فرار
ایسے سنگین فتویٰ کے اجراء پر حضرت تھانوی کی خاموشی نے ایک طرف
تو آپ کے مخالفین و معاندین کو زیادہ شہ انگیزی کا موقع دیا۔ دوسری طرف نا فہم
لوگ یہ سمجھنے لگے کہ شاید یہ حضرات ان اعتراضات کا جواب دینے سے عاجز ہیں۔
اس پر حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری نے مولوی احمد رضا خاں کے
اتہامات کا معقول جواب شائع کیا۔ جس کی تردید اس ساری جماعت کو آج تک
ہمت نہ ہوئی۔ مگر اس نے اپنی خفت مٹانے کے لئے یہ عذر کیا کہ:
"مولوی اشرف علی تھانوی جن کی ہار جیت علمائے دیوبند و دہلی کی ہار
جیت ہوگی۔ ہم سے مناظرہ کریں یا ہماری تحریروں کا جواب دیں۔ مولوی مرتضیٰ
حسن ہمارے مخاطب نہیں۔"

گواہ حضرت تھانوی ایسے مناظروں کو پسند نہ کرتے تھے مگر اتمام حجت
کے لئے آپ تحریر و تقریر کے لئے تیار ہو گئے۔ بلند شہر میں مناظرہ ٹھہرا۔ آپ
نے مولوی احمد رضا خاں صاحب کو اپنے دستخطی لکھ بھیجا کہ میں آپ سے مناظرہ
کرنے کو تیار ہوں۔ اگر آپ کو منظور ہو تو مطلع فرمائیے۔ مگر مولوی احمد رضا خاں
صاحب حوصلہ چھوڑ بیٹھے۔ اور حضرت تھانوی کو خط کا جواب دینے کی بجائے
منتظمین مناظرہ کو ایک بے سرو پا خط لکھ مارا۔ اور مناظرہ سے پہلو تہی کی مگر
مستلشیان حق نے مولوی احمد رضا خاں کو پیچھا چھڑانے کی اجازت نہ دی۔ اور بالآخر
مراد آباد میں حضرت تھانوی اور مولوی احمد رضا خاں کا مناظرہ قرار پایا۔ چونکہ
حکومت انگریزی وقتاً فوقتاً سیاسی اغراض اور انتشار پیدا کرنے کیلئے اس جماعت کا
تعاون حاصل کرتی رہتی تھی۔ اس لئے اسے اس کی از حد خاطر مطلوب تھی۔ اور
آڑے وقتوں میں وہی ان لوگوں کو اپنے "سایہ عاطفت" میں پناہ دیتی تھی۔ جب
مولوی احمد رضا خاں صاحب اور ان کی جماعت نے دیکھا کہ دیوبندی کسی طرح پیچھا
نہیں چھوڑتے۔ تو انہوں نے چالاکی سے پولیس میں اطلاع کر دی کہ اہل دیوبند فساد

کرائے آئے ہیں۔ جس پر حکومت نے مناظرہ کی مناسبت کر کے مولوی احمد رضا خاں
کو مناظرہ کی مصیبت سے بچا لیا۔ اور اس طرح انہوں نے مجدد الملت کے سامنے
آنے کی بجائے راہ فرار اختیار کی۔ اس سلسلہ میں جو خط و کتابت اور اشتہار و اعلان
شائع ہوئے۔ ان کی تفصیل رسالہ "قاہمۃ الظہر فی بلند شہر" میں ملاحظہ کی جاسکتی
ہے۔

انکشاف حقیقت

جماعت بریلویہ کے اعلیٰ حضرت کی اس گریز پائی نے گواہ کے دجل و فریب
کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا تھا۔ اور انکے کذب و افترا کی قلعی کھل گئی تھی۔ مگر
متذہبین کی ابھی تک تسلی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب
چاند پوری نے بڑی دانائی سے کام لیتے ہوئے انکشاف حقیقت کے لئے حضرت
تھانوی کی خدمت میں مندرجہ ذیل استفسار نامہ بھیجا:

بخدمت اقدس حضرت مولانا المولوی الحافظ الحاج الشاہ اشرف علی صاحب

فیہ فیکم العالیہ

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی یہ بیان
کرتے ہیں اور حسام الحرمین میں آپ کی نسبت لکھتے ہیں کہ آپ نے "حفظ
الایمان" میں کسی تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا علم جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ ایسا ہر بچے اور پاگل بلکہ ہر جانور اور چار پائے کو حاصل ہے۔
اسلئے امور ذیل دریافت طلب ہیں:

۱۔ آیا آپ نے "حفظ الایمان" میں کسی کتاب میں ایسی تصریح کی ہے؟

۲۔ اگر تصریح نہیں۔ تو بطریق لزوم بھی یہ مضمون آپ کی کسی عبارت سے نکل
سکتا ہے؟

۳۔ آیا ایسا مضمون آپ کی مراد ہے؟

مسلمان سمجھتے ہیں یا کافر؟
بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفا عنہ (بط البنان ص ۳)

حضرت تھانوی نے اس کا یہ جواب لکھا:
 مشفق کرم سلمہ اللہ تعالیٰ
 السلام علیکم آپ کے خط کے جواب میں عرض کرنا ہوں کہ میں نے
 اور لکھنا تو درکنار میرے قلب میں

۱۔ یہ خبیث مضمون کسی کتاب میں نہیں لکھا۔ اور لکھنا تو درکنار میرے قلب میں بھی اس مضمون کا کبھی خطرہ نہیں گزرا۔

۲۔ میری کسی عبارت سے یہ مضمون لازم بھی نہیں آتا۔ چنانچہ اخیر میں عرض کروں گا۔

۳۔ جب میں اس مضمون کو غیث سمجھتا ہوں اور میرے دل میں بھی اس کا خطرہ کروں گا۔

نہیں گزرا جیسا کہ اوپر معروض ہوا۔ تو میری گزارش یہ ہے کہ

۴۔ جو شخص ایسا اعتقاد رکھے۔ یا بلا اعتقاد صراحتہ یا اشارہ یہ بات کہے۔ میں اس

شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے۔ خصوصاً طبعی کی اور

تتقصص کرتا ہے۔ حضور سرور عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

تفصیل (رہتا ہے)۔ سورہ شوریٰ ۱۱۰۔ اب آخر میں اس جواب کی تفسیر

یہ تو جواب ہے آپ کے سوالات کا اب اس میں اس کی عبارت کی مزید توضیح

لیکے مناسب سمجھتا ہوں کہ رسالہ "حفظ الایمان" کی اس مبارک تریسرید کو

ہوں۔ جس کی بناء پر مجھ پر یہ تہمت لگانی لسی ہے۔ حالانکہ وہ خود واضح ہے۔ اول

نے دعویٰ کیا ہے کہ علم غیب جو بلا واسطہ ہو۔ وہ خاص ہے۔ حق تعالیٰ کے

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مخلوق کو عالم الغیب سے مخلوق کو سکھاتا ہے۔ اس سے مخلوق کو عالم الغیب

تھ۔ اور جو بواسطہ ہو۔ وہ مخلوقیں ہی ہو سکتا ہے۔ ان کے کون موہام آئیے

جائز نہیں۔ اور اس دعویٰ پر دو دلیلیں قائم ہیں۔ وہ عبارت دوسری دلیل کی

جہاں اس لفظ سے شروع ہوتی ہے:-

"سبح کے آداب کی ذات مقدسہ" مطلب میرے آپ کی ذات مقدسہ پر

”پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر“ مطلب یہ ہے کہ آپ کی ذات مقدسہ پر

اگر ایسا کی جگہ لفظ اتنا ہوتا۔ تو پھر بات قابل گرفت ہو سکتی تھی۔ مگر آپ

نہ لفظ اتنا نہیں فرمایا۔ جس کا فرق ظاہر و باہر ہے۔ کیونکہ برابر ہی مقدار میں اتنا

ہے۔ لفظ انا میں فرمایا۔ جس کا معنی ظاہر و باہر ہے۔ سیویدہ برابر میں صفا میں اس
 کے معنی ہیں۔ لفظ انا میں نہں۔ یہ حال اس کے اتنا تو حال ہے کہ اس

میں ہو سکتی تھی۔ لفظ ایسا میں نہیں۔ بہر حال اس سے اتنا نوعیاں ہے کہ اس

جماعت کو حضرت تھانوی کی سینکڑوں تصنیفات اور ہزاروں ملفوظات میں اور

کوئی ایسی تحریر نہ مل سکی۔ جس سے تبلیغ و تفسیر کا کام لیا جاسکتا۔ لے دے۔

اس کے ہاتھ میں صرف یہی ایک۔۔۔۔۔ ایسی سطر آسکی۔ جس کو تلب

ساق، وساق سے الگ کر کے لوگوں کو دھوکا دیا گیا۔ اور کفر کا فتویٰ صادر کیا

سیاح و سبای سے الگ کر کے ٹوکوں کو دیکھ دیا گیا۔ اور سرگرمی سے

اور اسے وہاں بیت لے چوھے میں مزین کر لے مں مں لولوں کو فریب دیا لیا۔

book

100

وجہ تا حیر

مذکورہ بالا جواب کے اخیر میں یہ لکھتے ہیں کہ:

مدتِ نوره بالا بواجب کے اسیریں یہ کہیں نہ۔

"میں نے اب تک ایسی لغویات لے جواب دیے کی طرف التفات

کیا تھا۔ کیونکہ تجربہ سے اس پر کوئی معتد بہ نفع مرتب نہ ہونے کی وجہ سے

اضاعت وقت سمجھتے ہو، اب جو آپ نے طریقہ سے یوحنا۔ تو میں۔

اصاحت و ملت بھتا ہوں۔ اب جو آپ کے سر پر چھائی ہوئی ہے

معلومات ظاہر کر دیئے۔ اس سے یہ شبہ بھی مہیں ہو سکتا۔ کہ اب تک

لکھا۔ شاید اب رجوع کر لیا ہو۔ سو وجہ نہ لکھنے کی یہی تھی کہ کسی نے بھلے

طرح پوچھا ہی نہ تھا۔ باقی رجوع تو وہ ہے کہ جو پہلے اور قول اور عقیدہ ہو۔ اور اب اس کو ترک کر کے دوسرا عقیدہ اور قول اختیار کیا ہو۔ بفسندہ تعالیٰ میرا اور میرے سب بزرگوں کا ہمیشہ سے آپ کے افضل الخلوقات فی جمیع الکمالات الطبیہ و العلویہ ہونے کے بارے میں یہ ہے کہ

"بعد از خدا بزرگ توئی و من بعد از تو"

(بسط البنان ص ۹)

وہابیت کی تہمت

مولوی احمد رضا خاں صاحب ماشاء اللہ عالم تھے۔ گو ان کا شمار ایسے علماء کے زمرہ میں لکھا جاتا ہے۔ جن کا اپنے علم پر عمل نہیں تھا کیونکہ مولوی احمد رضا خاں "لعنة الله على الكاذبين" کی حقیقت سے لاعلم نہ تھے۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ خدا کی بھیجی ہوئی لعنت کا اثر سات پشت تک رہتا ہے مگر اس علم کے باوجود انہوں نے بہت بڑے تاریخی جھوٹ سے کام لیتے ہوئے حضرت تھانوی پر وہابیت کی تہمت لگائی۔ حالانکہ وہ غوی جانتے تھے کہ:

۱- حضرت تھانوی کو محمد بن عبد الوہاب فرقہ وہابیہ سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔

۲- وہابی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت کے لئے سفر ممنوع قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت تھانوی اسے ضروری قرار دیتے ہیں۔ بلکہ اس شرف سے خود بھی مشرف ہو چکے تھے۔

۳- وہابی توسل بالانبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بعد الوفا حرام قرار دیتے ہیں۔ مگر حضرت تھانوی اسے نہ صرف جائز اور مفید سمجھتے تھے بلکہ اقرب الیہا بت قرار دیتے تھے۔

۴- وہابی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور حضرت تھانوی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر ادب

و عقیدت کا اظہار فرماتے تھے کہ ظاہر بینوں کو غلو و مبالغہ کا احتمال ہوتا تھا۔ ویسے ہی حضرت تھانوی کی تصنیف لطیف "نشر الطیب" اور "زاد السعید" اس پر شاہد عدل ہے۔

۵- وہابی تصوف و طریقت ذکر و شغل وغیرہ کے منکر ہیں۔ اور حضرت تھانوی ان امور کے جامع اور مجدد تھے۔

۶- وہابی تقلید شخصی کے بالکل قائل نہیں مگر حضرت تھانوی سلف صالحین کی اتباع اور مجتہدین کی تقلید شخصی کے قائل و عامل تھے۔

کفر کا فتویٰ

مزید براں مولوی احمد رضا خاں صاحب کو اس بات کا غوی علم تھا کہ غیر مستحق کی تکفیر کرنا اپنے کفر کا اثبات کرنا ہے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ اگر تکفیر و لعن کسی غیر مستحق کی طرف عائد کی جائے گی تو وہ اس پر لوٹ آئے گی۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے دیدہ دالستہ ایک بے بنیاد احتمال پر ناحق حضرت تھانوی اور ان کے اکابر پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ جن کا بارہ میں اپنا مسلک یہ تھا کہ

اگر کسی کے کلام میں ہزار احتمال ہوں۔ جن میں سے نو سو نساوے احتمالات کفریہ ہوں اور صرف ایک احتمال ایمان کا ہو۔ تو اس کی تکفیر جائز نہیں۔" (مکتوب احوال و اقلوب)

تنگ نظری اور وسوسہ خیالی کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے لیکن

جب حضرت تھانوی نے:

۱- اس عبارت کی خود وضاحت کر دی۔ جس کی بناء پر کفر کا فتویٰ صادر کیا گیا تھا۔

کہ اس کا وہ مطلب ہرگز نہیں جو مولوی احمد رضا خاں صاحب سمجھتے ہیں۔

۲- اور اس مضموم کو جو مولوی احمد رضا خاں نے لیا۔ غیث کہا اور اس عقیدہ کا

صریحاً انکار و ابطال کیا۔ بلکہ
۳۔ ایسے عقیدہ رکھنے والے کو خارج از اسلام کہا۔

شرافت کا تقاضا

تو شرافت کا تقاضا یہ تھا کہ مولوی احمد رضا خاں اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیتے اور آئندہ کے لئے اس کی نشر و اشاعت ممنوع قرار دیتے اور اپنی جماعت سے سختی کے ساتھ اس کی پابندی کراتے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ حضرت تھانوی کے متذکرہ صدر اعلان کے بعد خود مولوی احمد رضا خاں کی موجودگی میں ان کی زیر نگرانی رسالہ حسام الحرمین کی نشر و اشاعت ہوتی رہی۔ اور ان کی جماعت آج تک اپنے "اعلیٰ حضرت" کی سنت ادا کرتے ہوئے بدستور حضرت تھانوی اور آپ کے اکابر کو کافر اور وہابی کہے جا رہی ہے اور وہی فتویٰ ہر سال از سر نو شائع کرا کر اپنے جلسوں میں تقسیم کرتی رہتی ہے۔ چنانچہ اس سال (۱۳۷۴ھ) جبکہ یہ سطور لکھی جا رہی تھیں۔ پنجاب کے مختلف شہروں میں ایک پمفلٹ بعنوان "دیوبند مولویوں کے عقیدوں کی کہانی۔ دیوبندی مولویوں کے پیشواؤں کی زبانی" بانٹا جا رہا تھا۔ جن میں انہی باتوں کا اعادہ کیا گیا ہے۔ جو فتویٰ کفر کی بنیاد بنائی گئی تھیں اور جن کی خود ان بزرگوں نے توضیح با تردید عرصہ سے کردی ہوئی ہے۔ جن سے وہ منسوب ہیں۔ آخر یہ خیانت و شقاوت نہیں تو اور کیا ہے کہ اپنا دین و ایمان ضائع کر کے اور اپنی عاقبت خراب کر کے ایک بے گناہ اور بے قصور انسان کو مستہم کیا جائے۔

یہ عقل و دانش بیاید گریست

مسک اشرف

قرآن کریم نے اس جماعت کے متعلق جن الفاظ میں خبر دی تھی متذکرہ

بالا واقعات نے اس کی حرف بہ حرف تصدیق کر دی اور اس کے مقابلہ میں جو طریق کار اختیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس پر حضرت تھانوی نے پورا پورا بلکہ ضرورت سے بھی زیادہ عمل فرمایا۔ چنانچہ آپ رسالہ "حکایات الشکایات مع روایات الحکایات" کے دیباچہ میں اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک مدت سے مجھ پر عنایت فرماؤں کی طرف سے بے جا اعتراض کی بوچھاڑ ہے جس میں اکثر کا سبب تعصب و تحرب ہے اسکے جواب کی طرف احقر نے اس لئے کبھی التفات نہیں کیا کہ میں ان اعتراضوں کو قابل التفات نہیں سمجھتا۔ نیز یہ بھی خیال ہوا کہ آج کل جواب دینا قاطع اعتراضات نہیں ہوتا۔ بلکہ کلام اور زیادہ مطول ہو جاتا ہے۔ جس سے وقت بھی ضائع ہوتا ہے۔ اور غایت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ تیسرے مجھ کو اس سے زیادہ اہم کام اس کثرت سے رہا کئے کہ اس کام کیلئے مجھ کو وقت بھی نہ مل سکتا تھا۔ چوتھے میں نے جہاں تک دل کو ٹٹولا ایسے اعتراضات کا جواب دینے میں نیت اچھی نہیں پائی۔ میں اہل خلوص کو تو کھتا نہیں۔ مجھ جیسے مغلوب النفس کی نیت تو زیادہ یہی ہوتی ہے کہ جواب نہ دینے میں معتقد کم ہو جائیں گے۔ شان میں فرق آجائے گا۔ جس کا حاصل ارضاء عوام ہے۔ سو مجھ کو طبعاً اس مقصود یعنی ارضاء عوام سے غیرت آتی ہے۔ باقی بعض محبین کی یہ توجیہ کہ اعتراض سے عام مسلمانوں کو بدگمانی کا گناہ ہوتا ہے تو جواب سے ان کا اس گناہ سے بچانا ہے۔ تامل کے بعد یہ توجیہ برائے گفتن ہی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ مسلمان دوسرے ہزاروں گناہوں میں مبتلا ہیں۔ ان سے بچانے کا اس قدر اہتمام کیوں نہیں کیا جاتا۔ نیز دوسرے علماء حقانی سے اگر ایسی ہی بدگمانی ہو جائے تو اس کے رفع کرنے کا وہ اہتمام نہیں ہوتا۔ جو اپنے نفس یا اپنے کسی معتقد فیہ کیلئے ہوتا ہے۔ بلکہ اس قدر تو کیا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اوقات تو اگر ان بزرگوں سے چشمک ہوتی ہے تو نفس میں ایک گونہ سرور پایا جاتا ہے۔ کہ اچھا ہوا۔ انکی ذرا رسوائی تو ہوئی۔ تدین کا مقتضی تو یہ تھا کہ اگر اپنے یا

۱۳۳
اپنے اکابر کے کسی مخالفت سے بھی کسی کو بے جا بدگمانی ہو۔ تو اس کے رفع کرنے کیلئے ویسا ہی اہتمام ہو۔ جیسا اپنے یا اپنے اکابر کے لئے ہوا ہے۔ پھر اس توجیہ کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے۔ اور خیر اگر اپنے کسی بزرگ کے لئے ایسا اہتمام کرے۔ تو اس کو نصرت مظلوم میں بھی داخل کر سکتے ہیں۔ جو کہ طاعت ہے۔ مگر اپنے نفس کے لئے ایسا کرنا تو کوئی طاعت بھی نہیں۔ گویا جہاد ہو۔ مگر ممکن ہے کہ کسی کو بعض جائز سے بھی طبعاً انقباض ہوتا ہو۔ چونکہ اعتراض کو اس سے انقباض ہوتا ہے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے عوام کی خوشامد کی جارہی ہو۔ کہ ہم سے ناراض نہ ہونا۔ ہم کو براست سمجھنا۔ ہماری برائی تم سے غلطی سے ہو گئی ہے۔ سو جہاں کوئی دینوی ضرورت ہو۔ وہاں تو ایسا کرنا مضائقہ نہیں۔ اور جہاں یہ بھی نہ ہو۔ تو انسان کیوں تعب میں پڑے۔ اور قلیل منافع مالیہ یا قوت جاد یہ کوئی معتد بہ ضرر نہیں۔ جس کے لئے اتنا اہتمام کیا جاوے۔ یہ ہے میرا مذاق اس مسلک میں۔ پس ان وجوہ سے میں نے اس کا کبھی قصد نہیں۔ اور نہ اپنے مخصوصین کو اس کی اجازت دی۔ ہاں اگر کسی محض بے تعلق شخص نے بدوں مجھ سے مشورہ لینے ہوئے کبھی جواب دیا۔ تو نفس کو سرور ضرور ہوا۔ مگر پوچھنے پر مشورہ بھی نہیں دیا۔"

مخالفین کی رعایت

یہاں پر بجا طور پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ متذکرہ بالا مسلک پر قائم رہتے ہوئے رسالہ "حکایات الشکایات" لکھنے کی کیوں ضرورت پیدا ہوئی؟ اس کا جواب سونے پر سہاگہ کا مصداق ہے۔ اس کا جواب خود اسی رسالہ میں موجود ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

"آج کل بعض جو اعتراضات مجھ پر کئے جا رہے ہیں۔ ممکن ہے بعض معتدین و موافقین کو اب تک ان اعتراضوں کا علم نہ ہو اور وہ اس لاعلمی کی وجہ سے میرے معتقد ہوں اور اگر علم ہو جاتا۔ تو معتقد نہ رہتے۔ تو گویا زمانہ بقاء عقیدت

تک وہ دھوکا میں رہے اور دھوکہ سے مسلمانوں کو بچانا ضروری ہے۔ جیسا کسی تاجر کے سودے میں کوئی کھوٹ ہو۔ تو ظاہر کر دینا ضروری ہے۔ لیکن اگر تاجر کے علم میں وہ کھوٹ نہ ہو۔ لیکن بعض مشترکین کے زعم میں ہو۔ تب بھی گو شرعاً اس کا اظہار واجب نہیں لیکن خوش معاملگی اور صفائی کا کمال۔ پھر اسی کو مقتضی ہے کہ ایسے امر کو بھی مع اپنی تحقیق کے دوسرے مشتری کے سامنے ظاہر کر دے تاکہ وہ دونوں قولوں کو سن کر آزادی سے رائے قائم کر کے خریدنے نہ خریدنے میں متار رہے۔ لہذا مناسب ہوا کہ چند ایسے اعتراضات نقل کر کے اپنے نزدیک جو ان کی حقیقت ہے۔ اس کو بھی لکھ دیا جائے۔ تاکہ دیکھنے والے دونوں کو دیکھ لیں۔ پھر جس کا جی چاہے۔ احقر سے تعلق پیدا کرے یا رکھے اور جس کا جی چاہے تعلق نہ کرے یا نہ رکھے۔ ضمناً یہ بھی مصلحت ذہن میں آئی کہ بعض لوگ واقعی حق کے طالب ہوتے ہیں۔ اور اصل واقعہ معلوم نہ ہونے یا اسکی حقیقت نہ سمجھنے سے تردد میں پڑ جاتے ہیں۔ اور وہ خلوص کے ساتھ تردد کو رفع کرنا چاہتے ہیں۔ ایسوں کا تردد رفع کرنا ہدایت کا ایک شعبہ ہے۔ جو کہ طاعت ہے۔ سو ساتھ ساتھ یہ طاعت بھی ادا ہو جائے گی۔ پس اس عجالہ مختصرہ میں ان مضامین کو اس ترتیب سے لکھا جاوے گا کہ اول ایک وہ مضمون جو مبنی ہے اعتراض کا بعنوان حکایت لکھوں گا۔ پھر معترض کے اعتراض کو بعنوان شکایت نقل کروں گا۔ پھر اپنے نزدیک جو اس کی حقیقت واقعہ ہے۔ بعنوان درایت لکھ کر ختم کر دوں گا۔ و قس علی هذا اس طرز سے اظہار واقع سنت حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہے

کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي قِصَّةِ يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَيَّ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِلَى قَوْلِهِ وَمَا أُبْرِي نَفْسٍ۔ الْاِتِّبَہ

یعنی مقصود بالذات اس اظہار سے اپنا تبریہ یا تزکیہ نہیں۔ گو برات مطابق واقع کے بھی ہے۔ بلکہ دوسرے مصلح دینیہ سے اس کا اظہار کیا جاتا ہے۔

پھر اپنے سے تہمت رفع کرنا سنت بھی تو ہے۔ پس اس وقت اپنی تین

حالتیں پیش نظر ہیں:

ایک مجبین کی علامت اور مخالفین کا اعتراض۔
دوسرے ان سب اعتراضوں کا جن کو دوسرا عیب جو مدتوں میں چھانٹتا۔
از خود ایک جگہ جمع کر دینا (تاکہ اسے میرے عیب تلاش کرنے میں تکلیف نہ ہو۔)
تیسرے اس جمع کرنے میں یہ نیت کہ جس کا ہی جا ہے تعلق رکھے۔ جس
کا جی چاہے نہ رکھے ان تینوں حالتوں پر تین شعر بے ساختہ دیکھیں آئے ہیں۔

اول کے متعلق مومن خاں کا شعر

دوست کرتے علامت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

ثانی کے متعلق اس غزل کا دوسرا شعر

میں گلہ کرتا ہوں اپنا۔ تو نہ سن غیروں کی بات
ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

ثالث کے متعلق غالب کا شعر تبصرہ سیر

ہاں وہ نہیں وفا پرست - جاؤ۔ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز۔ اس کی گلی میں جائے کیوں

ایک عجیب اہتمام

حضرت تھانوی بقول مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی:

"محض نور کے بنے ہوئے اور تقدس کے سانپے میں ڈھلے ہوئے کروبیوں
میں نہیں۔ آب و گل سے ترکیب پائے۔ انسانی دل اور بشری جذبات رکھنے
والے انسان تھے۔" (حکیم الامت ص ۲۴)

اس لئے آپ نے اپنی تحریروں میں سو و خطا کی جانچ پر مثال کرانے کے
لئے اہل علم و دیانت ناقدین کی ایک جماعت اس غرض کے لئے معین کر دی تھی

"میری تمام تحریرات کو نظر تنقید سے دیکھ لیا کرے۔ جو ان کی رائے میں
قابل اشاعت نہ ہوں۔ ان کو یا حذف کر دیں یا ان پر نشان لگا دیں تاکہ ان کو کوئی
شائع نہ کرے باقی اگر کوئی خاص مکتوب الیہ کسی خاص مضمون کا جواب بطور خود
بدوں یہاں کے علم کے شائع کر دے۔ تو وہ اختیار سے خارج ہے۔ اب اگر کوئی
مضمون جو ناظرین کے نزدیک مہم ہو۔ یہاں سے شائع ہو۔ تو اس کے متعلق خط و
کتابت بجائے میرے بنام "جماعت انتخاب التالیف تھانہ بھون" فرمانا مناسب
ہے۔"

(اشرف علی تھانوی عفی عنہ آخر جمادی اولیٰ)

عفو عام

حضرت تھانوی کے مخالفین و معاندین کی طرف سے چونکہ ان بے بنیاد
اتهامات و اعتراضات کی نشر و اشاعت اس لئے کی گئی تھی کہ لوگ آپ سے
مستفید و مستفیض ہونے کی بجائے آپ کو سب و شتم کریں اور حضرت تھانوی کو
خلاق کی خوشنودی مطلوب تھی۔ اور نہ آپ کسی کو تکلیف میں مبتلا ہونا دیکھ سکتے
تھے بلکہ آپ کا مقصد زندگی ہی راحت رسانی خلق تھا۔ اس لئے آپ نے رسالہ
حکایات الشکایات کے اخیر میں اعلان کر دیا کہ:

"ان مضامین (اعتراضات) سے جو کچھ تشویش عوام میں ہوئی۔ اس کا
حاصل مجھ کو سب و شتم کرنا تھا۔ بحمد اللہ کسی مقصود دینی میں کوئی اختلال واقع نہیں
ہوا۔ سوا اپنے سب و شتم کو بالکل عفو حق سب کو معاف کرتا ہوں۔"

اور ایک دوسرے اعلان کے ذریعہ جس کا ذکر سیرت کے حصہ دوم باب
العوادات میں گزر چکا ہے۔ آپ نے ان لوگوں کو بھی معاف کر دیا تھا۔ جو آئندہ
ایسی افتا پردازیوں اور کذب بیانیوں کے مرتکب ہوتے رہیں گے۔ تاکہ

سیاسی بہتان
دیکھو، انہوں نے عہدہ آجپہلے سیاسی قائدین کے لئے ہی نہیں بنایا تھا۔

فرمان ہے کہ سزا آتی ہے۔ جو میں نے اس کے ہی میں آگاہ کیا تھا۔ اور عوام
میں آپ کے حکمت بہ گناہوں پہنچا رہا تھا۔ اس پر بعض حضرات نے آپ سے
اس سزا کی توبہ کے متعلق بھی کوئی قرعہ خارج کرانے کی درخواست کی۔ اور اس کی
مصلحت بہ مرض کی کہ انہی ائمہ اربعہ میں سے آپ کی ذات کو تو نقصان نہ پہنچے
گا۔ لیکن بہ گناہوں پہنچنے والوں کا وہی ایمان خراب ہو گا۔ اس پر آپ نے

تہ فوطہ کو مسطوم ہے کہ وہ سب باقیں غلط ہیں۔ نہ میں لکھتا ہوں غلطی کا

یہاں اللہ کا کہ میرے بعض متعلقین حضرت اسی سرور کے حالت میں سو
اس کا جواب ہے کہ میرے کسی متعلق نے حضرت کی شان میں نہ حقیرا کوئی

اس کا جواب ہے کہ میرے کسی مشفق نے حضرت کی شان میں نہ حقیرا کوئی

۱۳۰
گستاخی کی اور نہ قریر آور اگر کوئی ایسا کرتا۔ تو میں عمر بھر کے لئے اس سے قطع
تعلق کر لیتا۔ بعض لوگوں نے یہ تہمت بھاری (مولانا) مولوی ظفر احمد و (مولانا)
مولوی حبیب احمد کی تقریرات پر رکھی ہے۔ مگر ان کی عبارتیں حضرت اقدس کے
ساتھ شدت عقیدت و غایت احترام کو ظاہر نہیں ہیں۔ مثلاً آخری پیام میں وہ
دونوں لکھتے ہیں کہ "ہم نے اپنی متعدد تقریروں میں ان کو صاف کر دیا ہے کہ
نہ ہم کو حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ کے کسی مخالفت ہوئی اور نہ
اب ہے بلکہ ہم ان کے ساتھ حسن عقیدت کو اپنے لئے ذریعہ بناتے رہتے ہیں۔"
نیز یہ بھی غلط ہے کہ میں گورنمنٹ سے تنخواہ پاتا ہوں اگر کسی نے اس کا
کوئی ثبوت ہو تو میں عام طور پر ہر شخص کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ پیش کرے۔ اگر کوئی
اگر وہ پیش نہ کر سکے اور یقیناً نہیں کر سکتا تو اس کو چاہیے کہ توہ کرے۔ اگر کوئی
اسے ان امور میں مہابہ کرنا چاہے۔ تو میں مہابہ کر سکتا ہوں۔ مگر میں اپنی طرف سے
کسی ایسے اعلان کی ضرورت اس لئے نہیں سمجھتا کہ لوگوں کا میرا معتقد ہونا یا معتقد
رہنا وہی میں ضروری نہیں۔ اہل حق میں سے جس کے بھی نتیجہ ہو جائیں۔ ان کے
لئے کافی ہے۔" (النور ماہ جمادی الاخر ۱۳۳۹ھ) اور اصل آپ کو گورنمنٹ برطانیہ
کا ایجنٹ مشورہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ

حضرت تھانوی ہی پاکستان بننے کے سب سے زیادہ اور اولین
خواہاں تھے۔

مسلمانوں کے لئے بڑے واجب الاحترام لیڈروں کی موافقت کے
بدون آپ مسلمانوں کے کاموں میں داخل ہونے کے سخت مخالفت تھے۔
آپ قائد اعظم کی دینی تربیت فرما رہے تھے اور مسلم لیگ کی حمایت
کے قائد اعظم کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ جس کا قائد اعظم نے اعلیٰ درجوں
پر فخر اظہار فرمایا تھا۔ بلکہ داسرا نے ایک سے بھی ذکر کیا تھا۔ تا کہ قائد اعظم کے
لیگ مفاد کو نقصان پہنچایا جائے جس کی تفصیل اگلے ابواب میں آرہی ہے۔

دینی ضیاع

حضرت تھانوی کے متذکرہ بالا جواب باصواب پر جس کی نظیر مشاہیر کی
تاریخ و کردار میں ملنی مشکل ہے۔ مخلصین نے عرض کیا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ
صمیم ہے لیکن لوگوں کا دین بدگمانیوں۔ افترا پردازیوں۔ سب و شتم سے برباد ہو
رہا ہے۔ جواب شائع ہونے سے اس کا تدارک ہو جائے گا۔ "تو آپ نے فرمایا۔

ازالہ ضیاع

"جب لوگ خود ہی اپنا دین برباد کریں۔ تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ کیا وہ یہ
نہیں سمجھتے کہ کسی بے گناہ پر تہمت لگانا گناہ ہے؟ ضرور جانتے ہیں۔ پھر کیا وہ یہ
نہیں جانتے کہ یہ تمام باتیں جو میری طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ ایسی ہیں جن کا
کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں۔ ضرور جانتے ہیں۔ تو پھر جب باوجود ان باتوں
کہ جانتے ہیں کہ وہ ایسی باتیں جو میری طرف منسوب کرتے ہیں تو گویا وہ قصد آگناہ
ہیں کرتے ہیں۔ تو ایسی حالت میں میں کیا کر سکتا ہوں اگر میں ایسا کروں بھی۔
تو اس کے لئے میں کہ لوگوں میں اچھا ہوں۔ تم مجھے برا نہ کہو۔ سو مجھ کو اس سے
غیر مت آتی ہے۔ بادل ناخواستہ میں گوارا بھی کروں۔ تو اس پر شبہ ہو سکتا
ہے۔ کہ اپنی طرف سے لگایا جاتا ہے۔ اس شبہ کو کیونکر رفع کیا جائے۔ دوسری
بات قابل غور یہ ہے کہ دلایا گیا ہے ہی ناوائی نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں سمجھ دار
مطرات بھی ہیں۔ جو میری حالت کا بخوبی واقف ہیں۔ اور یقیناً جانتے ہیں کہ یہ
تمام باتیں جو میری طرف عوام منسوب کرتے ہیں۔ غلط ہیں۔ اور لوگ ناصح
بدگمالیاں کر کے معاصی میں غلام ہو رہے ہیں۔ پس اگر عوام کے دین کی حفاظت
کی ضرورت تھی۔ تو اس کی تدبیر یہ تھی کہ واقعت حضرات خود ان بدگمانیوں کو
رفع کرتے اور لوگوں کو لطف پہنچاتے۔ اور ان کا ایسا کرنا مفید بھی ہوتا۔ کیونکہ وہ

۱۲۲
بے لوث تھے۔ اور مجھ پر غرض کا شبہ بھی ہو سکتا ہے۔ جس کو میں دور نہیں کر سکتا۔
میرا مقصد یہ نہیں کہ میں ایسا چاہتا ہوں۔ میں نے معاملہ خدا کے سپرد کر رکھا ہے۔
مقصود صرف اس سوال کے جواب میں اس طریق سے اطلاع کر دینا ہے۔ ان وجوہ
سے جو تدارک میرے اختیار میں تھا۔ وہ صرف یہ تھا کہ میں ان تمام لوگوں کو جو
ناحق بدگمانی القرا۔ سب و شتم کر کے گٹھلیوں میں مبتلا ہوئے ہیں معاف کر دوں۔ سو
میں نے دل سے انکو معاف کر دیا ہے۔ اس لیے آگے میرے قبضہ سے باہر
ہے۔" (مواہب ص ۲۸)

شرافت نفس

انہی بہتان طرازیوں کے سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالماجد صاحب
دریابادی نے بھی مورخہ ۱۰ جون ۱۹۳۲ء کو حضرت تھانوی کو حسب ذیل اطلاع
بھیجی کہ:

"پچھلے دنوں جناب والا سے متعلق عجب عجب اتہامات سننے میں آئے۔
ایک صاحب نے ایک مشہور مولوی صاحب کے حوالہ سے بیان کیا کہ جناب نے
یہ فتویٰ دے رکھا ہے کہ جب تک جسم پر ولایتی کپڑے کا کوئی جزو نہ ہوگا۔ نماز
درست نہ ہوگی۔ معاذ اللہ ایک دوسرے صاحب نے بیان کیا کہ آپ نے "بیان
القرآن" سورۃ المائدہ کی آیت

وَلْتَجِدْنَ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَوَاةً

کے تحت میں گورنمنٹ انگریزی کے ساتھ موالات و مودت فرض قرار دی ہے۔
پہلے افترا کی تو زبانی تردید کر کے خاموش رہا۔ اس دوسرے افتراء کی تردید اصل
تفسیر سے اقتباس دے کر اب کی ہفتہ کے پرچہ "سچ" میں کر رہا ہوں۔"

(حکیم الامت ص ۲۲۳)

آپ نے انہیں لکھا کہ:

۱۲۳
"یہ آپ کی محبت ہے۔ مگر مجھ کو تو طبعاً اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اس اتہام
میں نہ ان کا ضرر نہ میرا۔ بلکہ جواب دینے میں ان کا یہ ضرر ہے کہ اب تو وہ اتہام
میں معذور ہیں اور جب وہ جواب پر مطلع ہو کر قبول نہ کریں گے تو عاصی ہوں گے۔
تو ایک مسلمان کو عاصی بنانا کیا فائدہ۔"
ایسے حالات میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ

ہیں مطابق فہم انسانی کے سب اس کے اصول
علم و حکمت کے قریب اور عقل و دانش کے قریب
اور خسرو دربار اشرفیہ یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ
کہیں نہ دیکھا کہیں نہ پایا جمال ایسا کمال ایسا
دکھائے کوئی اگر ہو دعویٰ جمال ایسا کمال ایسا

اختلاف والتفات

بہترین لوگ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:
"تم میں بہترین لوگ وہ ہیں۔ جن کی صورت دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ جن کی بات سے علم میں ترقی ہوتی ہو اور جن کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہو؟"

(جامع الصغیر)

یہ ایک حقیقت نفس الامری ہے کہ اگر تعصب کی صینک اتار کر۔ خالی الذہن ہو کر۔ رنج اور غصہ کے جذبات سے صلحہ ہو کر دیکھا جائے۔ تو یہ تینوں خصوصیات مندرجہ ذیل بزرگوں میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ جن کا نہ صرف مشاہدہ بلکہ اعتراف ظن کثیرہ کو ہے۔

- ۱- حضرت شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ
- ۲- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
- ۳- شیخ الحدیث حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

اعلان جنگ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ جل شانہ، فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے۔ میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے۔" (مشکوٰۃ و بخاری)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

"جو میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے۔ وہ میرے ساتھ مقابلہ کے لئے سامنے آتا ہے۔" (فتح الباری)

صاحب مظاہر حق نے لکھا ہے کہ:

"اللہ سے بندہ کی لڑائی دلالت کرتی ہے۔ اس کے خاتمہ بد ہونے پر۔" حق تعالیٰ نے سود کھانے والوں اور اپنے بہترین لوگوں یعنی اولیاء اللہ کو ستانے والوں کے سوا اور کسی کے خلاف اعلان جنگ نہیں فرمایا۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو ستانا یا انکو برا بھلا کہنا کتنا گناہ عظیم ہے۔

نتیجہ جنگ

اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مذکور الصدر حضرات کے خلاف زبان و طعن دراز کرنے والے اہل علم ہیں جو بوجہ بغض و حسد ان کے اجتہادی اختلافات کو دائمی اہمیت دے کر لوگوں کو ان بزرگوں سے بدگمان کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اے لوگوں کو خبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں آگاہ فرمایا:

"ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ مفلس کس کو کہتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا۔ جس کے پاس مال نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مفلس نہیں ہے بلکہ حقیقتاً مفلس وہ شخص ہے کہ جو قیامت کے دن بہت سی نیکیاں لے کر حاضر دربار ہوگا۔ مگر اس نے دنیا میں کسی پر ظلم کیا تھا۔ کسی کو گالیاں دی تھیں۔ کسی کا مال چھینا تھا۔ قیامت میں روپیہ پیسہ

تو ہے ہی نہیں۔ وہاں تو سارے حساب نیکیوں اور گناہوں سے پورے کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ان مظالم کے بدلے میں اس شخص کی نیکیاں ان لوگوں کو دلائی جائیں گی جن پر ظلم کیا تھا اور انکو برا بھلا کہا تھا۔ اور جب اس شخص کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔ تو بہر حال ان کے تو حقوق کو پورا کرنا ہی ہے۔ اس لئے بقدر ان حقوق کے جس قدر گناہ ان لوگوں کے ورثہ میں آئیں گے۔ وہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے تو اصل مفلس یہ ہے۔ جو بہت کچھ ممانی (ممانہ روزہ اور دینی کاموں کی) لے کر گیا تھا اور ملا یہ کہ دوسروں کے گناہ بھی سر پڑ گئے۔

گویا سوہ خاتمہ کے امکان کے ساتھ ضبط اعمال کی سزا کا بھی امکان ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی صاحب ایمان نہ اللہ تعالیٰ سے جنگ مول لے سکتا ہے اور نہ عاقبت کا یہ خسارہ برداشت کر سکتا ہے۔ اس لئے لازمی طور پر یہ لوگ وہی ہو سکتے ہیں جن کو شیاطین الجن والانس کہا گیا ہے اور حضرت تھانوی کا ایسے لوگوں کو بامید عفو حق معاف کر دینا انہیں یوم حساب کے عذاب سے بچانے سے سعی بلیغ کرنا ہے۔ جو آپ کے "بہترین لوگوں" کے زمرہ سے ہونے کی بے نظیر مثال ہے۔

یورپا گنڈا کا نتیجہ

متذکرہ بالا ہر سہ بزرگوں کے خلاف اشرار کی پھیلائی ہوئی افتر پردازیوں، کذب بیانیوں اور بدگمانیوں سے جن کی تفصیل پچھلے باب میں گزر چکی ہے۔ جہاں عوام دھوکہ کھا بیٹھے تھے۔ وہاں اہل علم بھی پریشان ہو کر اپنے اکابر سے ان کی وضاحت چاہنے لگے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں

۱۔ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان نے حضرت تھانوی سے ان سوالات کا جواب چاہا:

الف: حضرت مولانا حسین احمد صاحب و مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب (مد ظلم) کو حضرت والا کیسا سمجھتے ہیں۔ اور کیا اپنے مخصوص و معلوم سیاسی

معتقدات کے باوجود یہ حضرات لائق احترام ہیں۔

ب: جو افراد یا اخبارات ان حضرات کی شان میں بے باکانہ کلمات استعمال کرتے ہیں مثلاً شیخ الاصنام۔ شیخ السنود۔ اجودھیا باشی اور لالہ مہاشہ وغیرہ ان کو حضرت کیسا سمجھتے ہیں۔ اور وہ شرعی مجرم ہیں۔ یا نہیں۔

ج: حضرت والا ان حضرات کو سیاسیات میں اختلاف رائے کے باوجود نیک نیت اور دیانت دار سمجھتے ہیں یا بددیانت اور خائن۔ اور ان حضرات کی سیاسی جدوجہد کیا حضرت کے نزدیک اخلاص اور ملت کی خیر طلبی پر مبنی ہے۔ یا کسی خود غرضی اور خود مطلبی پر (بوادر النور اور ص ۹۶۳)

۲۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور سے ان کے ایک مرید نے بھی استفسار کیا کہ:

الف: حضرت تھانوی اور حضرت مدنی میں باوجود دونوں کے مخلص اور اہل اللہ ہونے کے اتنا شدید اختلاف کیوں ہے۔ کیا مخلصوں اور دینداروں میں بھی ایسا اختلاف ہو سکتا ہے۔

ب: آپ کے نزدیک کون حق پر ہے۔ اور ان مسائل میں آپ کی کیا رائے ہے۔

ج: علماء کا وقار عمدہ آگرایا جا رہا ہے۔ بے تکلف سب و شتم کیا جاتا ہے۔

د: علماء کے اختلاف سے بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔ مسلمان تباہ ہو رہے ہیں۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ وغیرہ (الاعتدال فی مراتب الرجال)

یہ سوالات چونکہ اہل علم کی طرف سے تھے۔ اس لئے دونوں حضرات نے ان کے جواب بھی علمی دیئے۔ جو اب بزرگ سے لکھنے کے قابل ہیں۔ حضرت تھانوی کے جوابات رسالہ "شق الغین عن حق علی و حسین" (جو بوادر النور اور ص ۹۶۳ پر موجود ہے) اور مولانا محمد زکریا صاحب کے جوابات رسالہ "الاعتدال فی مراتب الرجال" میں ملاحظہ فرمائے جاسکتے ہیں۔

اشرار کی طرف سے چونکہ ان بزرگوں کے خلاف اب تک یورپا گنڈا جاری

۱۲۸
ہے۔ اور انکو ایک دوسرے کا مخالف ظاہر کر کے عوام میں تفریق کا بیج بویا جا رہا ہے۔ اس لئے ان حضرات کی باہمی تعلقات اور اختلافات پر روشنی ڈالنی ضروری ہے۔ تاکہ کتب بہت بڑے تاریخی فریب کا پردہ چاک کیا جائے۔

نوعیت مسائل

جن مسائل کو وجہ اختلاف بنا کر اکابر کے خلاف شد و بد سے پرو پا گندا کیا جاتا رہا اور کیا جا رہا ہے۔ انہی نوعیت حضرت تھانوی کے الفاظ میں اس سے زیادہ نہیں کہ:

"بعض مسائل قطعی ہوتے ہیں۔ ان میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی۔ بعض اجتہادی وظنی ہوتے ہیں۔ ان میں سلف سے خلف تک شاگرد نے استاد کے ساتھ مرید نے پیر کے ساتھ قلیل جماعت نے کثیر جماعت کے ساتھ واحد نے متعدد کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔ اور علمائے امت نے اس پر نکیر نہیں کی۔ اور نہ ایک دوسرے کو صال اور عاصی کہا ہے نہ کسی نے دوسرے کو اپنے ساتھ متفق ہونے پر مجبور کیا۔ نہ اختلاف کے ہوتے ہوئے باہم بغض و عداوت ہوا نہ مناظرہ پر اصرار کیا گیا۔ چنانچہ مشاجرات میں صحابہ کا اختلاف اور علیحدہ رہنے والوں کی علیحدگی کو سب کا جائز رکھنا معلوم ہے۔

ایسے مسائل اجتہادیہ ظنیہ میں اختلاف دو طرح سے ہوا ہے۔ ایک دلائل کے اختلاف سے جیسے حنفی شافعی میں قرات خلف امام کے مسئلہ میں دوسرے واقعات یا عوارض کے اختلاف سے جیسے امام صاحب اور صاحبین میں نکاح صابیات کے مسئلہ میں کہ جن کو تحقیق ہوا۔ کہ وہ اہل کتاب میں سے ہیں۔ انہوں نے اس نکاح کو جائز رکھا۔ اور جن کو تحقیق ہوا کہ وہ اہل کتاب میں سے نہیں۔ انہوں نے اس نکاح کو ناجائز رکھا۔ مگر اس واقعہ کی تحقیق میں اختلاف ہو گیا۔ کہ آیا وہ کتابی ہیں یا غیر کتابی۔ اس لئے فتویٰ میں اختلاف ہوا۔ یا حنفی شافعی میں تعیین سورۃ فی الصلوٰۃ

شیخ الہند سے اختلاف

بعینہ یہی حالت متذکرہ صدر ہر سہ بزرگان دین کے اختلافات کی تھی۔ جس کی وضاحت خود حضرت تھانوی نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے "ذکر محمود" میں یوں فرمائی:

"حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا سے تشریف لائے۔ تو بعض خاص اسباب سے بعض خاص معاملات میں بعض خاص خیالات ظاہر فرمائے۔ اور اعلاناً و عملاً ان میں حصہ لیا۔ جس کا بستی محض خلوص کے ساتھ اسلام اور اہل اسلام کی خدمت تھی۔ چونکہ وہ مسائل اجتہادی تھے۔ جن میں شرعاً گنجائش اختلاف کی ہوتی ہے۔ اور ان میں بعض پهلودینوی و دینی خطرات بھی رکھتے تھے۔ جو شرعاً واجب التہرذ تھے۔ بعض اہل علم نے ان خطرات و مضرات پر نظر کر کے ان تحریکات میں رایاً و عملاً شرکت نہیں کی۔ اور احقر کا خیال بھی ان ہی علیحدگی رکھنے والوں کے موافق تھا اور اس علیحدگی کو اکثر اہل محبت مفرط نعوذ باللہ حضرت کی مخالفت سمجھتے تھے۔"

حضرت تھانوی نے مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے حضرت شیخ الہند کی یوں وکالت فرمائی کہ:

"حامیان کانگریس میں سے بعض حضرات کانگریس کے اشتراک کو استاذی مولانا دیوبندی کا اتباع سمجھتے ہیں۔ اور بعض اصحاب اس اختلاف کو مثل اختلاف حنفی و شافعی کے خیال کرتے ہیں۔ سو میرے نزدیک یہ دونوں خیال محض غلط ہیں۔ حضرت مولانا کا اشتراک مصالحت تھا۔ نہ کہ متبعت۔ یعنی اس وقت تحریک

کے مسئلہ میں کہ شافعی نے نفس عمل کو منقول عن الشارع دیکھ کر اس کو جائز کیا۔ اور امام صاحب نے مارض اعتقاد یا ابہام اعتقاد و وجوب حالاً یا مالاً پر نظر رکھ کر اس کو مکروہ فرمایا۔"

خلافت نہایت قوت پر تھی۔ جس سے حضرت مولانا کو قوی امید تھی کہ حکم اسلام کا غالب ہو گا۔ اور ہم لوگوں کا خیال قرآن اور وجدان سے اس کا عکس تھا۔ سو یہ اختلاف محض رائے کا اختلاف تھا۔ اور مثل اختلاف حنفی و شافعی کے اجتہادی تھا۔ اس اشتراک میں متابعت کے شائبہ کا وہم بھی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی وقت کسی شعار اسلامی کے ضعف یا کسی شعار کفر کی قوت کا ذرا شبہ بھی ہوتا تھا۔ فوراً اس پر نکیر شدید فرماتے۔ چنانچہ مشاہدہ متواتر اس کا شائبہ ہے۔ بخلاف اس وقت کی حالت کے کہ اب کانگریس کی قوت سے کفر و شرک کا حکم غالب ہے۔ اس کی ہر تجویز سے موافقت و مدافعت کی جاتی ہے۔ اس وقت کا اشتراک بصورت ادغام بالکل متابعت ہے۔ جو کہ ناجائز ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو اپنی تقویت اور تنظیم مستقل لازم ہے تاکہ اس کے بعد جو اشتراک ہو۔ وہ مصالحت ہو۔ متابعت نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ اشتراک ایک لفظ مشترک ہے۔ مگر اس کے دو فردوں کا یعنی مصالحت و متابعت کا حکم جدا جدا ہے۔ پس حقیقی امتیاز کے بعد محض لفظی اشتراک سے اشتباہ نہ ہو جائیے۔" (بوادر النوار اور ص ۹۶۹)

شیخ الہند کی عنایات

انہی اختلافات کے زمانہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی سے استفسار فرمایا کہ ان مسائل میں جب اختلاف ہے مجھ کو کیا کرنا چاہیئے۔ آپ نے جواب دیا کہ "حضرت (شیخ الہند) ہم سب کے بڑے ہیں۔ مجھ پر ان کو ترجیح دینا چاہیئے۔ باقی میرا معاملہ جدا ہے۔"

اور جب حضرت شیخ الہند کی توجہ حضرت تھانوی کے اختلاف کی طرف دلائی گئی تو انہوں نے آپ کی طرف نکیر نہیں فرمائی بلکہ فرمایا کہ:

الف: "میں جو کچھ کر رہا ہوں۔ کیا مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ میری ایک رائے ہے سو اس کی (یعنی) حضرت تھانوی کی بھی ایک رائے ہے۔ اس میں

اعتراض و شکایات کی کیا بات ہے۔"

ب: "اختلاف تو ٹھیک نہیں۔ میرے جی میں یہ آتا ہے کہ میں ہی اپنی رائے سے کچھ ہٹ جاؤں۔"

ج: یہاں تک کہ ان سے حضرت کی مخالفت سنی بھی نہ جاتی تھی۔ چنانچہ ایک اور موقع پر ایک صاحب نے بیرونی پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر حضرت تھانوی کو حضرت شیخ الہند کا مخالف سمجھتے ہوئے ان سے گفتگو کے دوران میں آپ کی شان کے خلاف کوئی کلمہ کہہ دیا۔ اس پر انہوں نے اسے تنبیہ فرمائی کہ:

"تمہیں یہ کس طرح معلوم ہوا کہ جو میرا خیال ہے۔ وہی صحیح ہے۔ اور حق ہے۔ اور مولانا تھانوی کا جو خیال ہے۔ وہ سراسر غلط ہے۔ تم نے جس جس جگہ مولانا تھانوی کی نسبت کچھ کہا ہے۔ وہاں مولانا تھانوی کی مدح و تعریف کرو۔ تاکہ اس کا تدارک ہو جائے۔"

د: ایک اور موقع پر بعض نادان دوستوں نے حضرت شیخ الہند کو تحریکات کی تقویت کے لئے تھانہ بھون لیجانا چاہا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ:

"وہاں مولوی اشرف علی موجود ہے۔ میرے جانے سے اس کو تنگی ہو گی۔ کیونکہ موافقت تو اس کی رائے کے خلاف ہو گی۔ اور عدم موافقت سے فرمائے گا اس لئے وہاں نہیں جاتا۔"

ر: اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا:

"تم کیوں بلاؤ اس پر اعتراض کرتے ہو۔ وہ بھی دین کا ایک کام کر رہا ہے۔"

شیخ الاسلام کا رجوع

"شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی حضرت تھانوی کے خلیفہ خاص تھے۔ مگر تحریک خلافت وغیرہ کے دوران میں ہر دو بزرگوں کے درمیان بھی شدید

اختلاف ہو گیا۔ حضرت تھانوی کی تحریک خلافت سے صلحہ کی کے سلسلہ میں لوگوں نے جوش میں آپ کو مطعون کرنا شروع کر دیا۔ تو اس وقت کے مسائل حاضرہ پر علماء دیوبند نے ایک فتویٰ دیا۔ جس میں تحریر تھا کہ:

"مسائل حاضرہ میں ہمارا مسلک تو بالکل وہی مسلک ہے جو حضرت استاذ مولانا مولوی محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقرر فرما گئے ہیں۔ لیکن برنسبت مولانا اشرف علی صاحب کے بسبب حسن ظن کے ہمیشہ تاویل کی ہے۔ کبھی تفسیق نہیں کی اور نہ کسی کو اجازت دی۔"

اس فتویٰ پر دیوبند کے دیگر بزرگوں کے علاوہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے بھی دستخط تھے۔ جس پر انہوں نے اپنی طرف سے یہ الفاظ بھی بڑھا دیے تھے کہ

اما انافمو لانا للتھانوی یسئل عنی ولا اسال عنه کہ میرا یہ رتبہ نہیں کہ مجھ سے مولانا تھانوی کے متعلق پوچھا جائے۔ بلکہ اگر ان سے میری نسبت پوچھا جائے تو زیبا ہے اور جو کسی کی سمجھ میں کچھ اور آوے۔ تو خود صاحب عبارت سے پوچھ لیا جاوے۔

جب یہ جوش کا زمانہ گزر گیا۔ اور آہستہ آہستہ سب کو ہوش آنے لگا تو حضرت شیخ الاسلام نے بھی فوراً اپنے شیخ کی طرف رجوع کر لیا۔ جس کی اطلاع حضرت تھانوی نے ان الفاظ میں مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی کے استفسار پر دی کہ:

"مولوی شبیر احمد صاحب نے ہمت کی کہ اعلان تجویز شدہ کو خود لطیف بنا کر مجھ سے موافقت حاصل کر کے شائع کرادیا۔ خود بھی آئے تھے۔ مگر اعلان کے قبل بھی ملنے آئے تھے۔

میں اکرام و احترام سے ملا۔ باتیں بھی کیں۔" (حکیم الامت ص ۴۳۸)

مولانا عثمانی کے رجوع سے حضرت کو اتنی مسرت ہوئی کہ انہی مریدانہ حیثیت کو مساوی بنا دیا۔ اور اس کے متعلق آپ نے مولانا عبد الماجد صاحب

دریا بادی کو لکھا کہ:

"جب اعلان آیا۔ وہ موجود نہ تھے۔ ورنہ بلا کر خود ملتا۔ اب آئیں گے تو بشارت بھی ہوگی۔ البتہ یہ کہہ دوں گا کہ اب ملنا پہلی حیثیت سے نہیں۔ اسلئے اب میرے ساتھ تعظیم یا استفادہ کا برتاؤ نہ کیا جاوے۔ مساویانہ یا رانہ برتاؤ رکھا جائے۔ اور انکو بھی چاہیے کہ اسکو قبول کر لیں۔" (بحوالہ صدر)

اکابر دیوبند کا اختلاف

سیرت کے حصہ دوم میں اس بات کا ذکر آچکا ہے۔ کہ حضرت تھانوی نے مدرسہ دیوبند کے اہتمام سے بعض متذکرہ الصدر نوعیت کے اختلافات کی بناء پر خود کو بذریعہ اعلان اخبار معزول کر لیا تھا۔ مگر لوگوں نے اسے بھی خوب پھیلایا۔ جس سے متاثر ہو کر مولانا عبد الماجد نے حضرت تھانوی کو لکھا:

"دیوبند کے حالات سے اللہ جانتا ہے کہ بڑا ہی دل دکھتا ہے۔ خصوصاً اپنے دونوں بزرگوں کے اختلاف دیکھ کر۔ صحابہ کرام کے اختلافات تسکین و تشفی کیلئے سامنے نہ ہوتے۔ تو دل بالکل مایوس ہی ہو کر رہ جاتا۔" (حکیم الامت ص ۴۶۰)

اس کے جواب میں حضرت تھانوی نے لکھا:

"واقعی سچی محبت اور خیر خواہی یہی ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ اب میں بھی صدق و طہ سے حقیقت عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ حقیقت اس تحقیق کی میری بھی سمجھ میں نہیں آئی کیونکہ بالکل مبہم ہے۔ میرے ذہن کو مبہم سمجھنے کی حادث نہیں۔ ضرورت کہ حسب ذیل نقشہ پر کر کے مجھ کو عطا فرمایا جاوے۔ تاکہ مجھ کو موقع ملے نظر کرنے کا اور نظر کرانے کا:

اختلاف کا واقعہ جو اشرف علی کے متعلق ہوا۔

معلوم ہونے کا ذریعہ۔

مشورہ جس پر اشرف علی کو کاربند ہونا مناسب ہے۔

مگر مولانا عبد الماجد صاحب کی طرف سے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں بھی حضرت تھانوی کو ناحق معتبوب و مطعون کیا جا رہا تھا۔ فی الاصل بات اتنی نہ تھی۔ جتنی بڑھائی گئی تھی۔ جس کی تائید حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے حسب ذیل رائی ناموں سے ہوتی ہے۔

۱۔ مولانا نے ایک معترض کو اس کے خط کے جواب میں لکھا۔
"سلام مسنون۔ لفافہ آپ کا پہنچا۔ حالات معلوم ہوئے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب سے حالات حاضرہ میں ہم کو اختلاف ضرور ہے۔ لیکن یہ اختلاف ایسا نہیں ہے کہ جس سے ہم مولانا کی توہین اور گستاخی کو گوارا کریں۔ مولوی صاحب نے جو کچھ کیا یا کہا اپنی طرف سے کیا۔ ہم اس کو پسند بھی نہیں کرتے۔ اور نہ اس کی اجازت دے سکتے ہیں۔" (۲۱ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ)

۲۔ مولانا موصوف نے ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ کو حضرت تھانوی کو اختلافات کے باوجود دیوبند آنے کی دعوت دی اور دعوت نامہ میں لکھا کہ:

"یہاں محمد اللہ کسی کو انقباض و تکدر۔۔۔۔۔ نہیں۔ اگر فی الواقع ایسا ہو بھی۔ تب بھی مجھے جناب سے یہی توقع رکھنی چاہیے کہ اس عقدہ کو حل فرما کر جماعت کو انتشار و تشت سے بچالیں مجھے خود بھی جناب سے بعض رایوں میں اختلاف تھا۔ لیکن الحمد للہ تنقیص و توہین کو سنا بھی گوارا نہیں کیا۔ اختلاف آراء مسائل کی صورت میں اعتراض کرنا شرعاً مذموم نہیں سمجھا گیا۔ سب سے اول مشاجرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا جائے کہ جلیل القدر صحابہ یہاں تک کہ عشرہ مبشرہ بلکہ خلفائے راشدین میں بوجہ اختلاف اعتراض کئے گئے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ قتال کی نوبت پہنچ گئی۔ لیکن یہ سی حد تک تھا جہاں تک اختلاف رائے کا تعلق تھا۔ اور جب نفس ذات پر نظر جاتی

تھی۔ تو وہی اصل ارتباط معلوم ہوتا تھا۔

اس کے بعد مجتہدین اور ان کے اتباع کے اختلافات موجود ہیں۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ حضرت امام اعظم پر اور ان کے متبعین پر سنت الفاظ میں اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن جب نفس ذات امام اعظم اور ان کے فضل و کمال پر نظر جاتی ہے۔ تو غایت درجہ کا ادب کرتے ہیں یہاں تک کہ نماز صبح میں قنوت بھی ترک کر دیتے ہیں۔ اس طرح امام شافعی اپنے استاد امام مالک پر سختی سے اعتراض کرتے ہیں۔ یہ بھی بطور قاعدہ کلیہ کے ہے کہ اختلاف اگرچہ اصولی نہ ہوں۔ فرعی ہوں۔ حقیقی نہ ہوں۔ لفظی ہوں۔ مگر ابتدا میں بوجہ جوش و میجان ایک دوسرے کے خلاف جوشیلا الفاظ استعمال کرتے ہیں اور بسا اوقات یہ جزوی اختلاف فساد کی طرف منبر ہو جاتے ہیں۔ مگر انجام کار سکون پیدا ہو جاتا ہے۔ اشاعرہ و ماترید یہ اصولاً متفق ہیں۔ صرف چند مسائل میں اختلاف کی وجہ سے کیسے کیسے خلاف ہوئے۔ طعن و تشنیع کے دروازے کھلے۔ نوبت بغاصت و تذلیل پہنچی۔ مگر انجام جب صلح ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ اکثر اختلافات صرف لفظی تھے اور جو بعض حقیقی تھے تو ان سے تفصیل و تفسیق ہوئی۔ بجنہ یہی حالت ہم لوگوں کی جناب کے ساتھ تھی۔ اختلاف ضرور تھا۔ اعتراض بھی کرتے تھے۔ لیکن جناب کی ذات سے وہی تعلق تھا کسی حالت نہ انہی میں کوئی لفظ بھی کہا تو وہ اس حالت کا اقتضا تھا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں اور ہم میں سے اکثروں نے بالکل احتیاط کا طریقہ رکھا۔ اور اکثروں کا طریقہ یہ رہا کہ نفس مسئلہ میں اختلاف کے ساتھ جناب کی طرف سے مدافعت بھی کرتے رہے۔ میں نے جو کچھ عرض کیا ہے۔ اس سے میری غرض یہ ہے کہ ایسے شدید میجان جوش اور اختلاف رائے کے وقت اگر کسی سے کوئی امر خلاف شان سرزد ہوا۔ تو ایسی حالت میں کہ اصولاً سب متفق ہیں۔ اختلاف ہے تو صرف مصلح دینی کی بناء پر۔ جس کے نزدیک جو جانب راجح معلوم ہوئی۔ اس پر عمل کیا۔ تو میرے نزدیک اس میں زیادہ کنج و کاؤ نہ کی جائے۔ بلکہ اصول کو مد نظر رکھ کر عارضی اختلافات کو رفع کر دیا جائے۔ خلاصہ عرض یہ ہے کہ بہت سی روایات اور

۱۵۶
واقعات اصلی حالت میں نہیں پہنچے اور اس میں شک نہیں کہ اختلاف پیدا ہوا۔ اور اسکی وجہ سے شکوہ شکایت اور اعتراضات کی نوبت پہنچی۔ لیکن بایں ہمہ یہ اعتراضات مخالفانہ یا معاندانہ نہ تھے۔ بلکہ جیسا کہ اہل حق کی دو جماعتوں میں اکثر ہوا ہے۔ تھے۔ اکثر اختلافات کا بنی عزیمت و رخصت پر تھا۔ ایسی حالت میں باوجود اختلاف کے دینی تعلقات برابر قائم رہے اور میں۔ جن اکابر یا بالخصوص اصغر کی طرف جناب کو خیال ہے۔ ان کی طرف بہت سی باتیں غلط طور پر منسوب ہوئیں۔ صورت حال ایسی تھی کہ جو کچھ روایت ہوا۔ چسپاں ہو گیا اور اس میں کسی ایک جانب کی خصوصیت نہیں ہے یہ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ تعلقات کبھی بھی منقطع نہیں ہوئے۔ فریقین نے اختلاف رائے کی وجہ سے اعتراض تو کئے ہیں۔ توہین و تنقیص نہیں کی اور نہ ان کا مقصد یہ تھا۔ مجھے امید ہے کہ جناب ان روایات پر توجہ نہ فرمائیں گے۔ اور میری نیاز مندانہ عرض قبول فرما کر یہاں (دیوبند) تشریف لانے کا قصد فرمادیں گے۔"

صلح کی مسرت

یہ دعوت نامہ اس بات کا مظہر ہے کہ مخالفین و معاندین نے کس طرح رائی کو پہاڑ بنا کر حضرات دیوبند اور حضرت تھانوی کے اجتہادی اختلافات کو ہوا دی۔ حضرت تھانوی کے دل میں تو کسی کے خلاف کدورت تھی ہی نہیں۔ آپ تو سب مخالفین و معاندین کو پیشگی معاف کر چکے تھے۔ بس اس دعوت نامہ کو پڑھتے ہی آپ دیوبند چلنے کو تیار ہو گئے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ:

"اس کے بعد میں نے عذر کی کوئی گنجائش نہیں دیکھی اور چہار شنبہ ہی کے روز دیوبند حاضر ہو گیا۔ اور پنجشنبہ کو تمام دن لقاء احبا سے جانبین میں عید کا لطف حاصل رہا۔ اور اس لطف کی تکمیل شب جمعہ کے ایک وعظ پر ختم ہوئی۔ جسکی احقر کو فرمائش کی گئی اس وعظ کا نام "آداب التبلیغ" ہے۔ جو چھپ چکا ہے۔ اس صلح

کی مسرت کے ساتھ ایک دوسری صلح کی مسرت نوراً علی نور ہو گئی۔ یعنی زمانہ مکاتبت میں ایک عزیز کے خط میں یہ خبر نظر سے گزری کہ آج ترکوں کا معاہدہ اپنے مخالفین سے مکمل ہو چکا ہے۔ اور دستخط ہو گئے ہیں۔" (یوم الجمعہ ۱۳۳۱ھ)

مولانا مدنی کا معاملہ

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور حضرت تھانوی کے درمیان بھی ویسے ہی اختلافات تھے۔ جیسے حضرت شیخ الہند کے درمیان مگر مخالفین نے کاندھلہ میں غالباً ۱۳۳۹ھ میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے حضرت تھانوی کے متعلق سوال کیا تو مولانا بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ:

"یہ کیا واہیات سوال ہے۔ ہم تو انکو ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ اپنے دوسرے بڑوں کو۔"

بعد ازاں معاندین نے ان اختلافات کو اتنی اہمیت دی کہ مولانا عبد الماجد دریابادی جیسی شخصیت بھی اس پروپاگنڈا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ:

"کانوں نے بیشک سنا تھا کہ ان کے اور انکے درمیان بے لطفی ہے ناچاقی ہے۔" (حکیم الامت ص ۴۶۰)

۲۔ "دیوبند کے حالات سے اللہ جانتا ہے کہ بڑا ہی دل دکھتا ہے۔ خصوصاً اپنے دونوں بزرگوں کے اختلاف دیکھ کر۔" (حکیم الامت ص ۴۶۰)

لیکن جب مولانا عبد الماجد صاحب حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی معیت میں پہلی مرتبہ تھانہ بھولہ حاضر ہوئے اور یہ دونوں بزرگ صبح کی نماز حضرت تھانوی کے پیچھے پڑھ کر فارغ ہوئے۔ تو مولانا عبد الماجد صاحب کیا دیکھتے ہیں؟ اس کی تفصیل خود ان کی زبانی یہ ہے کہ:

"نماز ختم ہوئی۔ سلام پھیرا۔ دعا مانگ کر جو نہی حضرت (تھانوی) اٹھے۔

لگا پہلی صف میں مولانا حسین احمد صاحب پر پڑ گئی۔ ان کی طرف خود ہی بڑے تپاک سے بڑھے اور بڑے التفات سے ملے۔ لوگ تو کہتے تھے کہ بڑے خشک مزاج ہیں۔ خشک مزاج ایسے ہوتے ہیں؟ یہ نرم بٹاش چہرہ۔ یہ ہنستا مسکراتا ہوا بشرہ کسی خشک مزاج کا ہو سکتا ہے؟ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ ان کے اور انکے درمیان بے لطفی ہے۔ ناچاقی ہے۔ کانوں نے بیشک یہی سنا تھا لیکن اس وقت آنکھیں یہ دیکھ رہی تھیں۔ کہ دو دشمن نہیں۔ دو دوست گئے مل رہے ہیں۔ تعظیم و تکریم مولانا حسین احمد صاحب کی طرف سے تو خیر ہوتی بھی۔

عادت طبعی ہونے کی بناء پر بھی اور سن میں چھوٹے ہونے کی بناء پر بھی۔ لیکن مشاہدہ یہ ہو رہا تھا کہ ادھر سے بھی آداب و رواں سم تکریم میں کوئی کمی نہ تھی۔ (حکیم الامت ص ۷۱)

حضرت تھانوی کے آداب و احترام کے بعد حضرت مدنی کا اخلاص و اکرام بھی قابل قدر ہے۔ جب مولانا مدنی صاحب کے مرید باصفا مولانا عبد الماجد صاحب حضرت تھانوی کے ہاں چند دنوں کیلئے تھانہ بھون جا کر قیام فرماتے ہیں۔ تو انہیں تھانہ بھون میں حضرت مولانا مدنی کا یہ خط موصول ہوا۔

"محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

والانامہ ممرہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۹ء باعث سرفرازی ہوا تھا۔ اب تو جناب خانقاہ میں پہنچ گئے ہوں گے۔ خداوند کریم وہاں کی حاضری باعث برکات المتناہیہ کرے۔ آمین۔"

چوں باحبیب نشینی و بادہ پیمانی

بیاد آر مہبان بادہ پیمارا

مجھ کو قوی امید ہے کہ آنجناب وہاں پر اپنے اوقات کو مشاغل حقیقیہ میں صرف فرما دیں گے جن کے متعلق ہدایت کرنے کی ضرورت نہیں۔

البتہ ایک ضروری عرضی معض اخلاص کی بناء پر کرتا ہوں۔ اور امیدوار ہوں کہ کسی غیر معمول پر حمل نہ فرمائیں گے۔ میں نے حسب الارشاد حضرت (تھانوی)

دامت برکاتہم اور آپ حضرات کے اصرار پر اس وقت آپ کو بیعت کر لیا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی بد حالی۔ روسیاهی۔ ناکامی پر نہایت درجہ گریہ کننا ہوں۔ اور سخت فہر مند ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مولانا دامت برکاتہم کے دربار میں پہنچا دیا ہے۔ اور مولانا کو آپ سے اور آپ کو مولانا سے انس اور تعلق پیدا ہو گیا ہے۔ واللہ الحمد۔ اللہم زد و زد۔ اب مناسب اور ضروری ہے کہ آپ مولانا سے بھی بیعت خود کر لیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ مولانا برکاتہم آپ کو نہ ٹالیں گے۔ میں نے خود ان دنوں جب حاضر ہوا تھا۔ عرض کیا تھا کہ آپ جب تشریف لائیں۔ اور درخواست کریں تو جناب انکو ضرور بیعت کر لیں۔ قواعد طریقت کے اصول پر بیعت کر لینا ہی زیادہ تر مفید اور کار آمد ہے۔ اسی کی بناء پر فیض کی زیادہ تر امید ہے۔

مجھ روسیاه کو بھی کبھی کبھی دعوات صالحہ سے یاد فرمایا کریں۔ نیز مولانا دامت برکاتہم سے بھی دعا کی التجا کر دیا کریں۔

نگ اسلام حسین احمد غفرلہ، دیوبند ۲۰ جمادی الاول (حکیم الامت ص ۹۰) سن ۱۳۳۸ھ

اس گرامی نامہ کا جواب مولانا عبد الماجد صاحب کی بجائے حضرت تھانوی نے دیا:

"مخدومی و مکرمی مولانا حسین احمد صاحب دامت فیضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

مولوی عبد الماجد صاحب کے نام جو گرامی نامہ آیا۔ اس میں مشورہ تعمیل بیعت کا پڑھا۔ گو اس وجہ سے کہ میں اس کا مخاطب نہیں۔ مجھ کو جواب عرض کرنے کا استمقاق نہیں لیکن چونکہ اخیر تعلق مجھ سے ہی ہے۔ نیز اس میں مجھ کو مخاطب بنانے کی یاد دہانی بھی ہے۔ اس لئے عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

معملاً تو وہی عذر ہے۔ جو زبان فی عرض کیا تھا۔ اور قدرے مفصلاً یہ عرض ہے کہ اس میں مولوی صاحب کا ضرر ہے اس لئے امید ہے کہ اس مشورہ سے رجوع

فرمائیں گے۔ وہ ضرور یہ ہے کہ میری خشونت و سوء خلق تو مشہور ہے۔ مگر مولوی صاحب کی یہ رعایت و دلبوئی جو صمیم قلب سے ہے۔ وہ آپ ہی کے انتساب سے مسبب ہے۔ کیا آپ کو یہ گوارا ہے کہ وہ اس رعایت سے محروم کر دیئے جائیں۔ دوسرے ان کو مجھ سے موانست کافی ہے۔ لیکن نفع کا مدار اعظم مناسبت ہے۔ اس کو میں پہلی ملاقات میں طے کر چکا تھا۔ اور اسی بناء پر آپ نے میری سفارش کو قبول فرمایا۔ جس کا میں شکر گزار ہوں۔ اور اگر ان بناؤں کو آپ ضعیف خیال فرمائیں۔ تو میں بھی ان کی تقویت پر زور نہیں دیتا۔ لیکن جب اول بار میں یہ قول خود۔ میری خاطر منظور تھی۔ سو اب بھی میری خاطر منظور فرمائی جائے۔ اور جس طرح کام چل رہا ہے۔ چلنے دیا جائے۔ کہ آپ ان کے مخدوم رہیں اور مجھ کو خادم رہنے دیجئے۔ اس جدید تبدل میں میری اور انکی دونوں کی پریشانی مضر ہے۔ جس کا گوارا کرنا اخلاق سامی سے بعید اور بہت بعید ہے۔ اور جب اس کا مجھ کو مدار ہے۔ اور میری طرف سے محض انکار ہے۔ تو مولوی صاحب کو ایسی بات کا علم نہ فرماتا۔ جو ان کی قدرت سے خارج ہے تکلیف والا لفاظی ہے۔ جو ہر پہلو سے منفی ہے۔

والسلام

ناکارہ ننگ انام۔ اشرف برائے نام از تھانہ بھون۔

(حکیم الامت ص ۹۲-۹۱)

یہ خط و کتابت عین اختلافات کے زمانہ یعنی ۱۹۳۹ء کی ہے۔ اسی لئے مولانا عبد الماجد صاحب لکھتے ہیں کہ:

"سیاسی اختلافات مولانا حسین احمد صاحب سے اس وقت بھی تھے۔ اس پر بھی اس وقت تک ان کا پورا لحاظ و احترام قائم تھا۔"

(حکیم الامت ص ۱۱۳)

ننانہ گزرتا گیا اور اسکے ساتھ ساتھ اختلافات کی خلیج بھی وسیع ہوتی گئی۔ پورے آٹھ سال بعد بھی ان دو حضرات کے درمیان عزت و عظمت کے وہی قابل

رکھک نظارے دیکھے گئے۔ خود مولانا حسین احمد صاحب کے مرید ہاتھیز مولانا عبد الماجد صاحب اس بات کی شہادت ان الفاظ میں دیتے ہیں:

"تھانہ بھون اور دیوبند کے سیاسی مسلک میں اختلاف کچھ آج سے نہیں۔ مدت دراز سے بالکل واضح و خمیر منفی تھا۔ لیکن اس کے باوجود دونوں ہندوؤں کے ذاتی تعلقات بڑے خوشگوار اور گفتگو تھے۔ نہ شفقت میں کوئی کمی حضرت کی جانب سے تھی اور نہ احترام و بزرگداشت میں کوئی فرق مولانا حسین احمد کی طرف سے۔"

(حکیم الامت ص ۵۱۰)

یہ حقائق اس بات کے شاہد ہیں کہ جن انکار کو دانستہ یا ناپست ایک دوسرے کا سنت ترین مخالف ظاہر کیا جاتا تھا۔ ان میں کس درجہ التفات و درتھا تھا۔ اور ان کے اختلافات بھی کیسے اصول صمیم کے موافق اور حدود شرعیہ کے اندر تھے۔ جس کی کسی دوسرے مکتبہ فکر میں مثال ملنی مشکل ہے۔ بلکہ جہل مولانا عبد الماجد دریا بادی:

افراط و تفریط

"قوم عجیب افراط و تفریط کے مرض میں اندھا دھند ہو جاتا ہے کسی سے خوش ہو کر تو اسے پوجنے لگے۔ خفا ہوئے تو گالیاں دینے لگتے برساتے لگے۔ گویا ان کا لیڈر یا سربراہ فرشتہ ہو۔ اگر فرشتہ نہیں ہے۔ تو پھر شیطان کے لوہے کوئی دم نہیں توازن و اعتدال کا گویا قیط پڑ گیا ہے اور اشخاص و رجال کو۔ ان کے صحیح مقام پر رکھنا ہم لوگ بھول گئے ہیں۔ شیعیت اور غلامیت دونوں بے احوال کی پیداوار ہیں۔ اور اہل سنت و جماعت جو بین بین اور سارے پہلوں کے درمیان حکیمانہ توازن کے ساتھ قائم ہوا تھا۔ افسوس کہ وہ خود اب اسی بد بختی کا شکار ہوا جالیا ہے۔"

(حکیم الامت ص ۹۱)

ذکر و فکر

میانہ روی

اسلام کی تمام تعلیمات اعتدال پر مبنی ہیں۔ وہ سکھاتا ہے کہ اگر کسی کا کوئی ایسا فعل دیکھو۔ جو بظاہر محل نظر ہو۔ تو اس کے متعلق فی الفور بلا تحقیق فتویٰ صادر نہ کرو۔ اگر کسی شرعی دلیل سے اس کے جواز کا پہلو نکلتا ہو۔ تو پھر تاویل سے کام لو۔ اسے ذلیل نہ کرو۔

ب۔ اگر آپ حسن ظن سے کام نہیں لے سکتے اور اس کی برائیاں نمایاں کرنے پر مجبور ہیں تو حق پسندی و حق شناسی سے کام لیتے ہوئے۔ اسکی خوبیاں بھی بیان کر دو۔

ج۔ اگر اس کی خوبیاں بیان نہیں کرنا چاہتے۔ تو نرمی اور مروت سے کام لیتے ہوئے اس کا ذکر اسی انداز سے کرو کہ اسے یا اس کے ہم خیال لوگوں کو ناگوار نہ گزرے۔

د۔ اگر اس کی بھی ہمت نہیں۔ تو احترام انسانیت کے تحت اس کی برائیوں کو ہی برا سمجھو اس کی ذات کو سب و شتم کا نشانہ نہ بناؤ۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس معاملہ میں بڑے بڑوں کے پانے استقلال میں لغزش آگئی اور وہ کم فہمی یا بغض و حسد کی وجہ سے اعتدال کا دامن چھوڑ بیٹھے اور تشدد و تفریق کی خلیج وسیع سے وسیع تر کرتے چلے گئے۔

اس دور افراط و تفریط میں اگر کوئی جاہد اعتدال سے سرمو نہیں بھٹک سکا۔

تو وہ صرف تھانہ بھون کا یہ مرد حق تھا۔ جس نے بقولے:

"اپنے اور پرائیوں کو قرآن و حدیث کی سیران پر تولو۔ اور جو جتنا اترا۔ اس کا حق ادا کیا۔ ان کی طبعی جبلتیں مجبور یوں۔ ذہنی و فکری خطاؤں۔ مالی و مقالی لغزشوں کی حدود شرع کے اندر تاویلات کیں۔ اور حسن ظن کی تلقین فرمائی۔ جو باتیں دائرہ شریعت کے اندر نہ آسکیں۔ ان پر سکوت فرمایا۔ جو چیزیں حرم شریعت سے نکل گئیں ان کا صاف صاف رد کیا۔ مگر صاحب قول پر لعن و طعن اور سب و شتم سے پھر بھی گریز کیا۔" (حیات اشرف ص ۲۲۱)

جس کی تائید آپ کی مندرجہ ذیل آراء و افکار سے ہوتی ہے۔ جو آپ نے وقتاً فوقتاً ایسی جماعتوں اور شخصیتوں کے متعلق ظاہر فرمائیں۔ جن کے متعلق رائے قائم کرنے میں بڑے علماء و فضلاء نے غلو و مبالغہ یا تنگ نظری و تنگ ظرفی کا مظاہرہ کیا۔

شیخ ابن عربی

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی المعروف بہ شیخ اکبر کو صوفیاء کی ایک جماعت تو امام مانتی ہے۔ اور علماء کی دوسری جماعت ان پر کفر کا فتویٰ صادر کرتی ہے۔ مگر حضرت تھانوی کی میانہ روی ملاحظہ ہو۔ آپ لکھتے ہیں کہ:-

"مسلم مسک حضرت شیخ قدس سرہ کے باب میں یہ ہے بناء بر شہادت جم غفیر اکابر امت جس کی حجیت انتم شہداء فی الارض سے ثابت ہے۔ شیخ کی مقبولیت و ولایت کا غم نہ کامل رکھتا ہوں۔ اور شیخ کے اکثر علوم جواز قبیل اسرار ہیں اور میرے فہم سے خارج ہوں۔ عقلاً نہ ان کے اثبات کا حکم رکھتا ہوں بامثال لَاتَفْهَمُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ

اور نہ انکی نفی کا بہ ایماء آیت

بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يُحِيطُوا بِهَا أَوْ لَكُم عَذَابٌ عَظِيمٌ

اور بلا ضرورت ضرورت کی اشاعت اشتغال کو مضر سمجھتا ہوں۔ بحکم آیت
وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زِينَةٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ
وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ

اور طبعاً ان کے قول کی طرف توجہ کرنے سے قلب میں اطمینان نہیں پاتا ہوں۔
اس لئے مطابق حدیث

دع مایربیک الی الی بیک
ان کا استحضار نہیں کرتا۔ اور جن علماء نے حفاظت شریعت کے لئے حدود شرعیہ
کے اندر رہ کر اقوال شیخ بلکہ شیخ پر نکیر کیا ہے۔ ان کو حسب آیت
لَا يَكِلُفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

اور حدیث

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ
اور اس مجموعی مسلک میں اپنے کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ
موافق دیکھتا ہوں۔ جیسا کہ ان کے بعض مکتوبات سے ظاہر ہے۔ البتہ مجدد صاحب
میں یہ امر مزید ہے کہ وہ ان کے اقوال پر کلام بھی کرتے ہیں۔ جو بوجہ ان کے محقق
وصاحب کشف ہونے کے ان کا حق ہے اور ہم یہ منصب نہیں رکھتے۔ بقول

عارف رومی

آرزوی خواہ لیک اندازہ خواہ

برتا بد کوہ را یک برگ کاہ

حسین ابن منصور

زمرہ عشاق میں سب سے زیادہ بدنام شخصیت حسین ابن منصور حلج کی
ہے۔ جو خود اپنے شیخ کے قول کے مطابق مردود ہے۔ ان کے متعلق حضرت
تھانوی نے ایک تحقیقی رسالہ "القول المنصور فی ابن منصور" کے نام سے لکھوایا

ہے۔ جس کی بنیاد اس اصول پر رکھی ہے کہ:

"کسی غیر مقبول کے ساتھ حسن ظن رکھنا مضر نہیں۔ اور مقبول سے بلاوجہ
بدگمانی کرنا مضر ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی رذیل کے ساتھ شریفوں جیسا
معاملہ کرنا برا نہیں۔ لیکن کسی شریف کے ساتھ رذیلوں جیسا برتاؤ بہت برا ہے۔"
اسکے اخیر میں لکھتے ہیں کہ:

"ایسی سخت سزا اور سنگین مصیبت کو اس درجہ صبر و استقلال کے ساتھ اور
خندہ پیشانی سے تحمل کرنا نہ کسی زاہد خشک سے ممکن ہے نہ کسی ساحر زندیق سے
اور عین اس حالت میں نشہ توحید سے سرشار ہو کر محبت و عشق الہی کا ایسا درد انگیز
اظہار کرنا کہ مشائخ وقت بھی نعرہ حسب الواحد افراد الواحد لہ سن کر رقت پذیر ہو گئے
اور درد انگیز حالت میں شبلی جیسے امام طریقت کے سوالات کا جواب دینا ابن منصور
کی جس شان یکتا کو ظاہر کرتا ہے زنا نہ کی نگاہ نے ان کا نظارہ بہت کم کیا ہوگا۔ پس
حقیقت یہ ہے کہ ابن منصور کا واقعہ قتل اور سانحہ ہوش رہا ہی ان کے سچے صوفی۔
حاشق فانی۔ محبوب سبحانی اور صاحب استقلال لاثانی ہونے کی بڑی دلیل ہے۔ رہا یہ
امر کہ اس مجمع میں کسی نے بھی ان کی اس حالت استقامت اور مستی محبت درجہ
کمال سے ان کی ولایت و معرفت پر کیوں نہ استدلال کیا؟ تو اہل بصیرت نے
ضرور کیا ہوگا۔"

حضرت تھانوی کو چونکہ ہر وقت اپنے بیچ ہونے کا استحضار رہتا تھا۔ اور
آپ ابدیت میں فنا رہتے تھے۔ اس لئے آپ اپنے شدید ترین مخالفوں کو بھی برا
نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کی زیادتیوں کے مقابلہ میں آپ ہمیشہ حسن ظن اور تاویل
سے کام لیتے تھے۔ اور آپ کی نظر عیوب پر نہیں بلکہ صفات پر رہتی تھی۔ جس کا
اندازہ ذیل کے تاثرات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں

بریلویوں کے سب سے بڑے "امام" گزرے ہیں۔ جو اہل حق سے بے حد دشمنی رکھتے تھے۔ اور حضرت تھانوی کے سخت ترین مخالف تھے۔ یہاں تک کہ حدود ہند میں بھی تجاوز کرتے تھے۔ مگر حضرت تھانوی کی ان کی ذات اور انہی جماعت کے متعلق یہ رائے تھی:-

"ممكن ہے ان کی مخالفت کا سبب واقعی حیل ہی ہو۔ اور وہ غلط فہمی سے ہم لوگوں کو نعوذ باللہ حضور صلی اللہ کی شان میں گستاخ کھتے ہوں۔" یہ فرما کر آپ اپنے مخلصین کو اپنے مخالفین کی مخالفت سے باز رکھتے تھے۔ مگر انہی طرف سے بھول کر بھی ایسی رواداری اور وسیع ظرفی کا کبھی مظاہرہ نہیں ہوا۔

سرسید احمد خاں

مسلمانوں کے مخلص خادموں میں سے گزرے ہیں جن کے خلاف عرب و عجم کے علماء کرام نے کفر کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ مگر حضرت تھانوی کی نظروں میں وہ کچھ اور ہی تھے۔ اسلئے حضرت تھانوی ان کے ذکر آجانے پر فوراً فرمایا کرتے تھے کہ:

"عیب مے جملہ بگفتی۔ ہنرش نیز بگو۔ سرسید کو مسلمانوں کے دنیوی فلاح کی بہت ہی دھن تھی۔ اور اس معاملہ میں بڑی دلسوزی تھی۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اسی صفت پر فصل فرمادیں"

آپ اکثر سرسید کی اس صفت کے متعلق نیز بعض اکابر کے ساتھ ان کے حسن عقیدت کے واقعات نقل کر کے فرمایا کرتے تھے کہ:

"سرسید کا عقیدہ توحید و رسالت کے متعلق جس درجہ کا بھی تھا۔ وہ نہایت پختہ اور بلا وسوسہ تھا۔ جیسا کہ ان کی تصانیف سے مجھ کو اندازہ ہوا ہے۔ اور قرآن و حدیث میں انہوں نے جو جو تاویلات و توجیہات کی ہیں ان کا منشاء یہ معلوم ہوتا

ہے کہ مخالفین کا اسلام پر کوئی اعتراض وارد نہ ہو سکے۔ گو یہ طرز جو انہوں نے اختیار کیا تھا۔ وہ غلط تھا۔ اس لئے میں انہیں نادان دوست کہا کرتا ہوں۔"

ان کو فاسق فاجر کہنے والوں کو آپ یہ جواب دیا کرتے تھے کہ

"بعض فاسقوں میں کوئی ایسی بات ہوتی ہے۔ جو بڑے بڑے مشائخ میں نہیں ہوتی۔ لہذا کسی کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔"

اور اپنے اس نظریہ کی تائید میں آپ انہیں بڑے بڑے فاسقوں اور فاجروں کے ایسے ایسے واقعات سنایا کرتے تھے۔ جن سے ان کا عاشق دین ہونا ثابت ہوتا تھا۔ چونکہ سرسید کے خلاف فتویٰ دینے والوں نے اس نکتہ پر غور نہیں کیا۔ اس لئے انہوں نے ٹھوکر کھائی اور اس محقق تھانوی کو ان کی رائے سے اختلاف کرنا پڑا۔

مولانا محمد علی جوہر

مشاہیر ہند میں سے مسلمانوں کے محبوب اور مخلص رہنما تھے۔ مگر حضرت تھانوی سے سخت سیاسی اختلاف رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت کی آمادگی کے باوجود یہ مسائل اختلافیہ پر حضرت سے گفتگو کرنے کیلئے بھی بخوشی آمادہ نہ ہوئے مگر حضرت تھانوی کے دل پر اس کا ذرہ بھر ملال نہ آیا۔ بلکہ وہ بدستور حضرت کی نظر میں محبوب ہی رہے۔ جس کا اظہار حضرت نے ان کی وفات کے بعد ان الفاظ میں فرمایا:

"محمد علی کی جس صفت کا اعتقاد اور اس اعتقاد کی بناء پر مجھے محبت ہے۔ وہ صرف ایک صفت - مسلمانوں کی سچی - بے غرض محبت ہے۔ باقی دوسری صفات دیکھنے والے جانتے ہیں۔ میں نے کبھی دیکھا نہیں۔ اس لئے ایک ہی صفت سے محبت ہے اور اس کو میں روح صفات سمجھتا ہوں۔" (حکیم الامت ص ۱۷۶)

ارباب بدعت
جو ارباب بدعت حضرت تھانوی کے اس رد بدعات کو برداشت نہ کر کے آپ پر کفر کے فتوے لگانے میں پیش پیش رہتے تھے۔ ان کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

"علماء کے وجود کو میں دین کے بقا کے لئے اس درجہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر سارے علماء بھی ایسے ہی مسلک کے ہو جائیں جو مجھ کو کافر کہتے ہیں۔ تب بھی میں ان کی بقاء کی دعائیں مانگتا ہوں۔ کیونکہ گو وہ مسائل میں غلو کریں اور مجھ کو برا کہیں۔ لیکن وہ تعلیم تو قرآن و حدیث ہی کی دیتے ہیں۔ ان کی وجہ سے دین تو قائم ہے۔ میں ان کو دہریے مدعیان اسلام کے مقابلہ میں ہزار درجہ غنیست سمجھتا ہوں۔ جو سرے سے دین کو اڑانا چاہتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ اس وسعت دلائل میں میری کوئی ذاتی مصلحت نہیں۔ بلکہ اس کا منشاء محض حفظ حدود ہے۔"

صرف حصہ آنے کے بناء برترحم ان کی اصلاح و ہدایت کیلئے دعا بھی دل سے نکلتی ہے۔

اسی طرح باوجود بیک منگوں کے پیشہ سے نفرت ہونے کے انہی یہ صفت پسند ہے کہ بیچارے سب کیلئے ہر حال میں دعا گو ہیں۔ اور سوائے مانگنے کے اور کسی فتنہ انگیزی۔ شور و ہسار یا فرقہ بندی میں شامل نہیں۔ بس اپنے بھیک مانگنے سے کام لے رہے۔

اسی طرح گو کفار پر اعتقاداً اور ایک کافی حد تک طبعاً بھی حصہ ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ نگوہنی حیثیت سے اس میں بھی حکمتیں ہیں۔ غیظ طبعی میں اعتدال رہتا ہے۔

تحقیق و استدلال کا یہ درجہ بھلا کے نصیب!

ارباب علم و فکر

بصیرت محض مطالعہ سے پیدا نہیں ہوا کرتی۔ اس کے لئے اہل اللہ کی صحبت بھی ضروری ہوتی ہے۔ اس وقت جو نئے نئے فتنے پیدا ہو رہے ہیں وہ سب اہل بصیرت کے فقدان کا نتیجہ ہیں۔ اور ان کے بانی تمام تروہی مٹکریں ہیں۔ جنہوں نے کسی صاحب علم و نظر کے سامنے زانوائے ادب تہہ نہیں کئے۔ بلکہ صرف کتابی مطالعہ ہی ان کے علم و فکر کا منبع و ماخذ ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی نظر میں وسعت تو پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر عمق پیدا نہیں ہوتا اس لئے حضرت فرماتے تھے کہ:

"آج کل رسالوں کے باعث لوگوں میں کتب بینی کا مذاق بہت پھیل گیا ہے۔ اور معمولی طالبعلم بھی خوب خوب کتابیں پڑھنے لگے ہیں۔ لیکن نظر کی وسعت نے نظر کے عمق کو خارت کر دیا ہے۔ لوگوں کی نظریں پھیلی ہوئی تو بہت ملتی ہیں۔ لیکن گہری نہیں ہوتیں۔ صرف سطح پر رہتی ہیں۔ اپنے مصائب اور مقالات

پیران زر

دنیا نے تصوف میں ایسے "پیران پارسا" کی بھی کمی نہیں۔ جنہوں نے تصوف کی "دکانیں" کھول رکھی ہیں۔ اور جن کا مقصود حیات صرف لوگوں کی جیبوں پر ہاتھ صاف کرنا ہے۔ ان کے متعلق حضرت تھانوی فرماتے تھے کہ:

"ان کھاؤ کھاؤ پیروں پر بھی مجھے رحم ہی آیا کرتا ہے کہ بیچارے اور تو کسی کام کے نہیں۔ آخر کیا کریں۔ پیٹ تو پالنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں کھانے پینے کو دے رکھا ہے۔ ورنہ اگر کھانے پینے کو نہ ملتا تو خدا جانے ہم بھی کس حال میں ہوتے۔ اور ہماری نیت بھی کیسی ہو جاتی۔ یہ استغنا بھی پیٹ بھر نے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ابتلاء و امتحان سے محفوظ رکھے۔ گو عقلاً و اعتقاداً میں ان کے طریقہ کو برا سمجھتا ہوں۔ لیکن طبعاً ان پر رحم بھی آتا ہے۔ جس کا یہ اثر ہے کہ بجائے

میں حوالے تو خوب دے دیتے ہیں کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ پر یوں لکھا ہے لیکن فہم سائل کی استعداد نہیں بڑھتی۔ سمندر سے موتی وہی نکال کر لاسکتے ہیں۔ جو گہری غواصی کر سکتے ہوں۔ محض سطح سمندر پر دوڑ نک تیرتے ہوئے چلے جانے سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اگلے علماء مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ کے پاس کتابوں کا ذخیرہ بہت ہی کم تھا۔ لیکن نکتے کیسے کیسے ان حضرات نے پیدا کئے۔" (حکیم الامت ص ۳۰۰)

جو "مفکرین" فقہاء و صوفیاء کے خلاف محاذ قائم کئے ہوئے ہیں۔ وہ سب ظاہر بین ہیں ان کی نظر میں گو وسعت ہے مگر عمق نہیں۔ بصیرت کے فقدان کے ساتھ ان کی آنکھوں پر خود بینی کی عینک بھی چڑھی ہوئی ہے۔ اور ان کے دلوں میں خود غرضی اور ہوس اقتدار کا رفرما ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ان حضرات کے مقامات کو نہیں پہچان سکتے۔ جن کے متعلق حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ:

فقہاء و صوفیاء

"میرے دل میں حضرات صوفیہ کا تو ادب بڑے بھائی کا سا ہے اور حضرات فقہاء کا ادب باپ کا سا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی حضرات صوفیاء کے ساتھ چھوٹے بچے کا سا معلوم ہوتا ہے۔ اور حضرات فقہاء کے ساتھ بڑے لڑکے کا سا۔ کہ حرکتیں تو بچے کی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ اور اس کو بہت سی باتوں میں غیر مکلف سمجھا جاتا ہے۔ لیکن کام بڑے لڑکے سے ہی لیا جاتا ہے۔"

یہ فقہاء درحقیقت امت کے عقلاء اور ملت کے حکماء ہوتے ہیں۔ نظم ملت انہی کے دم سے وابستہ ہے۔ انہوں نے اگر کتاب و سنت کی روشنی میں عقلی۔ منطقی قاعدوں کے ماتحت اور فطرت بشری کے روزانہ تجربوں کی مدد سے اتنے جزئیات ہر شعبہ زندگی کے متعلق نہ مرتب کر دیئے ہوتے تو آج ہم لوگ خدا معلوم کہاں کہاں بھٹکے پھرتے ہوتے۔ اور امت منتشر ہو کر کیسی کیسی گمراہیوں میں بٹ

چکی ہوتی۔ فقہاء و صوفیاء دودنوں درحقیقت اسلام کی فوج کے اہم بازو ہیں، رہے ان کے "بدنام کنندہ نگو نامے چند۔" تو ظاہر ہے کہ کس گروہ میں ایسے لوگ نہیں ہوتے یا نہیں ہو سکتے۔ رائے ہر گروہ کے بہترین ہی نمائندوں سے قائم کرنی چاہیے۔ نہ کہ ان کے بدترین نمائندوں کو دیکھ کر۔"

(حکیم الامت ص ۸۸)

علماء کرام

بعض تعلیم یافتہ فتنہ پرداز علماء کرام کی عزت و عظمت پر ہاتھ ڈالنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ اور اس طرح وہ اسلام کی یخ کنی کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ بقول حضرت تھانوی:

"صوفیاء سے زیادہ علماء کی ضرورت ہے۔ کیونکہ انہی کی بدولت انتظام دین قائم ہے۔ ورنہ کسی کو احکام دین اور ان کے حدود کا ہی پتہ نہ چلے۔ درویشی تو اس کے بعد کی چیز ہے۔ میرے قلب میں محبت تو درویشوں کی زیادہ ہے۔ مگر عظمت علماء کی ہے۔"

اہل حدیث

بعض ارباب عرض ذاتی یا سیاسی ضرورتوں کے ماتحت اکثر مقلد و غیر مقلد کے مباحثے و مناظرے کرا کر فضا کو خراب کرتے رہتے ہیں۔ اور بعض تنگ نظر حضرات اہلحدیث کو اچھی نظر سے نہ دیکھنے کے عادی ہیں۔ مگر حضرت تھانوی اہلحدیث حضرات کو برا نہ کہتے تھے۔ بلکہ بعض شرائط کے ماتحت انہیں بیعت بھی کر لیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ:

"اگر یہ بدگمانی اور بدزبانی نہ کریں۔ تو خیر یہ بھی سلف کا ایک طریق

(خاتمۃ السونج ص ۲۴)

اس صاحبِ قال کو کیا علم تھا کہ "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد مولانا موصوف اس تحریک میں شریک رہ کر اور اس میں قابلِ اعتراض امور کا خود مشاہدہ کر کے ذاتی تجربہ کے بعد اس سے الگ ہو گئے اور بزبانِ حال اعتراف کر لیا کہ:

اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله

ان کی علیحدگی کی خبر سن کر خود ہم نے بھی انہیں اس کی وجہ معلوم کرنے کیلئے خط لکھا کہ کیا آپ اس جماعت کے امیر میں روحانیت کی بجائے انانیت دیکھ کر تو علیحدہ نہیں ہوئے تو مولانا موصوف نے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۷ شوال المکرم ۱۳۶۳ھ میں لکھا کہ

محترمی سلام مسنون

"جماعت اسلامی کے نظام سے میری علیحدگی کے بارے میں آپ کا فکر ایک حد تک صحیح ہے۔"

محمد منظور نعمانی

اس واقعہ کے دس بارہ سال بعد ہونے والے واقعات نے بھی حضرت کے ارشاد کی طرف بحرف تائید کر دی۔ جس سے اخبار بین طبقہ بخوبی واقف ہے۔ غرضیکہ ذکر و فکر میں بھی حضرت تھانوی کے ہاتھ سے اعتدال کا دامن نہیں چھوٹتا تھا۔

ہے۔ گو خلف کا قیاس سلف پر اس باب میں مع الفارق ہے۔ مجھ سے متعدد غیر مقلد بیعت بھی ہیں۔ میں اس میں سخت نہیں ہوں۔ انہیں بھی بیعت کر لیتا ہوں۔ بشرطیکہ تقلید کو جائز سمجھتے ہوں۔ گو واجب نہ سمجھتے ہوں۔ مگر معصیت بھی نہ سمجھتے ہوں۔ لیکن جس کو دل ملنا کھتے ہیں۔ وہ باوجود قلب کو متوجہ کرنے کے بھی نہیں ہوتا۔ ان کی نیکی میں شک نہیں۔ لیکن نیکی بدرجہ محبوبیت نہیں۔ کیونکہ ان حضرات میں عمد آداب کی کمی ہوتی ہے۔ بیوک ہوتے ہیں۔ اور تقویٰ کا اہتمام بھی بہت کم کرتے ہیں۔ جس سے ایک گونہ انقباض ہوتا ہے۔"

جماعت اسلامی

سیاسی اغراض کیلئے اسلام اور قرآن کے نام پر ثنوں نما پانے والے فتنوں کی داغ بیل حضرت تھانوی کے زمانہ میں ہی پڑ چکی تھی۔ اگرچہ حق تعالیٰ نے آپ کو ان کے مہلک اثرات دیکھنے سے قبل اٹھایا تھا۔ مگر آپ کی نظر فراست سے انہی فتنہ سامانیاں او جمل نہ تھیں۔

مودودیہ کا صلح فتنہ آپ کے زمانہ میں ہی پر پرزے نکال چکا تھا۔ حامیانِ دین متین اور شیدائیانِ اسلام کے لئے یہ بڑی کشش کا باعث بن رہا تھا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی "دینی خدمات" کو بہت سراہا جا رہا تھا۔ اور ظاہر بین اور خوش فہم لوگوں نے ان سے بہت سی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔

لکھنؤ کے مشہور ماہنامہ "الفرقان" کے ایڈیٹر اور جماعت اسلامی کے سابق رکن مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے مودودی صاحب کی تحریک اسلامی میں شرکت اور اس کے موافق شریعت ہونے کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے حضرت کی خدمت میں بریلی سے آنا چاہا۔ اور اجازت چاہی۔ تو حضرت نے صاف لکھ دیا کہ:

"اگرچہ کوئی اعتراض شرعی لحاظ سے بظاہر نہ وارد کیا جاسکے۔ لیکن میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا۔ یہ ہی زبانی بھی عرض کر دوں گا۔ لہذا اس ضرورت

تخیل پاکستان

داستان پاکستان
پاکستان کے لفظ سے دنیا پہلی مرتبہ ستمبر ۱۹۳۰ء میں چودھری رحمت علی ہوشیار پوری کی زبانی آشنا ہوئی۔ جبکہ چند نوجوانوں کو لندن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شمالی ہند کے ایک حصہ کو ہندوستان سے الگ کیا جائے۔
ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قیام کا خیال علامہ اقبال نے مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الہ آباد میں اپنے خطاب میں ملے۔ جس کا ۲۳ مارچ ۱۹۳۰ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس صدارت کے دوران میں ظاہر کیا۔ جس کا ۲۳ مارچ ۱۹۳۰ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں ملی نصب العین کے طور پر ایک قرارداد کے ذریعہ باقاعدہ مطالبہ کیا گیا۔ مگر علامہ اقبال کے خطبہ اور لاہور قرارداد میں لفظ پاکستان کہیں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ اسے ہندو اور برطانوی پریس نے مسخر و استہزاء کے طور پر اچھالا۔ جو قائد اعظم کی کوششوں سے ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو حقیقت بن کر منصفہ شہود پر آگیا۔

تاریخی مغالطہ

اسلامی سلطنت کے قیام کا جو خیال علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے متذکرہ بالا اجلاس میں پیش کیا تھا۔ بالکل وہی خیال ان سے بہت پہلے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اپنی مجلس عام میں کئی بار ظاہر فرما چکے تھے۔ بلکہ اس کا مکمل خاکہ اور حصول کا پروگرام بھی بنا چکے تھے۔ جون ۱۹۲۸ء میں مولانا محمد علی جوہر مرحوم (جو

ابتدائی کانگریس کے بہت بڑے حامی تھے) کے معتمد خاص بلکہ دست راست حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ کے مرید یا تمیز مولانا عبدالمجید دریابادی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں پہلی مرتبہ تھانہ بھون حاضر ہوئے۔ اور اپنی اس اولین ملاقات کا حال اپنی کتاب "نقوش و تاثرات" میں ان الفاظ میں درج کیا۔

"۱۹۲۸ء تھا۔ اور مخاطب روزنامہ "ہمدرد" کا ڈائریکٹر تھا۔ صبح اور دوپہر کی طویل صحبت میں سیاسی پہلوؤں پر گفتگو آجانا ناگزیر سا تھا۔ گفتگو آئی۔ حضرت نے اتنی معقولیت سے کی کہ ساری بدگمانیاں کا فور ہو کر رہیں۔ کون کہتا ہے کہ حضرت گورنمنٹی آدمی ہیں۔ لاجل و لا قوۃ۔ جس نے بھی ایسا کہا جان کر یا بے جانے۔ بہر حال جھوٹ ہی کہا۔ یہ تو خالص مسلمان کی گفتگو تھی۔ مسلمان بھی ایسا جو جوش دینی اور غیرت ملی میں کسی "خلافتی" سے ہرگز کھم نہیں۔ پاکستان کا تخیل۔ خالص اسلامی حکومت کا خیال یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں۔ پہلے پہل اس قسم کی آوازیں یہیں کان میں پڑیں۔ بس صرف حضرت کو ہم لوگوں کے اس وقت کے طریق کار سے پورا اتفاق نہ تھا۔ لیکن یہ اختلاف کچھ ایسا بڑا اختلاف نہیں۔ نفس مقصد یعنی حکومت کا فرانہ سے گلو خلاصی اور دارالسلام کے قیام میں تو حضرت ہم لوگوں سے کچھ پیچھے نہ تھے۔ عجب نہیں جو کچھ آگے ہی ہوں۔ حضرت کی گفتگو میں یہ جزا لکل صاف تھا۔ حضرت کو حکومت وقت سے جو مخالفت تھی۔ وہ اس کے "کافرانہ" ہونے کی بنا پر تھی۔ نہ کہ اس کے بدیسی یا غیر ملکی ہونے کی بنا پر۔" (نقوش و تاثرات ص ۲۳)

یہ اعتراف و انکشاف ہندوستان کے اس مرد مجاہد کا ہے۔ جو شروع شروع میں سیاسی لحاظ سے حضرت تھانوی کے ہم خیال نہ تھے۔ بلکہ کانگریس کی حامی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اور آج ارباب کانگریس کو بالخصوص اور عام دنیا کو بالعموم "بہی باتیں" سنانے میں ہندو پاکستان کے اندر اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ممکن

۱۷۶
ہے آپ کے لئے ان کا یہ انکشاف موجب حیرت ہو۔ کیونکہ یہ بات علامہ اقبال کے اظہار کے پورے پچیس سال بعد منظر عام پر لائی جا رہی ہے۔ مگر کسی بات کا علم نہ آنا اس کے غلط ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ اور نہ واقعات انسان کی طرح جھوٹ بول سکتے ہیں۔ اور نہ ہی ان کو عقیدت کے پردہ میں زیادہ دیر تک چھپایا جاسکتا ہے۔

حضرت تھانوی ان "رہنماؤں" میں سے تھے جو اپنی "ملکی و ملی خدمات" اور اپنے حقیقت افروز بیانات "اخبارات میں شائع کرنے کیلئے کوشاں رہتے ہیں۔ بلکہ وہ تو ایک ایسے رہنما اور مصلح تھے۔ جو انبیائی طریق پر نہایت خاموشی کے ساتھ اصلاح امت اور خدمت خلق میں مصروف تھے۔ جو ایسی خدمات کا اظہار نمود و نمائش اور ریا میں داخل سمجھتے تھے۔ اور اسی لئے وہ اپنی سولج حیات کا لکھا جان بھی پسند نہ کرتے تھے۔ جس کی تفصیل "سیرت کی صورت" میں آچکی ہے۔ مورخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ہیں:

"یہ مرد درویش ایک پرانے قصبہ کی ایک کھنہ مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا۔ مسلمانوں کے سارے احوال اور ان کی زندگی کے ہر شعبہ پر نظر ڈال کر حق و باطل نیک و بد اور صحیح و غلط کے درمیان تفرقہ کی لکیر بنانے میں مصروف تھا۔ اس کے سامنے دین کی صحیح مثال تھی اور اس کو دیکھ دیکھ کر موجودہ زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں غلطیاں تھیں وہ ان کے درست کرنے میں مصروف تھا اس نے پوری زندگی اس امر میں صرف کر دی کہ مسلم کی تصویر حیات کو اس شبیہ کے مطابق بنادے۔ جو دین حق کے مرقع میں نظر آتی ہے۔" (جامع الجہدین ص ۲۸)

بنائے پاکستان

مفکر اسلام علامہ اقبال کی لوگوں کے دلوں میں عظمت ان کی اسلام آموز شاعری کی وجہ سے ہے مگر ہمارے دل میں ان کی عزت اس نور معرفت کی وجہ سے ہے۔ جو ان کی شاعری کی روح ہے۔ اور جسے وہ اسلامی تعلیمات کا نتیجہ قرار دیتے

ہیں۔ اور اسی پر انہوں نے اپنے نظریہ پاکستان کی بنیاد رکھی ہے۔ وہ اپنے مذکور الصدر تاریخی خطبہ صدارت میں لگی لپٹی رکھے بغیر اس بات کا صاف طور پر اعتراف کرتے ہیں کہ:

"اسلام پر ابتلاء و آزمائش کا کبھی ایسا وقت نہیں آیا۔ جیسا کہ آج درپیش ہے۔"

اسی ابتلاء کے وہ دو سبب بتاتے ہیں:

الف: "ہندوستان کے مسلمان اس وقت دو عوارض کا شکار ہو رہے ہیں۔ پہلا عارضہ یہ ہے کہ اہم شخصیتوں کا وجود نہیں۔ سر میکم ہیلی اور لارڈ ارون کی شخصیت بالکل صحیح تھی۔ جب انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ "ملت اسلامیہ نے کوئی رہنما پیدا نہیں کیا۔" رہنماؤں سے میرا مطلب وہ افراد ہیں۔ جن کی اعانت ایزدی یا اپنے وسیع تجربات کی بدولت ایک طرف یہ اور اک حاصل ہو کہ اسلامی تعلیمات کی روح اور تقدیر کیا ہے دوسری طرف ان میں یہ صلاحیت موجود ہو کہ وہ جدید حوادث کی رفتار کا اندازہ صحت کے ساتھ کر سکیں۔ یہی لوگ ہیں۔ جن پر کسی قوم کی قوت عمل کا انحصار ہوتا ہے۔"

ب: دوسرا مرض جو مسلمانوں کے اندر گھر کر چکا ہے۔ یہ ہے کہ ان میں اطاعت کا مادہ نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ آج متعدد افراد اور متعدد جماعتیں الگ الگ راہوں پر گامزن ہیں۔ اور اس سے قوم کے عام افکار اور اس کی عام سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

اس ابتلاء سے بچنے کی وہ یہ صورت بتلاتے ہیں:

"مسلمانان ہند اس وقت اپنی زندگی کے نازک دور میں سے گزر رہے ہیں۔ اس کیلئے کامل تنظیم اور اتحاد عزائم و مقاصد کی ضرورت ہے (کیونکہ) ایک سبق جو میں نے تاریخ اسلام سے سیکھا ہے۔ یہ ہے کہ آڑے وقتوں میں اسلام ہی نے مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا ہے۔ مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی۔ اگر آج اپنی نگاہیں پھر اسلام پر جمادیں اور اسکے زندگی بخش تخیل سے متاثر ہوں تو

۱۷۸
آپ کی منتشر اور پراگندہ قوتیں از سر نو جمع ہو جائیں گی اور آپ کا وجود ہلاکت و
بربادی سے محفوظ ہو جائے گا۔"

اسی لئے وہ اکابر قوم کو دعوت دیتے ہیں کہ:
"تمام سربر آوردہ مسلمانوں کا خواہ ان کے خیالات کچھ بھی ہوں۔ فرض ہو
گا کہ وہ ایک جگہ جمع ہوں اور صرف قرار وادب منظور نہ کریں۔ بلکہ اپنے مقاصد میں
کامیابی کے حصول کیلئے مسلمانوں کے لئے کوئی راہ عمل پیش کریں۔"
تاکہ قوم کو اس دور ابتلا و آزمائش سے نکالا جائے۔

راہ عمل

دیکھنا یہ ہے کہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء سے قبل کسی دوسرے رہنما کو بھی ایسی
حالات کا احساس ہوا اور اس نے قوم کے سامنے کوئی ایسی راہ عمل پیش کی جس
کے لئے علامہ اقبال نے اکابر قوم کو دعوت دی تھی۔ اس سوال کا جواب ہمیں
حضرت تھانوی کے ایک ملفوظ اور ایک مکتوب سے ملتا ہے۔
عین اس زمانہ میں جبکہ جنگ پاکستان شباب پر تھی اور اطراف و اکناف ہند
سے روزانہ دربار اشرفیہ میں لیگی اور غیر لیگی حضرات کی طرف سے رہنمائی کی
درخواستیں پہنچ رہی تھیں۔ حضرت تھانوی سے سوال کیا گیا۔ وہ کون سے اسباب
ہیں کہ جن کو اختیار کرنے سے مسلمان موجودہ پستی اور تنزل سے نجات حاصل کر
سکتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

بفصلہ تعالیٰ ایسی تدابیر موجود ہیں اور ان کو ضبط کر کے رفاہ عامہ کیلئے شائع
بھی کر دیا گیا ہے۔ ابھی کچھ عرصہ ہوا کہ میں نے مسلمانوں کی موجودہ تباہی و بربادی
سے بے چین ہو کر دو کتابیں تصنیف کی تھیں۔ جن میں سے ایک کا
نام..... صیانتہ المسلمین ہے اور دوسری کا نام حیات المسلمین۔ ان دو
کتابوں کے اندر میں نے ان مصائب کا جو اس وقت مسلمانوں پر آرہے ہیں۔

پورا پورا علاج کر دیا ہے۔ مسلمان پہلے ان ہی دو کتابوں پر پورا عمل کر کے
دیکھیں کہ ان کو کتنا نفع ہوتا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ عمل تو کرتے نہیں۔ پس
شکایت کرتے ہیں کہ علماء ہماری طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ ہماری ربربری نہیں
کرتے۔"

(ملفوظ نمبر ۳۰ از ملفوظات حصہ ششم)

مسلم لیگ کا دعوت نامہ

۲۳ تا ۲۶ اپریل ۱۹۳۳ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا دہلی میں اجلاس شروع
ہونے والا تھا۔ اس تاریخی اجلاس میں شرکت کیلئے ارکان مسلم لیگ نے حضرت
تھانوی کی خدمت میں ایک خصوصی دعوت نامہ بھیجا تا کہ آپ آکر ہمیں ہدایات
دیں۔ جس کے الفاظ یہ تھے:

"آپ اس موقع پر خود دہلی تشریف لا کر اپنے ارشادات سے مجلس کو
ہدایت دیں تو بہتر ہو۔ لیکن اگر حضور تشریف نہ لاسکیں۔ تو اپنے نمائندہ کو بھیج
کر مشکور فرمادیں اور دعا فرمادیں کہ اللہ پاک اس اجتماع کے رعب سے غیر مسلموں
کے دلوں کو مسحور کر دے اور ہمارا مطالبہ پاکستان منوادرے۔ تاکہ سلطنت اسلامی
قائم ہو سکے۔ الخ (خاتمۃ السوانح ص ۸۵)

یہ حضرت تھانوی کی وفات سے تین ماہ قبل کا واقعہ ہے۔ جبکہ آپ ضعیف
اور مرض کی شدت میں مبتلا تھے۔ اس لئے بہ امر مجبوری آپ نے شرکت اجلاس
سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے اس کو یہ تاریخی خط لکھا:

حضرت تھانوی کا جواب

ازناکارہ۔ آوارہ۔ ننگ اناام۔ اشرف برائے نام

بخدمت ارکان مسلم لیگ نصرہم اللہ و نصرہم اللہ
 السلام علیکم۔ لیگ کے عزائم معلوم کر کے اس آیت پر عمل کی توفیق

ہوئی

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا

لیکن اس کے ساتھ ہی عذر نہ ہوتا۔ تو اس آیت پر بھی عمل ہوتا۔

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا

لیکن عذر کے سبب اس رخصت پر عمل کی اجازت مل گئی۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ

مَا يَنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ

لیکن اس کے ساتھ ہی اس آیت کا شرف حاصل ہو گیا۔ کہ اپنی دو کتابوں کا پتہ

دیتا ہوں۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے پیامِ

ہے۔ ایک حیات المسلمین۔ شخصی اصلاح کیلئے۔ دوسری صیانتہ المسلمین۔ جمہوری

نظام کے لئے۔ ان کے مضامین اپنے موضوع میں گورنگین نہیں مگر سنگین ہیں۔

جن میں وہی فرق ہے جو ذوق و غالب کے اشعار میں اور حکیم محمود خاں۔ حکیم محمد

صادق خاں کے نسخوں میں۔ اور نمائندہ وہ کام نہیں کر سکتا۔ جو یہ کتابیں کر سکتی

ہیں مگر عمل شرط ہے۔ جیسے اعلیٰ درجہ کا ماہر لکھ بولتوں میں بھرا ہوا قیمتی ہے۔ مگر

نتیجہ خیر نہیں۔ اس کا نفع اس وقت ظاہر ہو گا۔ جب حلق سے اترے گا۔ ورنہ

بدوں عمل یہ سب کوششیں اس کا مصداق ہوں گی۔ نشستند و گفتند و برخاستند۔

باقی دعا ہر حال میں خصوص ان تاریخوں میں زیادہ اہتمام سے جاری رکھوں گا۔

بقول کسی شاعر کے

لا خیل عندک تہدیہا ولا مال

فلیسعد النطق ان لم یسعد الحال

ترجمہ: یعنی تیرے پاس امداد کرنے کے لئے گھوڑے ہیں نہ مال ہے ایسی

حالت میں تیری زبان (نطق) تو کام دیتی ہے۔

نوٹ:

میں دونوں کتابیں اگر یہاں مل گئیں۔ تو ۱۲۲ میل کو ڈاک سے ہدیہ

روانہ کر دوں گا۔ ورنہ دہلی کے کسی کتاب خانہ تجارتی سے تلاش کی جائیں۔ والسلام

بعد تحقیق معلوم ہوا کہ حیات المسلمین بلا قیمت جاسکتی ہے۔ سو اس کا نسخہ

روانہ کر رہا ہوں۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ صیانتہ المسلمین یہاں نہیں ہے لہذا وہاں تلاش

کرائی جائے۔" (احقر اشرف علی تھانہ بھون (بمواہ صدر)

یہ دونوں کتابیں اسی دعوت کی داعی ہیں جو حضرت تھانوی نے مسلم لیگ

کو ۱۹۳۸ء میں اپنے پیغام میں دی تھی کہ:

"جنگ آئینی ہو یا غیر آئینی۔ مسلمانوں کو بجز خدا کے کسی کی امداد کی

ضرورت نہیں۔ اور امداد الہی کی شرط احکام الہی کی پابندی ہے جس کا سینکڑوں برس

تجربہ کیا جا چکا ہے۔ جب تک مسلمان سچے مذہبی دیوانے بنے رہے۔ دنیا ان

کی جوتیوں سے لگی رہی اور جوں جوں اس میں کمی آتی گئی۔ مسلمان ترقی سے محروم

ہوتے گئے۔" (آثار رحمت ص ۱۰۹)

وحدت خیال

اباب مسلم لیگ نے اسلامی سلطنت قائم کرنے کے سلسلہ میں حضرت

تھانوی سے جو ہدایات طلب کیں۔ ان کے جواب میں حضرت تھانوی اپنی دو

مذکورہ الصدر کتابیں پیش کرتے ہیں۔ جو

الف۔ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے پیام عمل ہیں۔ اور

ب۔ جن میں وہ راہ عمل مذکور ہے۔ جس کے متعین کرنے کیلئے علامہ

اقبال نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو اکابر قوم کو سر جوڑ کر بیٹھنے کی دعوت دی تھی۔

ج۔ جو انہی حالات سے متاثر ہو کر لکھی گئیں۔ جن کا علامہ اقبال نے مذکورہ

بالا تاریخ کو لیگ کے تاریخی اجلاس میں اظہار کیا تھا۔ جیسا کہ ان کتابوں کے

دیباچوں کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے ظاہر ہے۔

حیات المسلمین کے دیباچہ میں آپ لکھتے ہیں:

"اس وقت مسلمانوں پر عالم میں عموماً اور کشور ہند میں خصوصاً مصیبتوں پر مصیبتیں اور بلاؤں پر بلائیں نازل ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ مگر نہ ان کی طرف ان کے ذہن کو مطلق التفات ہوتا ہے نہ ان کی زبان پر اس کا نام آتا ہے۔ نہ ان کے قلم سے یہ مضمون نکلتا ہے۔ اگر کسی کو علاج و تدبیر کی طرف توجہ ہوتی ہے تو وہ نئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ جن کے متعلق کئی کھٹ یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ مرض کے خلاف ہوتے ہیں۔ جو مزاج میں بجائے درستی کے کادرتی پیدا کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان مصائب کی تشخیص میں ان کو نصوص الہیہ و نبویہ (قرآن و حدیث) کی پوری تصدیق نہیں ہوتی۔"

صیانتہ المسلمین کے شروع میں درج ہے کہ

"ہمارے بھائیوں میں اجتماع۔ اتفاق۔ تنظیم قریب قریب مفقود ہے۔ اسلئے ہر مسلمان بجائے خود اپنے کو تنہا دیکھ کر اپنے ضعف سے پریشان ہے۔ ورنہ اہل باطل کے مقابلہ میں اہل حق کی پریشانی کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا اور اگر کہیں برائے نام تنظیم ہے تو اس سے محض اغراض دنیویہ مقصود ہیں۔ بلکہ اکثر تو دین کو ان اغراض میں مغل سمجھ کر اس سے اعراض کرتے ہیں۔ مسلمانان ہند جن پریشانیوں میں مبتلا ہیں ان میں دو طریق مشروع ہیں۔ ایک ضغفاء کے لئے کہ سکوت محض سے کام لیں۔ نہ حفاظت کا کوئی سامان کریں۔ نہ مدافعت کا اہتمام کریں۔ دوسرا قریاء کے لئے کہ حفاظت و مدافعت کی تدبیر کریں اپنے لئے بھی اور اپنے مسلمان بھائیوں کیلئے بھی۔"

اسی زمانہ اشاعت صیانتہ المسلمین میں آپ نے فرمایا:

"کانگریس ایک منظم جماعت ہے اور اہل حق کی کوئی منظم جماعت نہیں۔ ہر شخص تنہا ہے اس لئے ہر شخص خوف زدہ ہے۔ ضرورت اسکی ہے کہ اہل حق کے اندر ایک جماعت ایسی منظم ہو جو ان ظالموں (ہندوؤں) کو دفع کر سکے (کیونکہ) ان لوگوں کی اتنی جرات بڑھ گئی ہے کہ بعض مقامات پر مسلمانوں پر یہ لوگ چڑھ

آئے ہیں۔ اور حملہ کر دیا۔ حالانکہ مسلمان کا کوئی قصور نہ تھا بیچارے مسلمان حیران و پریشان تھے اور کچھ نہ کر سکے۔ اس لئے مسلمانوں کو ضرور اپنی حفاظت کا سامان کرنا چاہیئے۔ ورنہ ان لوگوں کی جرات بڑھ گئی۔ تو پھر مسلمانوں کا جان و مال سب خطرہ میں ہے مگر اب مشکل یہ ہے کہ ایسی منظم جماعت آئے کہاں سے۔"

(جمہوری نظام ص ۲۵-۲۶)

حیاء المسلمین اور صیانتہ المسلمین کی ان وجوہ تصنیف کو اگر علامہ اقبال کے ان ارشادات کے آئینہ میں دیکھا جائے جو شروع میں نقل کئے گئے ہیں۔ تو یہ دونوں حکمائے امت تشخیص مرض اور تجویز علاج میں متفق اللسان نظر آتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت تھانوی جن خطوط پر مسلمانوں کی بہبودی اور مستقبل کے متعلق راہ عمل تجویز کر چکے تھے۔ اس کی طرف علامہ اقبال کا ذہن بعد میں کار فرما ہوا۔

اس مرحلہ پر یہ ذکر بے جا نہ ہو گا کہ حضرت تھانوی جن خطرات کو جولائی ۱۹۳۰ء میں دیکھ رہے ہیں۔ قوم نے اٹکا خونین نظارہ پورے سترہ سال بعد اگست ۱۹۴۷ء میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

شرف اولیت

اب صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ حضرت تھانوی نے اپنی جن دو کتابوں کو حصول پاکستان اور بھائیوں کے لئے بطور راہ عمل میں پیش کیا ہے۔ وہ کب منظر عام پر آئیں۔

ملکی اور ملی حالات کے برسوں مشاہدہ اور جائزہ کے بعد حضرت تھانوی نے مسلمانوں کی شخصی اصلاح کیلئے وسط ۱۹۲۵ء سے حیاء المسلمین لکھنی شروع کی جو اڑھائی سال میں لکھی گئی۔ اور مورخہ ۲۷ نومبر ۱۹۲۷ء کو جیسا کہ اسکے دیباچہ کی

تاریخ سے ظاہر ہے) مکمل ہو کر ۱۹۲۸ء کے آغاز میں شائع ہوئی۔ صیانتہ المسلمین جو جمہوری نظام کے متعلق تھی۔ جولائی ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔ جیسا کہ اس کے اختتامی نوٹ کی تاریخ سے ظاہر ہے۔

یہ تاریخیں صاف بتلا رہی ہیں کہ جن مصائب کا علاج حضرت تھانویؒ نے ۱۹۲۸ء یا جولائی ۱۹۳۰ء میں تجویز فرمایا چکے تھے انہی مصائب کا علاج سوچنے کے لئے علامہ اقبال ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو اکابر قوم کو دعوت دے رہے تھے۔

نظام پاکستان کا خاکہ

اس مرحلہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت تھانویؒ بھی ویسا ہی نظام پاکستان چاہتے تھے۔ جس کا نقشہ علامہ اقبال اور قائد اعظم نے اپنے خطبات و اعلانات میں پیش کیا تھا اور جس کا قوم آج تک مطالبہ کر رہی ہے۔

اس سوال کا جواب حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی اس اولین ملاقات کی تفصیل سے ملتا ہے جو انہوں نے جون ۱۹۲۸ء میں حضرت تھانویؒ سے کی اور جس کے ضمن میں انہوں نے لکھا کہ:

"پاکستان کا تخیل خالص اسلامی حکومت کا خیال یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں پہلے پہل اس قسم کی آوازیں یہیں کان میں پڑیں۔ حضرت کی گفتگو میں یہ جزو بالکل صاف تھا۔" (نقوش و تاثرات ص ۲۳)

ہماری درخواست پر اس "بالکل صاف جزو" کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا دریابادی اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۵۵ء میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت کو بعض معاصر علماء کی طرح "جنگ آزادی" "جنگ حقوق، "آزادی وطن" وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انکے سامنے مسئلہ سیاسی نہیں۔ تمام تردیدیں تھیں۔ وہ صرف اسلام کی حکومت چاہتے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں جب پہلی بار حاضری ہوئی۔ تو اس ملاقات میں حضرت نے دارالاسلام کی اسکیم خاصی تفصیل سے

بیان فرمائی تھی۔ کہ جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو۔ سارے قوانین تعزیرات وغیرہ کا اجراء احکام شریعت کے مطابق ہو بیت المال ہو۔ نظام زکوٰۃ رائج ہو۔ شرعی عدالتیں قائم ہوں۔ وقس علی ہذا۔ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے یہ نتائج کہاں حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس مقصد کیلئے تو صرف مسلمانوں ہی کی جماعت ہونی چاہیے۔ اور اسی کو یہ کوشش کرنی چاہیے۔"

گویا دربار اشرفیہ میں حصول و بقا پاکستان کا لائحہ عمل اور نظام پاکستان کا پورا نقشہ اس وقت پیش ہوا۔ جبکہ پاکستان چاہنے والوں کو ابھی اس کا خواب و خیال بھی نہ تھا۔ پھر لطف یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ نے اپنے دارالاسلام کا جو نقشہ پیش کیا تھا۔ قائد اعظم بھی اسی کے مطابق نظام پاکستان بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اگست ۱۹۳۱ء میں قائد اعظم جب حیدر آباد تشریف لے گئے۔ تو ان سے "اسلامی حکومت" کی وضاحت چاہی گئی۔ انہوں نے اس سوال کے جواب میں نوجوان طلباء کو بتایا کہ:

"اسلامی حکومت کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیے۔ کہ اس میں اطاعت اور وفائیت کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ جس کے لئے تعمیل کا مرکز قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمنٹ کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی و پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔" (حیات قائد اعظم ص ۴۲۸)

غرضیکہ

۱۔ انہی اصولوں پر قائد اعظم نے پاکستان کی جنگ لڑی۔

۲۔ انہی اصولوں کی حکومت کیلئے قوم نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ جو جنگ پاکستان کے ہر مرحلہ پر پوچھتی تھی کہ پاکستان کا مطلب کیا؟

تو اسے جواب دیا جاتا تھا۔ لا الہ الا اللہ
۳۔ انہی اصولوں کے مطابق (دربار اشرفیہ کے فیض یافتہ) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی کوششوں سے "قرارداد مقاصد" پیش ہوئی۔
۴۔ انہی اصولوں پر مجلس دستور ساز نے نظام مملکت کی بنیاد رکھی کہ آئندہ کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا۔ جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔ اور
۵۔ انہی اصولوں کی تعلیم مجلس دستور ساز نے مملکت کے مسلمانوں کے لئے لازمی قرار دی تھی۔ اور
۶۔ انہی اصولوں پر چلنے میں پاکستان کے بقاء کا راز مضمر ہے۔

عملی جدوجہد

حضرت تھانوی نے حصول پاکستان کیلئے راہ عمل یا نظام پاکستان کا خاکہ پیش کرنے پر ہی اکتفا نہ فرمایا تھا۔ بلکہ اس کے لئے عملی جدوجہد بھی اسی زمانہ سے شروع کر دی تھی۔

۱۔ سب سے پہلے آپ نے ہی ہندوستان میں اسلامی قوانین رائج کرنے کی مہم شروع کی تھی۔ جس کی تفصیل آپ کو "آئینی سرگرمیوں" کے باب میں ملے گی۔
۲۔ سب سے پہلے کانگریس کے خلاف اور مسلم لیگ کی حمایت میں جماعت علماء میں سے دربار اشرفیہ ہی سے اعلان جاری ہوا۔ جس کی تفصیل آپ کو "سیاسی کشمکش" کے باب میں ملے گی۔

۳۔ سب سے پہلے حضرت تھانوی نے مسلم لیگ کی تطہیر اور قائد اعظم میں تدین پیدا کرنے کی کوشش کی۔ جس کی تفصیل اگلے باب میں ملے گی۔ اور
۴۔ سب سے پہلے حصول پاکستان کے لئے جہاد کی تیاری بھی حضرت تھانوی نے فرمائی جسکی تفصیل درج ذیل ہے۔

جہاد کی تیاری

حضرت مولانا جلیل احمد صاحب علی گڑھی لکھتے ہیں کہ:

"احقر بعونہ تعالیٰ تقریباً تیرہ چودہ سال مستقل طور پر می السنۃ حکیم الامت مجدد الملت مرشدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ کے دربار گھر بار میں رہا اس عرصہ میں احقر نے وقتاً فوقتاً خود اس کا مشاہدہ کیا کہ جب مسلمانوں پر کفار کے ظلم و ستم کا بیان ہوتا۔ تو حضرت حکیم الامت پر ایک خاص کیفیت کا ورود و مشاہدہ کیا جاتا۔ آنکھیں سرخ نظر آنے لگتیں۔ اور حاضر باش کو بداحضہ محسوس ہوتا تھا کہ حضرت بے چینی کے ساتھ کسی چیز کے مستمنی اور کسی وقت کے منتظر ہیں۔ ایک بار قرب و جوار کے ایک مسلمان نے اپنی کسی مستعدی کا اظہار کیا۔ مسکرا کر فرمایا کہ اچھا اگر ضرورت ہوئی۔ تو تم سے جہاد کا کام لیں گے۔ اسی طرح ایک بار صوبہ سرحد کے ایک والی ریاست نے دوستانہ تعلقات کو وسیع کرنا چاہا۔ تو حضرت نے اس سے عذر فرمایا۔ مگر یہ بھی فرمایا کہ ہاں وقت آئے گا۔ تو آپ سے جہاد کا کام لیا جائیگا۔" (آثار رحمت ص ۱۰۷)

مرکز اور امام کی ضرورت

جہاد خواہ کسی نوع کا ہو۔ اس کے لئے مرکز اور امیر کا ہونا بڑا ضروری ہے۔ جس کے لئے حضرت تھانوی بڑے متفکر تھے۔ چنانچہ ۱۹۳۸ء میں جب مسلم لیگ کے نام آپ کے تاریخی پیغام کا مسودہ تیار کیا گیا تو مسودہ تیار کرنے والے مولوی صاحب نے اس میں ایک یہ فقرہ بھی لکھ دیا تھا کہ لوگوں کو جب نماز روزہ کی ترغیب دی جاتی ہے تو یورپ زدہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ خالی نماز روزہ سے کیا ہوتا ہے تو اس فقرہ کی تصحیح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"جیسے یہ غلط ہے کہ نماز روزہ کو کامیابی سے کیا دخل ہے۔ اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ خالی نماز روزہ کامیابی کیلئے کافی ہے۔ بلکہ دلائل اس کے شاہد ہیں کہ خالی نماز روزہ سے کبھی کامیابی نہیں ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ ایک دوسری چیز کی بھی ضرورت ہے۔ اور وہ چیز قتال جہاد ہے۔ کیا کہ میں نماز روزہ نہ تھا۔ بھلا

صحابہ سے بڑھ کر نماز روزہ کس کا ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود دیکھ لیجئے کہ مکہ کے اندر مسلمان اتنے دنوں تک رہے۔ لیکن غلبہ نہ ہوا۔ جب ہجرت ہوئی۔ قتال ہوا اس وقت غلبہ حاصل ہوا۔ تمام تاریخ اسلامی اٹھا کر دیکھ لو۔ کہیں اس کی نظیر نیلے گی کہ خالی نماز روزہ سے مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا ہو۔ البتہ ضروری نماز روزہ بھی ہے۔ غلبہ کی حیثیت سے نماز روزہ اور قتال میں فرق یہ ہے کہ اگر نماز روزہ تو شرط ہے غلبہ کی۔ اگر نماز روزہ اور اطاعت ہو گی۔ تو غلبہ ہو گا۔ اور جہاد صلت ہے غلبہ کی۔ گو نماز روزہ فرض عین ہے۔ اور جہاد فرض کفایہ ہے۔ مگر غلبہ کی صلت جہاد ہی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا غلبہ دونوں ہی چیزوں پر موقوف ہے۔ اور یہ میری رائے آج سے نہیں ہمیشہ سے ہے کہ جب تک طاعت کے ساتھ قتال نہ ہو گا۔ اس وقت تک مسلمانوں کو فلاح میسر نہیں ہو سکتی۔ اور جہاد کے لئے مرکز ضروری ہے۔ لہذا سخت ضرورت ہے کہ مسلمانوں کا کوئی مرکز قائم ہو۔ دوسری چیز یہ ہے کہ کوئی امیر المومنین ہو اور جس کو امیر المومنین بنایا جائے۔ اس کے اندر تین صفات ہوں۔ ایک تدین یعنی وہ دین دار ہو۔ دوسرے وہ سیاست سے واقف ہو اور تیسرے اس کے اندر ہمت ہو۔ اب مشکل یہ ہے کہ بعض کے اندر تدین تو ہے مگر سیاست سے واقفیت نہیں اور بعض کے اندر ہمت نہیں۔"

(آثار رحمت ص ۱۰۴)

چونکہ قائد اعظم کے اندر سیاست بھی تھی اور ہمت بھی۔ اس لئے آپ نے ان میں تدین پیدا کرنے کی طرف فوری توجہ مبذول فرمائی۔ تاکہ وہ ان تمام ضروری صفات سے مستصف ہو جائیں جو ایک امیر المومنین کے لئے ضروری ہیں۔

حضرت تھانوی کی یہ تمام جدوجہد ۱۹۴۰ء میں لاہور کے تاریخی اجلاس کے اندر قرار داد پاکستان پاس کرنے سے پہلے کی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت تھانوی نے نہ صرف سب سے پہلے پاکستان کا تخیل پیش کیا۔ بلکہ اسکے حصول کیلئے عملی جدوجہد کرنے والوں میں بھی آپ کا درجہ السابقون الاولون کا ہے۔

اصلاح معمار پاکستان

احساس تبلیغ

حضرت تھانوی کو جنہوں نے سب سے پہلے نظریہ پاکستان پیش کیا تھا۔ فراست معلوم ہو گیا تھا کہ پاکستان ایک نہ ایک دن معرض وجود میں آ کر رہے گا۔ جس کے حصول کا سہرا قائد اعظم کے سر ہو گا۔ مگر قائد اعظم انگریزی ماحول میں تعلیم و تربیت پانے کی وجہ سے دین کی تعلیم سے کما حقہ واقف نہ تھے۔ اور نہ ہی انکے رفقاء کار دیندار قسم کے لوگ تھے۔ اس لئے حضرت تھانوی نے محسوس کیا کہ جنگ پاکستان لڑنے والوں کو دین کی تبلیغ کی جائے اور انہیں کتاب و سنت کی پیروی کی تلقین کی جائے۔

اس غرض کیلئے آپ نے مئی ۱۹۳۸ء میں مولانا شبیر علی صاحب مہتمم خانقاہ امدادیہ کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ:

"مولا شبیر علی ہوا کارخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہو جاویں گے اور بھائی جو سلطنت ملے گی۔ وہ ان ہی لوگوں کو ملے گی۔ جن کو آج سب فاسق فاجر کہتے ہیں۔ مولویوں کو تو ملنے سے ہی رہی۔ لہذا ہم کو یہ کوشش کرنا چاہیے کہ یہی لوگ دیندار بن جاویں۔ اور بھائی آج ملنے والے حالات ایسے ہیں کہ اگر سلطنت مولویوں کو مل بھی جائے تو شاید مولوی چلا بھی نہ سکیں۔ یورپ والوں سے معاملات ساری دنیا سے جوڑ توڑ ہمارے بس کا کام نہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ سلطنت کرنا دنیا داروں ہی کا کام ہے۔ مولویوں کو یہ کرسیاں اور تخت زیب بھی نہیں دیتا اگر تمہاری

کوشش سے یہ لوگ دیندار اور دیانتدار بن گئے اور پھر سلطنت ان ہی کے ہاتھ میں رہی۔ تو چشم مارو شن دل ماشاد۔ کہ ہم خود سلطنت کے طالب ہی نہیں۔ ہم کو تو صرف یہ مقصود ہے کہ جو سلطنت قائم ہو۔ وہ دیندار اور دیانت دار لوگوں کے ہاتھ میں ہو۔ اور بس تاکہ اللہ کے دین کا بول بالا ہو۔"

(تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی ص ۶۶)
مولانا شبیر علی صاحب نے یہ سن کر عرض کیا کہ پھر تبلیغ نیچے کے طبقہ یعنی عوام سے شروع ہو۔ یا اوپر کے طبقہ یعنی خواص سے؟ آپ نے ارشاد فرمایا

کہ: "اوپر کے طبقہ سے؟ کیونکہ وقت کم ہے۔ خواص کی تعداد کم ہے اور

الناس علیٰ دین ملوکہم
اگر خواص دیندار اور دیانت دار بن گئے۔ تو انشاء اللہ عوام کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔"

تبلیغی ہدایات

۴ جون ۱۹۳۸ء کو بمبئی میں مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہونے والا تھا۔ جس میں اکابر لیگ نے جمع ہونا تھا۔ اس لئے حضرت تھانوی نے وہاں ایک تبلیغی وفد بھیجنے کا فیصلہ فرمایا اور علامہ شبیر احمد عثمانی کو اس کا امیر الوفد مقرر کر کے مولانا شبیر علی صاحب تھانوی اور مولانا عبدالکریم گمستھوی ارکان وفد کو مولانا عثمانی کے نام ایک خط دے کر انکے پاس دیوبند روانہ کیا۔ تاکہ وہاں سے وہ انہیں ہمراہ لے کر آگے روانہ ہو جائیں۔ آپ نے مولانا شبیر علی صاحب کو قائد اعظم سے گفتگو کرنے کیلئے حب ذیل ہدایات دیں۔

"جناب صاحب سے جو باتیں کرنی ہیں۔ وہ میں نے مولانا شبیر احمد کو خط میں لکھ دی ہیں۔ وہ امیر الوفد بھی ہیں۔ اور گفتگو کا سلیقہ بھی انکو بہت بہتر آتا

ہے۔ لیکن اگر کسی سے گفتگو کا تم کو اتفاق ہو جائے۔ تو گفتگو میں اس کا لحاظ رکھنا کہ گفتگو نرم لہجہ میں ہو اختلافی مسائل درمیان میں بالکل نہ آویں۔ اگر مخاطب اختلافی مسائل درمیان میں لانا چاہے تو بہ لطافت الہیل اس سے گریز کرنا۔ اور دوسری گفتگو شروع کر دینا اگر مخاطب کے کسی عمل کے متعلق کچھ تنقید کرنا ہو۔ تو لہجہ تنقیدی نہ ہو۔ بلکہ ہمدردانہ اور تبلیغی ہو۔ الفاظ بھی نرم ہوں اور

کلموا الناس علی قدر عقولہم

کو مد نظر رکھتے ہوئے جواب ایسا دینا جس کو مخاطب آسانی سے سمجھ سکے۔ جس کی میں ایک مثال دیتا ہوں۔ کہ میں فتح پور ہسودہ سے الہ آباد جا رہا تھا۔ ریل میں کچھ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ نوجوان ہم سفر ہو گئے۔ مجھے وہ پہچانتے نہ تھے۔ مگر صورت سے مولوی سمجھ کر پوچھنے لگے کہ مولانا شریعت نے کتنا پائنا کیوں منع کیا ہے۔ حالانکہ اس میں تو بہت سی صفات اچھی ہیں۔ وہ زمانہ تھا جب قومی ہمدردی کا علی گڑھ میں بہت زور تھا۔ میں اگر ان کے سامنے شرعی مسائل بیان کرتا اور اللہ و رسول کے احکام بیان کرتا تو بحث کا دروازہ کھل جاتا۔ اور وہ مقصد کہ ان کے دل میں کتے کے پالنے کی برائی بیٹھ جائے۔ حاصل نہ ہوتا اس لئے میں نے کہا کہ کتے میں ساری صفات مسلم مگر ایک عیب ایسا ہے کہ سب صفات پر پانی پھیر دیتا ہے۔ انہوں نے کہا مولانا وہ عیب کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ اس میں قومی ہمدردی نہیں۔ اپنی قوم کے لئے خود کو دیکھتا ہے۔ تو فوراً اڑنے مرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اس پر وہ سب نوجوان ہنس پڑے۔ اور کہنے لگے کہ واقعی یہ جنس پاس رکھنے کے قابل نہیں ہے۔ ورنہ ہم میں بھی یہ اثر آوے گا۔ تو یہاں اس کا لحاظ ہے کہ مقصد ہاتھ سے نہ جائے۔ لیکن قابل فہم کا ضرور لحاظ ہے۔"

(بحوالہ ص ۵۵-۵۶)

تبلیغی خطوط

قائد اعظم کے پاس تبلیغی وفد بھیجنے کے علاوہ حضرت تھانوی وقتاً فوقتاً انہیں اور دیگر ارباب لیگ کو تبلیغی خطوط بھی لکھتے رہتے تھے۔ جیسا کہ "اعلام نافع" میں درج ہے کہ:

"میں خود اس (مسلم لیگ) کی اصلاح کا برابر سلسلہ جاری رکھتا ہوں۔ چنانچہ عام رسائل بھی اور خاص ذمہ داروں کے نام خطوط بھی بھیجے جاتے ہیں۔ ابھی لیگ کے اجلاس پٹنہ میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کا ایک مختصر وفد اسی کام کے لئے بھیجا۔ پھر ۱۲ فروری ۱۹۳۹ء کو چند عزیزوں کو اس کام کیلئے دہلی روانہ کیا۔ عرض کیا جتنا بھی ہو سکتا ہے لیگ کے ذمہ دار حضرات کو برابر دین کی تبلیغ کر رہا ہوں اگر میرے ساتھ سب مسلمان خصوصاً علماء بھی مل کر ان پر زور دیتے انکو نماز روزہ وضع اسلامی اور تمام دینی شعائر کی پابندی پر مجبور کرتے تو اب تک مسلم لیگ حقیقی معنوں میں مسلم لیگ ہو جاتی۔"

اسی طرح "افادات اشرفیہ و رسائل سیاسیہ" میں درج ہے کہ حضرت تھانوی نے فرمایا:

"جس زمانہ میں کانگریس مسلم لیگ سے مفاہمت کی گفتگو کر رہی تھی۔ میں نے ایک خط مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح کو اس مضمون کا لکھا تھا کہ مفاہمت میں چونکہ مسلمانوں کے امور دینیہ کی حفاظت نہایت اہم اور بہت ضروری ہے اس لئے شریعات میں آپ اپنی رائے کا بائبل دخل نہ دیں۔ بلکہ علماء متفقین سے پوچھ کر عمل فرمادیں۔ تو انہوں نے نہایت شرافت و تہذیب سے جواب لکھا اور اطمینان دلایا کہ اس ہدایت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔" (ص ۹۶)

حضرت تھانوی کے خطوط اردو میں ہوتے تھے۔ مگر خواجہ عزیز الحسن صاحب

محبوب ان کا انگریزی ترجمہ کر کے اصل خط کے ساتھ منسلک کر دیتے تھے۔ تاکہ انہیں سمجھنے میں آسانی ہو۔ اور اس تمام خط و کتابت کا ریکارڈ مولانا شبیر علی تھانوی مستم خانقاہ امدادیہ محفوظ رکھتے تھے۔ جو انقلاب ۱۹۳۷ء میں ضائع ہو گئی۔ مگر قائد اعظم نے اس کا جو فائل مجلس دعوة الحق بمبئی کے ممبران کو حضرت تھانوی کی وفات کے بعد دکھلایا تھا۔ وہ یقیناً مس فاطمہ جناح کے پاس ہو گا۔ جس کے متعلق انہوں نے متعدد درخواستوں کے باوجود کوئی جواب نہ دیا۔

نتائج تبلیغ

حضرت تھانوی کی تبلیغی مساعی کا یہ نتیجہ نکلا کہ قائد اعظم نے شیعہ طریق پر نہیں بلکہ مسنون طریق پر پابندی کے ساتھ پانچ وقت نماز پڑھی شروع کر دی۔ اتباع سنت میں خود کو شیعہ کھلانا پسند نہیں کیا۔ بلکہ جب انہیں ایک شیعہ وفد نے کوٹہ میں احساس دلایا کہ آپ ہمارے فرقہ سے ہیں۔ تو انہوں نے بڑی جرأت سے فرمایا NO I AM MUSLIM چنانچہ بعد وفات ان کی تمہیز و تکفین بھی اسی طریق پر ہوئی اور نماز جنازہ بھی مسنون طریقہ پر علامہ شبیر احمد عثمانی نے پڑھائی۔ ان پر اکثر خوف خدا طاری رہتا۔ وہ پہلے سیاست و مذہب کو الگ الگ سمجھتے تھے۔ مگر بعد میں مذہب کو سیاست پر ترجیح دینی شروع کر دی۔ ہر وقت انگریزی لباس میں ملبوس رہنے کی عادت ترک کر کے اکثر و بیشتر اسلامی لباس میں منظر عام پر آنے لگے۔ قرآن اور اسلامی لٹریچر کا بغور مطالعہ کیا۔ توکل و تضرع و انکسار و عاجزی اور دنیا سے نفرت کا جذبہ ان میں پیدا ہو گیا۔ جس کی وجہ ان کا خاتمہ بالآخر ہوا۔ جس کی تفصیل "تعمیر پاکستان اور علم و ایمانی" کے باب تدین قائد اعظم میں دیکھی جا سکتی ہے۔

تصدیق صدیق

اسی لئے حضرت تھانوی کے مرید خاص اور قائد اعظم کے یار غار نواب جمشید علی خاں صاحب جن کے یاس اکثر قائد اعظم اپنی ہمیشہ، مس فاطمہ جناح

آئینی سرگرمیاں

شرعی قوانین

جہاں تک امن و امان اور عدل و انصاف کا تعلق ہے۔ نتائج کے اعتبار سے کسی مملکت کا قانون شرعی قانون پر فضیلت حاصل نہیں کر سکتا۔ اس وقت دنیا کے کسی خطہ میں ماسوائے سعودی عرب کے اس کا نفاذ نہیں مگر وہاں کے امن و امان اور عدل و انصاف پر وہی مہذب قومیں حیران و ششدر ہیں۔ جو اسلامی قوانین کو غیر مہذب بتلاتی ہیں۔ وہ پہلا اسلامی ملک ہے۔ جہاں کے دکاندار کھلی ہوئی دکانیں اکیلی بلا کسی پردہ بٹھائے چھوڑ کر اذان سنتے ہی مسجدوں میں چلے جاتے ہیں۔ اور جب واپس آتے ہیں تو ہر چیز جوں کی توں پڑی ملتی ہے۔ کیا مجال کہ کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھے اور شرعی قوانین کے نفاذ کی برکت ہے وہاں جیل خانوں کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہاں ایک ایک مقدمہ کی سماعت میں کئی کئی برس لگ جاتے ہیں۔ اور وہاں چوبیس گھنٹہ کے اندر مقدمہ کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہاں فریادیں کو عدالتوں کے چکر کاٹنے پڑتے ہیں۔ وہاں وقوعہ کی اطلاع پاتے ہی عدالت خود بخود موقع پر پہنچ کر معاملہ کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہاں عدالتیں گھوٹے چھوٹے علاقہ میں یعنی محلوں میں موجود ہیں۔ مگر مقدمات اتنے کم ہوتے ہیں کہ قاضی اکثر بیکار بیٹھے رہتے ہیں۔ اور وکلاء کا تو وہاں وجود ہی نہیں۔

حضرت تھانوی کے پیش نظر بھی یہی چیز تھی کہ یہاں ایک دارالاسلام قائم

کے ہمراہ موسم سرما میں باغیت جا کر رہا کرتے تھے اور جو انہیں حضرت تھانوی کے مواعظ و ملفوظات سنایا کرتے تھے۔ لکھتے ہیں کہ:

"یہ بالکل حقیقت ہے کہ قائد اعظم کی تمام تردیدیں تربیت حضرت تھانوی کا فیضان تھا۔ اور ان کا اسلامی شعور حضرت والا کی بدولت تھا۔ مولوی شبیر علی صاحب تھانوی نے قائد اعظم کو حضرت والا کے قریب لانے میں بڑا کام کیا۔ قائد اعظم باغیت کے دوران قیام میں حضرت والا کا بہت خلوص اور ادب سے تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ قائد اعظم کو تھانوی حاضری ہونے کا انتہائی شوق تھا۔ لیکن افسوس کہ چند در چند وجوہات کی بناء پر ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔

قائد اعظم پر آخری زمانہ میں جو مذہبی رنگ غالب ہوا۔ اور جس کو ہم سب نے دیکھا وہ حضرت رحمۃ اللہ کی خوبیوں کا صدقہ تھا۔"

(تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ص ۹۲)

تائید اشرف

حق تعالیٰ (جو اپنے نیک بندوں کی مساعی خیر کی بناء پر ان کی ہر وقت تسلی کے سامان کرتے رہتے ہیں) نے حضرت تھانوی کو بھی ان کی تبلیغی جدوجہد کے نتائج کا مشاہدہ انکی زندگی میں کرادیا تھا۔ حضرت تھانوی کے خواہر زادہ مولانا ظفر احمد عثمانی کا ارشاد ہے کہ حضرت تھانوی نے فرمایا:

"میں خواب بہت کم دیکھتا ہوں۔ مگر آج میں نے عجیب خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا مجمع ہے گویا کہ میدان حشر سا معلوم ہوتا ہے۔ اس مجمع میں اولیاء صلحاء کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ مسٹر محمد علی جناح مجمع کے ساتھ عربی لباس پہنے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھے ہیں۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ یہ اس مجمع میں کیسے شامل ہو گئے؟ تو مجھ سے کہا گیا کہ محمد علی آج کل اسلام کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ اس واسطے ان کو یہ درجہ دیا گیا ہے۔" (ایضاً ص ۱۱۱)

گویا جس طرح پاکستان کا تخیل پیش کرنے کا شرف حضرت تھانوی کو حاصل ہے اسی طرح معمار پاکستان کی اصلاح و دینی تربیت کا شرف بھی انہیں ہی حاصل رہا۔

ہو جائے تاکہ ہم شرعی عدالتیں قائم کر سکیں۔ اور معاشرہ کو جن روز افزوں جرائم نے تباہ کر رکھا ہے۔ اسکی اصلاح کی جاسکے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے حضرت نے ہی سب سے پہلے کوشش شروع کی۔ مسلمانوں کے سرزمین ہند پر قدم رکھنے کے فوراً بعد ہندوستان کے ساحلی علاقہ کے ہندو راجاؤں کے عہد حکومت میں مسلمانوں کے مقدمات فیصلہ کرنے کیلئے الگ مسلمان قاضی مقرر ہوتا تھا۔ جو اسلامی قانون کی رو سے ان پر حکم لگاتا تھا۔ جیسا کہ چوتھی صدی ہجری کا نوجوان سیاح ابن حوقل ہندوستان کے ساحلی علاقہ کے دورہ کے حالات میں لکھتا ہے کہ:

"ان تمام علاقوں میں مسلمان کسی حکم اور فیصلہ کو اس وقت تک تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔ جب تک ان پر خود مسلمان ہی حاکم نہ ہوا ان پر حدود اور سزاؤں کے نفاذ کا یا ان پر شہادت اور گواہی دلانے کا حق مسلمانوں کے ہوا کسی دوسرے کو نہیں ہے۔ خواہ اس علاقہ میں مسلمانوں کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔" (داستان عمل ص ۱۵۲ ابن حوقل ص ۲۲۸)

حضرت تھانوی بھی اسی طرح یہاں مسلمانوں کے معاملات ان کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرانا چاہتے تھے۔

تحریک تقرر قضاة

ہندوستان میں قاضیوں کے تقرر کی تحریک سب سے پہلے حضرت تھانوی نے شروع کی۔ آپ نے حضرت حافظ محمد احمد صاحب مرحوم مہتمم دارالعلوم دیوبند کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ انہوں نے حضرت کی تحریک پر مسٹر مانٹگو سابق وزیر ہند سے اس کی ضرورت کو ظاہر فرمایا۔ بعض ممبران کو اسمبلی اور کونسل میں یہ معاملہ پیش کرنے کی ترغیب دی۔ بعض ذرائع سے سامن کمشن کے سامنے بھی اس کی ضرورت کو ظاہر کیا گیا۔ میرٹھ میں حضرت کے ایماء پر انجمن نصب القضاہ قائم ہوئی۔ اس نے رسالہ "القول الماضی" وغیرہ شائع کر کے لوگوں

کو اس طرف متوجہ کیا۔ ۱۹۲۹ء میں بمقام دہلی اس سلسلہ میں ایک خاص جلسہ منعقد کیا گیا۔ جس میں تمام ممبران اسمبلی اور عمائد شہر دہلی کے علاوہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری اور مولانا محمد علی صاحب جوہر اور ممتاز علماء دیوبند و سہارنپور تشریف لائے۔ دربار اشرفیہ کی طرف سے مولوی عبدالکریم صاحب گمٹھلوی نے نمائندگی کے فرائض انجام دیئے اور ممبران اسمبلی پر پوری طرح اس مسئلہ کی اہمیت واضح کر دی گئی۔ انہوں نے بھی اس کی اہمیت و افادیت کا احساس کرتے ہوئے اس سلسلہ میں کوشش کرنے کا یقین دلایا لیکن یہ سعی کارگر ثابت نہ ہوئی۔

قانون وراثت

ایک مرتبہ حضرت کی مجلس میں ذکر آیا کہ پنجاب میں وراثت کا قانون شریعت مقدسہ کے خلاف ہے۔ بہن بیٹی وغیرہ کو میراث سے حصہ نہیں ملتا۔ وہاں کے لوگ رواج کے پابند ہیں۔ شرعی قانون وراثت کی بجائے "قانون رواج عام" رائج ہے۔ اور کسی کو اس کا احساس نہیں۔ نہ اس طرف توجہ ہے۔ تو حضرت نے بڑے اہتمام سے فرمایا کہ وہاں کے مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلانا نہایت ہی ضروری ہے۔ مولوی عبدالکریم گمٹھلوی نے عرض کیا کہ حضرت علمائے کرام اگر خاص سعی فرمائیں تو ممکن ہے کہ کچھ لوگ سمجھ جائیں۔ ورنہ ایسے معاملہ میں معمولی سعی سے نفع کی فکر نہیں۔ فرمایا جس قدر کوشش ہو سکے۔ اس میں دریغ نہ کرنا چاہیے۔ نفع کی فکر نہیں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف نے اپنے وطن جا کر اپنے رواج میں اس مسئلہ کی طرف لوگوں کی توجہ دلانی شروع کی۔ امرتسر اور لاہور میں بھی اس غرض کے لئے جلسے کئے۔ مگر کسی کے کان پر جوں تک نہ رہی۔

حضرت تھانوی جب مولوی صاحب کے سسرال موضع ارٹون میں تشریف لے گئے اور راجپورہ میں قیام فرمایا تو وہاں پھر یہ مسئلہ وراثت پیش ہوا۔ تو حضرت

۲۰۱
یہ ختم ہو گئے۔ تو دوبارہ چھپوائے گئے۔ اور ان کے اخراجات کا حضرت تھانوی نے انتظام فرمایا۔

حضرت تھانوی جمیعتہ العلماء کو اس طرف توجہ دلانے کیلئے برابر تین جلسوں میں مولوی عبدالکریم صاحب کو بھیجتے رہے۔ دو دفعہ تو کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ تیسری دفعہ اتنی کامیابی ہوئی کہ ۱۳۴۲ھ-۱۹۲۳ء میں بمقام مراد آباد ایک پر زور قرار داد اس سلسلہ میں منظور ہوئی جب فتنہ ارتداد کی آندھی کچھ تھمی تو پھر مولوی صاحب کو حکم ہوا کہ:

"میرا خیال ہے کہ ان سب قصوں کو چھوڑ کر پنجاب کا سفر تحریک عدل فی المیراث کیا جائے۔"

اور اس مرتبہ انکے ہمراہ مولانا عبدالحمید صاحب پھر یونی کو بھی بھیجا گیا۔ اس دورہ سے صرف اتنی کامیابی ہوئی کہ بہت سے لوگوں نے قانون رواج عام بدلوانے کی سعی شروع کر دی۔ اور بالآخر پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۸ء میں اس قسم کا قانون معرض وجود میں آ گیا۔

تعلیمی جہری

۱۹۲۸ء میں ریاست الوری میں دینی تعلیم حکماً بند کر دی گئی اور تمام چھوٹے بڑے دینی مدارس و مکاتب یک قلم توڑ دیئے گئے۔ اس کی اطلاع مولوی عبدالکریم صاحب نے جو ان دنوں مدرسہ معین السلام قصبہ ضلع گرگھانوال سے متعلق تھے۔ حضرت تھانوی کو بھیجی۔ اور دعا کیلئے لکھا کہ کسی طرح یہ قانون منسوخ ہو جائے۔ حضرت نے دعا کے ساتھ لکھا کہ اس سلسلہ میں قانونی چارہ جوئی کی جائے۔ اور اخراجات کے لئے ان کے تخمینہ کے مطابق مبلغ یک صد روپیہ پیش کرنے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ مولوی صاحب اس مسئلہ کے ضروری کاغذات کی نقل حاصل کر کے جس کی رو سے تعلیم دین بند کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ وکلاء وغیرہ سے مشورہ لینے

۲۰۰
نے اس کے لئے مولوی صاحب کو پنجاب کے سفر کی پھر ترغیب دی۔ انہوں نے مصارف کا عذر کیا تو آپ نے واپس جاتے ہی ابتدائی مصارف کے لئے اپنی طرف مصارف کا عذر کیا تو آپ نے واپس جاتے ہی ابتدائی مصارف کے لئے اپنی طرف سے تیس روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج دیئے۔ مولوی صاحب نے اس سلسلہ میں ایک سوال نامہ مرتب کر کے علماء کرام کی تائید حاصل کرنے کیلئے چالیس پچاس جگہ مشاہیر علماء کو روانہ کیا اور خود تو کراچی، لاہور، راولپنڈی، سرہند وغیرہ جگہ مشاہیر علماء کو روانہ کیا اور خود تو کراچی، لاہور، راولپنڈی، سرہند وغیرہ اترتے ہوئے لاہور پہنچے۔ وہاں زیادہ تر اہل علم اور اسلامی انجمنوں کو اس جانب توجہ دلانے میں صرف کیا۔ اتفاق سے اہل علم وہاں ایک ایسی جماعت بھی مل گئی۔ جس کے بعض ارکان کو کسی قدر اس مسئلہ کا خیال تھا۔ اور تھوڑی بہت جزوی کوشش کا بھی ارادہ تھا۔ مگر لوگوں کی مخالفت کے سبب کامیابی کی کوئی سبیل نظر نہ آنے پر انہوں نے حضرت کو اطلاع دی۔ تو آپ نے لکھا کہ:

"جب تک ناامیدی نہ ہو ایک دفعہ جان توڑ کوشش کر لینی چاہیے۔"

اس پر مولوی عبدالکریم صاحب آگے بڑھے۔ آپ ابھی وزیر آباد تک ہی پہنچے تھے کہ علماء حضرات کی طرف سے انکے استفتاء کا جواب موصول ہو گیا۔ جسے چھپوانے کی غرض سے تھانہ بھون واپس آ گئے۔ اور ان کو "ظلم پنجاب کے متعلق خدائی وصیت" کے عنوان سے چھپوا کر پنجاب روانہ ہونے والے تھے کہ ہندوؤں نے اطراف آگرہ میں شادی کی تحریک شروع کر دی۔ جب اس کی خبر تھانہ بھون پہنچی۔ تو حضرت تھانوی نے مولوی صاحب موصوف سے دریافت کیا کہ اگر تم وہاں چلے جاؤ تو قانون وراثت کی سعی میں تو کچھ حرج واقع نہ ہوگا۔ انہوں نے عرض کیا کہ صرف تاخیر ہو جائے گی اور تو کچھ حرج نہیں۔ فرمایا:

"بس تو پھر الایم فالایم پر عمل کرنا چاہیے۔ بسم اللہ کر کے آگرہ اور اسکے

نواح میں جا کر پہلے مسلمانوں کو ہندو ہونے سے بچاؤ۔"

چنانچہ مولوی صاحب آگرہ کی طرف روانہ ہو گئے اور فتویٰ بذریعہ ڈاک پنجاب کے شہروں میں بغرض تقسیم بھیج دیا۔ تاکہ وہاں بھی کام جاری رہے اور ایک دوسرا رسالہ "غضب المیراث" کے نام سے بھی شائع کر کے تقسیم کیا گیا۔ جب

۲۰۲۔
کے لئے دہلی پہنچے۔ کاغذات کے ملاحظہ سے یہ راز کھلا کہ جس طرح فلسطین کے مسلمانوں نے طمع نفسانی میں وہاں کی زمینیں خود یہودیوں کے پاس بیچ دیں تھیں اور اسلامی دنیا فلسطین میں یہود کے غلبہ کے خلاف واپس پیٹتی رہی تھی۔ اس طرح یہاں بھی ہندوؤں نے چالاک کر کے دینی مکاتب کے بند کرنے کی درخواستیں خود مسلمانوں سے دلوار کھی تھیں۔ اور ان کی ہمت پر حکام ریاست نے تعلیم دین بند کر دی تھی۔ گو وکلاء نے کہا کہ اب کچھ نہیں بن سکتا مگر حضرت کی تاکید کے پیش نظر مولوی صاحب نے ہمت نہ ہاری اور حکام متعلقہ کو اس سازش کے خلاف درخواستیں وغیرہ دینی شروع کر دیں۔

یہ سلسلہ ابھی تک جاری تھا کہ دہلی سے خبر آئی کہ وہاں بھی جبری تعلیم کے قانون تحت تمام دینی مدارس توڑے جا رہے ہیں۔ مولوی عبدالکریم صاحب تمام حالات معلوم کر کے فوراً تھانہ بھون پہنچے اور اطلاع دی کہ اس وقت تک گیارہ مکاتب ٹوٹ چکے ہیں۔ جن میں تقریباً اڑھائی سو طلباء قرآنی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اور یہی وہاں ملحقہ اضلاع میں بھی پھیل رہی ہے اس پر حضرت تھانوی بہت پریشان ہوئے اور آپ کو سخت صدمہ پہنچا۔ آپ کے حکم سے مولوی صاحب نے اس بارہ میں ایک استفتاء مرتب کیا۔ حضرت نے اس کا جواب تحریر فرما کر دیگر علماء کرام کے دستخط حاصل کرنے کا امر فرمایا۔ چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب نے اس پر علماء دیوبند، سہارن پور، دہلی اور میرٹھ کے دستخط حاصل کر کے اسے شائع کر دیا۔ اور اس تحریک کو چلانے کیلئے انجمن خدام القرآن قائم کی۔ حضرت کی دعا اور مالی امداد سے اس تحریک کو بڑے زور سے چلایا گیا۔ اور تھوڑی مدت بعد بفضلہ تعالیٰ تمام دینی مدارس کھل گئے یہاں تک کہ مراد آباد، سہارنپور وغیرہ مقامات پر بھی روک تمام ہو گئی۔ پھر جہاں جہاں سے خبر آتی کہ وہاں دینی مدارس بند کئے جا رہے ہیں۔ وہاں فی الفور مناسب کارروائی کر کے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا جاتا۔ اگر اس وقت فی الفور حضرت اس طرف توجہ نہ فرماتے تو نتائج یقیناً روح فرسا ہوتے۔

قانون اوقاف

۱۹۳۰ میں نواب جمشید علی خاں صاحب کی ہر اہی میں چند اعلیٰ طبقہ کے وکلاء اور روسا کے ایک باضابطہ نیم سرکاری وفد نے جس کے صدر حافظ ہدایت حسین صاحب بیرسٹر کانپور تھے۔ تھانہ بھون حاضری کی اطلاع دی۔ حضرت نے قصبہ کے رئیس اعظم اور اپنے بھتیجہ حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی کو ان کے استقبال کے لئے تاریخ مقررہ پر اسٹیشن پر بھیجا۔ اور ان کے قیام کا انتظام بھی مولانا کے دولت خانہ پر کیا۔

یہ وفد اس امر کی تحقیق کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا کہ آیا مسلمانوں کے اوقاف کے انتظامی معاملات میں غیر مسلم حکومت کو دخل بنانا جائز ہے یا نہیں۔ اس سلسلہ میں ان حضرات نے ایک سوال نامہ جو قریباً سو سوالات پر مشتمل تھا۔ شرعی تحقیق کے لئے حضرت کی خدمت میں اپنی آمد سے قبل ہی بھیج دیا تھا۔ تاکہ حضرت سوچ بچار کر رکھیں۔ مگر حضرت کو کثرت مشاغل کی وجہ سے انہیں ابھی دیکھنے کا اتفاق ہی نہ ہوا تھا کہ وفد پہنچ گیا۔ چونکہ وفد کے ارکان اعلیٰ طبقہ کے افراد پر مشتمل تھے۔ اس لئے حضرت ان کو خانقاہ میں آنے کی تکلیف دینے کی بجائے خود انہی قیام گاہ پر گفتگو کرنے کیلئے تشریف لے گئے۔

اصول بحث

حضرت نے ارکان وفد سے گفتگو کرنے کیلئے مندرجہ ذیل امور بطور اصول موضوعہ پیش کئے:

۱۔ مسائل کا جواب عرض کرنے کیلئے میں حاضر ہوں۔ مگر مشورہ و مصلحت کے متعلق کچھ عرض کرنے سے میں اس لئے معذور ہوں کہ مجھ کو اس سے مناسبت

نہیں۔ بعض مسائل عین وقت پر مستضر نہیں ہوتے۔ ان کے جوابات سے
۲۔ معذور ہوں گا۔ البتہ اگر ان کی یادداشت لکھ کر مجھ کو دے دی جائے۔ تو کتابیں
دیکھ کر اطمینان سے جواب دے سکتا ہوں۔
۳۔ مسائل پر اگر کچھ شبہات ہوں۔ تو ان کا جواب دینا ہم لوگوں کے ذمہ
نہیں کیونکہ ہم لوگ مسائل کے ناقل ہیں۔ بانی ہیں۔ جیسے قوانین کے متعلق اگر
کوئی شبہ یا خدشہ ہو اس کا جواب مجلس قانون ساز کے ذمہ ہے۔ جج یا وکیل کے ذمہ
نہیں۔

حاضر جوابی

متذکرہ بالا اصولوں پر جب گفتگو شروع ہوئی۔ تو حضرت نے ان حضرات
کو صاف کہہ دیا کہ چونکہ یہ مذہبی فعل ہے۔ اس لئے اسکے اندر غیر مسلم کا دخل
دینا مذہبی دست اندازی ہے اور مذہبی دست اندازی کرنا یا اور کسی طرح سے اس
میں مداخلت کی کوشش کرنا صاف جرم ہوگا۔ جیسے کہ نماز جو ایک خالص مذہبی فعل
ہے۔ اس کے اندر کسی طرح جائز نہیں کہ غیر مسلم کو دخل بنایا جائے۔

(۱) ہم نے چاہا کہ یہ واقعہ ان کے نام سے لکھا جائے۔ اس لئے مولانا شبیر علی صاحب
مستقم خاٹا سے ان کا نام دریافت کیا تو انہوں نے لکھا کہ:

"حضرت کے اندر اشار اور عیب پوشی کا بہت اہتمام تھا۔ وہ ضرورت ہوتی تو ہار
مان لیتے تھے اور اگر کہیں بہ ضرورت دوسرے کی ہار کا اظہار بہ ضرورت دینی کرنا ہوتا تھا۔ تو
پھر اس کا نام ظاہر نہیں فرماتے تھے۔ لہذا میں بھی اتباعاً ان کا نام ظاہر کرنے سے معذور ہوں
حالانکہ مجھے ان کا نام و پتہ معلوم اور یاد ہے۔"

(مکتوب گرامی مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۵۵ء)

اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہوگا کہ کسی غیر مسلم سے دست اندازی کی
درخواست کی جائے۔ یا کوئی ایسی کوشش کی جائے کہ وہ غیر مسلم وقف کے
انتظامی معاملات میں دخل ہو۔

وفد کی طرف سے گفتگو ہندوستان کے ایک مشہور بیرسٹر (۱) کر رہے تھے۔
جوفن جرح میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے اور لوگ انہیں جرح کا بادشاہ کہتے تھے۔
حضرت تھانوی کی مذکورہ بالا تصریح سن کر بیرسٹر صاحب موصوف نے کہا

کہ معاف فرمائیے نماز میں اور وقف میں فرق ہے۔ اس لئے کہ نماز کا تعلق مال سے
نہیں ہے اور وقف کا تعلق مال سے ہے۔ اس وقت چونکہ متولیوں کی حالت
خراب ہو رہی ہے۔ اس لئے اوقاف کے اندر وہ بڑی گڑبڑ کرتے ہیں اس کی آمدنی
مصارف خیر میں صرف نہیں کرتے خود کھا جاتے ہیں۔

حکیم الامت نے فرمایا! اچھا اگر آپ کے نزدیک نماز کی نظیر ٹھیک نہیں
ہے۔ تو زکوٰۃ کو ہی لے لیجئے۔ کہ ایک خالص مذہبی فعل بھی ہے۔ اور اس کا تعلق
مال سے بھی ہے۔ اور بہت سے مسلمان ایسے بھی ہیں۔ جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں
کھالتے۔ مگر چونکہ مذہبی فعل بھی ہے اس لئے اس میں غیر مسلم کی مداخلت جس قسم
کی بھی ہو ناجائز سمجھتے ہیں۔

بیرسٹر صاحب نے کہا اچھا صاحب نکاح اور طلاق بھی آپ کے نزدیک
خالص مذہبی فعل سمجھا نہیں۔

حضرت نے جواب دیا۔ جی ہاں۔

اس پر انہوں نے کہا کہ بہت اچھا۔ اگر ایک عورت کو شوہر نے طلاق دی۔
مگر اب وہ عورت اس مرد سے جدا ہونا چاہتی ہے اور مرد اس کو نہیں جانے دیتا۔ بلکہ
روکتا ہے۔ اور طلاق سے انکار کرتا ہے۔ تو ایسی صورت میں کیا اس عورت کو جائز
نہیں کہ عدالت میں اس کے متعلق استغاثہ دائر کرے۔ اور شہادت سے طلاق کو
ثابت کر کے حکومت سے اپنی آزادی میں مدد حاصل کرے۔ تو دیکھئے نکاح و طلاق

اعتراف وفد

اس پر سب لوگوں نے بے ساختہ سبحان اللہ اور صل علیٰ کھنا شروع کر دیا۔ اور بیرسٹر صاحب خاموش ہو گئے۔ اور پھر کوئی شبہ پیش نہیں کیا۔ مگر حضرت کی حاضر جوابی سے بشاش ہو گئے۔ اور یہاں سے بہت ہی خوش خوش رخصت ہوئے۔ اور کھنے لگے کہ:

"بعض لوگوں نے ہم کو بہت ہی خشک جواب دیئے۔ جس سے ہماری بہت دلی شکنی ہوئی۔ مگر یہاں حاضر ہو کر جو ہم کو نفع ہوا۔ اور جو علوم ہم کو اس مجلس میں حاصل ہوئے وہ کھیں حاصل نہیں ہوئے۔ ہم نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ استفادہ کی غرض سے گاہ بگاہ یہاں حاضر ہوا کریں گے۔"

جب ارکان وفد واپس اسٹیشن کو روانہ ہوئے۔ تو حضرت بھی انہیں رخصت کرنے کی غرض سے اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔ اور فرمایا کہ جب آپ یہاں اسٹیشن پر آ کر اترے تھے۔ اس وقت اس لئے نہیں آیا کہ اس وقت میرا آنا آپ کی جاہ کی وجہ سے ہوتا اور اب جو میں آیا ہوں۔ اب تو یہ آنا آپ کی چاہ یعنی محبت کی وجہ سے ہوا ہے۔

نقل یادداشت

حضرت تھانوی نے ارکان وفد کی رہنمائی کے لئے اس وقت مندرجہ ذیل ایک مختصر سی یادداشت لکھ دی تاکہ اس کی روشنی میں اگر یہ کوئی تجویز اصلاح اوقاف کے سلسلہ میں کر سکیں تو کریں۔

۱۔ "وقف کرنا ایک مالی عبادت ہے اور خالص عبادت ہے۔ جیسے زکوٰۃ دینا عبادت ہے۔ اور خالص عبادت ہے۔

۲۔ گو وقف کا نفع بسا اوقات عباد کو بھی پہنچتا ہے۔ جبکہ ان عباد کے لئے

مذہبی فعل ہیں۔ مگر اس میں غیر مسلم کا دخل جائز ہوا۔ حضرت نے جواب دیا۔ آپ نے غور نہیں کیا۔ یہاں دو چیزیں جدا جدا ہیں۔ ایک تو وقوع طلاق اور ایک اثر طلاق یعنی وہ حق جو اس عورت کو مرد کے طلاق دے دینے سے حاصل ہو گیا ہے اور مرد اس حق کو پھینکنا چاہتا ہے۔ جس میں عورت کا ضرر ہے۔ تو یہاں وہ عورت غیر مسلم حکومت کا دخل قصداً خود طلاق میں نہیں چاہتی۔ بلکہ طلاق سے اس کو جو حق آزادی حاصل ہوا ہے۔ جس کے استعمال نہ کر سکنے سے اس کو ضرر پہنچتا ہے۔ اس ضرر کو دفع کرنے کیلئے وہ عورت عدالت سے مدد چاہتی ہے۔

بیرسٹر صاحب نے کہا کہ معاف فرمائیے۔ اسی طرح ہم یہاں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جیسے یہاں عورت کا ضرر ہے۔ اسی طرح اوقاف کے اندر گڑبڑ ہونے میں مساکین کا ضرر ہے۔ سو جیسے وہاں اس ضرر سے بچنے کی خاطر غیر مسلم کے دخل کو جائز رکھا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں اوقاف میں ضرر سے بچنے کے لئے غیر مسلم کا دخل جائز ہونا چاہئیے۔

حضرت نے جواب دیا کہ آپ نے غور نہیں کیا۔ وہاں تو شوہر کے جس سے اس عورت کا ضرر ہے اور یہاں اوقاف میں متولی کی خیانت سے مساکین کا ضرر نہیں بلکہ صرف عدم النفع ہے۔ ضرر اور چیز ہے۔ عدم النفع اور چیز ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئیے۔ مثلاً آپ کی جیب میں ایک سو روپے کا نوٹ تھا۔ ایک شخص نے آپ سے وہ چھین لیا۔ تو یہ ضرر ہوا۔ اور اگر میں آپ کو ایک نوٹ دینا چاہتا ہوں۔ مگر پھر کوئی اس نوٹ کے دینے سے منع کر دے۔ تو اس میں آپ کا ضرر کچھ نہیں ہوا۔ بلکہ صرف عدم النفع ہوا۔

مسودہ پر غور و خوض

اگرچہ حضرت تھانوی کی رائے یہی تھی کہ ایسا قانون بنانے کا حکومت کو قواعد شرعیہ کی رو سے اختیار نہیں۔ اور دیوبند اور سہارنپور کے علماء کرام بھی حضرت تھانوی کی تائید میں تھے۔ مگر بعض حلقوں سے وفد کو حسب خواہش جواب مل گیا۔ اور اہل وفد نے ایک مسودہ قانون مرتب کر کے کونسل میں پیش کر دیا۔ جو رائے عامہ معلوم کرنے کیلئے مشتر کیا گیا۔ اس کی مشتمی پر مولانا حافظ عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور نے حضرت تھانوی کی اس طرف توجہ مبذول کرائی۔ ان کی تحریک اور حضرت کی تائید سے علماء دیوبند و سہارنپور ۲۴ ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ کو تھانہ بھون جمع ہوئے اور بعد غور و خوض سب کی یہی رائے ہوئی کہ حضرت تھانوی کی زیر نگرانی اس پر تفصیلی نظر کر کے اس کے نقائص واضح کئے جاویں اور اس میں ایسی ترامیم کر دی جائیں کہ یہ مسودہ شریعت کے موافق ہو جائے۔ اس غرض کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی (مفتی اعظم پاکستان) مولوی جمیل احمد صاحب تھانوی مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور اور مولوی عبدالکریم صاحب پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی۔ اور انہوں نے ہر جزو میں حضرت سے استصواب کر کے غور و خوض کے بعد ترمیمی مسودہ مرتب کیا۔ حضرت نے اس کو تحقیقی نظر سے دیکھنے کے بعد دستخط فرمائے۔ اور اس کو ۲۵ ذی الحجہ ۱۹۳۲ء، ۱۳۵۲ھ کو دیوبند میں آخری بار غور و خوض کے لئے روانہ کیا گیا۔ جہاں صبح سے عشاء تک اس پر بحث و تمحیص ہوتی رہی۔ اور بالآخر یہ بالاتفاق منظور ہوا۔ جس پر انیس علماء کرام کے دستخط ثبت ہوئے اور یہ ترمیمی مسودہ کونسل کو بھیج دیا گیا۔ اس مسودہ پر مکالمہ کی غرض سے ۲۲ اپریل ۱۹۳۲ء کو اس مسودہ کے مجوز حافظ ہدایت حسین صاحب بیرسٹر و ممبر کونسل آف اسٹیٹ نواب جمشید علی خاں صاحب ممبر لیجسلیٹو اسمبلی حاجی وجیہ الدین صاحب ممبر اسمبلی حاجی رشید احمد خاں صاحب سوداگر اسلحہ دہلی تھانہ بھون پہنچے۔ اور پہلے سے

کوئی استحقاق مقرر کر دے۔ مگر پھر بھی وقف خالص عبادت رہے گا۔ معاملہ نہ ہوگا۔ جیسے زکوٰۃ خالص نفع عباد کے لئے ہی موضوع ہے۔ دوسرے مصارف مساجد وغیرہ میں صرف نہیں ہو سکتی۔ بخلاف وقف کے کہ وہ ان مصارف میں بھی شرط وقف کے موافق صرف ہو سکتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ کا تعلق عباد کے ساتھ بہ نسبت وقف کے زیادہ ہے۔ مگر باوجود اس کے زکوٰۃ خالص عبادت ہے معاملہ نہیں۔ پس وقف خالص عبادت ہونے میں زکوٰۃ سے بھی زیادہ ہے۔

۳۔ جب وقف مثل زکوٰۃ کے بلکہ زکوٰۃ سے بھی زیادہ خالص عبادت ہے۔ اس میں کسی خرابی کا ہونا ایسا ہوگا۔ جیسے زکوٰۃ میں کسی خرابی کا ہونا۔ اور اس خرابی کی اصلاح کیلئے گورنمنٹ کا دخل دینا ایسا ہوگا۔ جیسا زکوٰۃ کی خرابی کی اصلاح کے لئے گورنمنٹ کا دخل نہیں۔

۴۔ زکوٰۃ میں ایسا دخل دینا یقیناً دخل فی المذہب ہے۔ اسی طرح وقف میں

دخل دینا دخل فی المذہب ہوگا۔ خواہ خود دخل دیا جائے۔ خواہ کسی کی درخواست پر

دخل دیا جائے۔ پھر سوال یہ ہے کہ پھر وقف کی خرابیوں کا کیا انسداد ہو یہ ایسا

ہے۔ جیسا یہ سوال کیا جائے کہ اگر کوئی نماز روزہ حج یا زکوٰۃ میں کوتاہی کرے۔ اس

کا کیا انسداد ہے۔ کیا اس کا کوئی شخص یہ جواب تجویز کر سکتا ہے کہ گورنمنٹ کو

ان کوتاہیوں پر جرمانہ وغیرہ مقرر کرنے کا حق ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ اس کا انتظام

خود مسلمان کر سکتے ہیں۔ خواہ اس کو افہام تفہیم کریں۔ خواہ اس کو تولیت سے

معزول کریں۔ جبکہ واقف نے ان کو اس قسم کے اختیار دیئے ہوں۔ خواہ اس سے

قطع تعلق کریں۔ اگر ایسا نہ کریں تو ان کی کوتاہی ہی ہوگی۔ گورنمنٹ کو پھر بھی

دخل دینے کا حق نہیں۔"

سے مراجعت کے بعد تحریر فرمائی تھی۔ بہر حال ۱۹۳۹ء میں ایکٹ نمبر ۸ انفساخ نکاح منظور ہو گیا۔ جس کے ذریعہ عورتوں کے لئے ظلم و تشدد سے نجات پانے کی سبیل نکل آئی۔ اور تب سے اس قانون پر عمل درآمد ہوتا چلا آ رہا ہے۔

آرمی بل

دوسری جنگ عظیم شروع ہونے پر گورنمنٹ نے اسمبلی میں ہندوستان کی طرف سے فوجی امداد دینے کا ایک بل پیش کیا۔ جس کی کانگریس نے بڑی مخالفت کی۔ مگر قائد اعظم نے اس کی حمایت کی قائد اعظم اور مسلم لیگ کے خلاف کانگریسوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اور بلطائف الحیل قائد اعظم کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔ اس واویلا کا اثر خانقاہ تھانہ بھون تک بھی جا پہنچا۔ اور کانگریس زدہ لوگوں نے آرمی بل کی آرٹیں حضرت تھانوی کو قائد اعظم سے برگشتہ کرنے کیلئے طرح طرح کی چالیں چلنی شروع کر دیں۔ مسلسل پروپاگنڈا سے حضرت کو بھی کچھ تنویش سی ہوئی۔ مگر حقیقت حال سے آگاہ ہوئے بغیر آپ نے کوئی اعلان شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ایک وفد جو مولانا شبیر علی صاحب تھانوی۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (مفتی اعظم پاکستان) مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اور مولوی عبدالحکیم صاحب گمٹھلوی پر مشتمل تھا۔ قائد اعظم کی خدمت میں دہلی بھیجا کہ ان سے معلوم کرے کہ انہوں نے آرمی بل کی حمایت کن وجوہات کی بناء پر کی ہے۔ وقت مقررہ کے مطابق وفد دہلی پہنچ گیا۔

قائد اعظم کی وضاحت

وفد نے قائد اعظم سے آرمی بل کی حمایت کے وجوہ دریافت کئے۔ قائد اعظم نے کہا کہ:

”کانگریس نے حقیقت حال پر پردہ ڈال کر میرے خلاف پروپاگنڈا کیا ہے۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق مستم صاحب دیوبند۔ مفتی صاحب دیوبند۔ مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور سہارنپور سے ناظم صاحب مظاہر العلوم۔ مولانا محمد زکریا صاحب و دیگر علماء کرام تشریف لائے۔ حضرت تھانوی کی موجودگی میں پانچ گھنٹے تک اس مسودہ پر مفصل گفتگو ہوئی۔ بالآخر حافظ ہدایت حسین صاحب نے مجوزہ مشورہ میں اصلاحات کو تسلیم کر لیا۔ بعض میں کچھ عذر کیا اور بعض پر غور کا وعدہ کیا۔

اس سلسلہ میں جس قدر اخراجات ہوئے۔ ان کا ایک تہائی حصہ حضرت تھانوی نے از گرہ خود ادا کیا۔

قانون تنسیخ نکاح

ایک عرصہ سے تقرر قصاۃ کا سلسلہ موقوف ہونے کی وجہ سے مسلمان عورتیں سخت مصائب و مشکلات میں گرفتار تھیں۔ اور ستم رسیدہ مستورات کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ بپتسمہ لے کر تبدیلی مذہب کی آرٹیں ظالم خاوندوں سے نجات حاصل کریں۔

ان کے حال زار پر بھی حضرت تھانوی کو ہم سب سے پہلے توجہ فرمانے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ان کے مسائل پر علماء مدینہ منورہ۔ دیوبند۔ سہارنپور سے بار بار فتویٰ حاصل کئے اور کامل تحقیق فرما کر پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد ایک رسالہ حیلۃ الناجزہ تصنیف فرمایا اور ایک ہزار روپیہ کی لاگت سے اسے چھپوا کر اور اس پر دوسرے علمائے کرام کی تصدیق کرا کر ممبران اسمبلی میں تقسیم کیا کہ اس کے مطابق ایک مسودہ قانون تنسیخ نکاح مرتب کر کے بغرض منظوری اسمبلی میں پیش کیا جائے۔

تقریباً تمام علماء ہند نے اس رسالہ کی تائید و تصدیق فرمائی اور ممبران اسمبلی نے بہت جلد قانون بنوانے کی سعی شروع کر دی۔ اور ایک مسودہ مسلم قانون فسخ نکاح کے نام سے کاظمی صاحب نے اسمبلی میں پیش کر دیا۔ مگر اس مسودہ میں وہ قیود و شرائط نظر انداز کر دیں۔ جو حضرت نے فقہ کی ورق گردانی اور علمائے محققین

وفد کو اگرچہ ملاقات کیلئے آدھ گھنٹہ وقت دیا گیا تھا۔ مگر ڈیڑھ گھنٹہ تک گفتگو ہوتی رہی۔ درمیان میں وفد نے کہا کہ اگر آپ کا کچھ ہرج ہوتا ہو۔ تو ہم گفتگو ختم کر دیں۔ قائد اعظم نے کہا کہ:

"نہیں۔ دوسرے لوگ جو مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے کیا کہیں گے۔ لیکن آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ وہ میں نہیں جانتا۔ اس لئے آپ جس قدر گفتگو کرنا چاہیں۔ شوق سے کریں۔ میں برابر سنوں گا۔"

جب اس وفد نے واپس جا کر حضرت کو تمام حالات سنائے۔ تو آپ کو نہ صرف تسلی بلکہ مسرت بھی ہوئی۔ کہ قوم کے اس مخلص رہنما کی نظر صرف آج کے حالات پر ہی نہیں بلکہ آج سے نو دس سال بعد ہونے والے واقعات کو بھی وہ اپنی چشم فراست سے برابر دیکھ رہے ہیں۔ جب مجلس عام میں اس وفد کی ملاقات کا ذکر آیا۔ اور مخالفین لیگ نے حضرت کو قائد اعظم کی تائید میں پایا۔ تو ان کے عزائم مشنومہ پر اوس پڑ گئی۔

لمحہ فکریہ

اندازہ لگائیے اور انصاف کیجئے کہ ایک دور افتادہ غیر معروف قصبہ میں بیٹھا پہلے دور بین مرد درویش کس طرح ہندوستان میں پاکستان کی داغ بیل ڈالنے میں مصروف تھا۔ تن واحد ہے۔ کوئی جماعت نہیں۔ چندہ نہیں۔ جلسہ نہیں۔ جلوس نہیں۔ اخبار نہیں۔ ماحول سارے کا سارا مخالف ہے۔ حصول پاکستان کا باقاعدہ جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی۔ مگر حضرت تھانوی دامے درمے قدمے سننے اسی مقصد کیلئے مصروف جدوجہد میں۔ جس کا اظہار علامہ اقبال نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو ان الفاظ میں کیا تھا کہ:

"میں صرف ہندوستان اور اسلام کے فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کا مطالبہ کر رہا ہوں (کیونکہ) مسلمانان ہندوستان کو اپنی روایات و تمدن کے ماتحت اس ملک میں آزادانہ تشوونما کا حق حاصل ہے۔"

واقعہ یہ ہے کہ کانگریس خود آرمی بل کی حمایت کرنے کو تیار تھی۔ مگر اس کی شرط یہ تھی کہ فوجی بھرتی تناسب آبادی کے لحاظ سے ہو۔ یعنی اس وقت فوج میں ستر فی صد مسلمان تھے۔ کانگریس کا مطالبہ تھا کہ ۲۵ فیصد مسلمان لئے جائیں۔ تب وہ آرمی بل کی حمایت کرے گی۔ اس پر ہوم ممبر نے کہا کہ خطرہ ہمارے سر پر ہے اور ہم فوج کو توڑ کر نئی فوج نہیں بنا سکتے۔ اس پر ڈاکٹر مونجے نے کہا کہ ایک سال میں ہم آپ کو ایک لاکھ فوجی تربیت یافتہ فوجیوں دے سکتے ہیں۔ ہوم ممبر نے کہا کہ آپ ایک سال کہتے ہیں ہم کو ایک مہینہ کی بھی مہلت نہیں ہے۔ خطرہ سر پر ہے۔ اس کے بعد اجلاس لنچ کے لئے ملتوی ہو گیا۔ اور صدر اسمبلی نے مجھ سے گفتگو کی کہ آپ آرمی بل کی حمایت کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ میں نے کہا کہ دو شرطوں پر کر سکتا ہوں۔ ایک یہ کہ فوجی تناسب جو اس وقت ہے۔ وہ ہمیشہ قائم رہے۔ دوسرے یہ کہ مسلمان فوج مسلمانوں کے مقابلہ میں کبھی نہ بھیجی جائے۔ چنانچہ یہ شرطیں منظور کر لی گئیں اور میں نے آرمی بل کی حمایت شروع کر دی۔"

وفد نے کہا کہ انگریزی فوج میں مسلمانوں کا بھرتی ہونا مسلمانوں کیلئے کیے مفید ہو سکتا ہے؟ اس کا فائدہ سراسر انگریزوں کو ہو گا۔ قائد اعظم نے کہا کہ:

"اس میں ذرا غور کیجئے۔ آپ کو جان لینا چاہیئے کہ انقلاب ناگزیر ہے۔ ہندوستان آزاد ہو کر رہے گا۔ اگر آزادی ہند کے وقت مسلمان فوج میں نہ ہوئے۔ تو جس کی فوج ہو گی۔ طاقت اسی کے ہاتھ میں رہے گی۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ فوج میں بھرتی ہوں۔ تاکہ انقلاب کے وقت طاقت مسلمان کے ہاتھ میں رہے۔"

قائد اعظم یہ کہہ کر کے اور پھر فوراً سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا:

"آپ کو حالات کا کچھ علم نہیں۔ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر ایک وقت ایسا آ رہا ہے کہ اگر ان کے ہاتھ میں ہتھیار نہ ہوا۔ تو ان کی جان مال اور عزت محفوظ نہ رہے گی۔"

پیر و خود سب کب محقق ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ محقق ہوتے ہیں۔ اور محقق اور محق کے حدود میں ہمیشہ وہی فرق ہوتا ہے جو داننا اور نادان میں ہوا کرتا ہے۔ محق اہل حق میں سے کسی ایک سردار یا شیخ کی پیروی اندھا دھند کرنے لگتا ہے۔ اور اس ایک راہ کے سوا سب کچھ باطل سمجھتا ہے۔ اور محقق اہل حق کے اختلاف باہمی کے سبب و منشا پر نظر رکھتا ہے۔"

(حکیم الامت ص ۴۸-۴۹)

شورش اور فتنہ

اس وقت نوبت یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے ذمہ دار لیڈر جن میں عالم بھی شامل تھے یہ کہتے پھرتے تھے کہ:

۱۔ زبانی جے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے۔ بھائیو! خدا کی رسی مضبوط پکڑو گے۔ اگر ہم اس رسی کو مضبوط پکڑ لیں گے تو چاہے دین ہمارے ہاتھ سے جاتا رہے۔ مگر دنیا ہمیں ضرور ملے گی۔ (مدینہ منورہ ۲۱ فروری ۱۹۲۰ء)

۲۔ اے اللہ ہم سے ایک نیک کام ہو گیا ہے۔ کہ میں اور مہاتما گاندھی یقیناً بھائی ہو گئے ہیں۔ (فتح دہلی ۲۴ نومبر ۱۹۲۰ء)

۳۔ میں نے ان (گاندھی) کو ہمارے واسطے مذکر بنا کر بھیجا ہے۔ قدرت نے ان کو سبق پڑھانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (بحوالہ صدر)

علاوہ ازیں مشرکین کو مساجد میں لے جا کر واعظ مسلمان بنانا۔ ان کے قدم کو شہر کی خاک پاک کرنے والا کہنا۔ ان کے جائے قدم کو قصور بہشتی پر طعنہ زن کہنا۔ ان کو مسیحا کہنا۔ ان کو رحمت دار کہنا۔ ان کی ثناء میں یہ کہنا کہ خاموشی از ثنائے توحید ثنائے تست۔ گانے کی قربانی کا بند کرنے کا اہتمام کرنا۔ قتلے لگوانا۔ مشرک کی ار تھی اپنے کندھوں پر اٹھا کر اس کی جے بولتے ہوئے مر گھٹ لے جانا۔

سیاسی کشمکش

سیاسی طوفان

پہلی جنگ عظیم کے بعد ہندوستان میں ایک بے پناہ سیاسی طوفان آیا۔ جس کا آغاز تحریک خلافت سے ہوا۔

تحریک خلافت

اس تحریک کے زمانہ کا نقشہ خود اس تحریک کے مجاہد مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی نے یوں کھینچا ہے۔

"تحریک خلافت کا زمانہ بھی ہندی اسلام کی تاریخ میں ایک یاد رہ جانے والا دور گزرا ہے۔ اور جس نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ اس کے سامنے اس دور کا نقشہ کھینچنا بھی دشوار ہے۔ ایک بے پناہ میحان تھا۔ جوش میں آ کر بھائی بھائی سے جدا ہو رہے تھے۔ باپ بیٹوں سے بیٹے باپ سے "اللہ اکبر" کے نعرے اور "محمد علی شوکت علی کی جے" کی آوازیں گھر گھر سے بلند ہو رہی تھیں۔ علماء حق کی اکثریت کا فتویٰ حکومت سے ترک موالات اور تحریک خلافت کی تائید میں تھا۔ حضرت (تھانوی) کا مسلک اس سے مختلف تھا۔ مسلک اجتہاد میں اختلاف تو اسلام کی تاریخ میں شروع ہی سے داخل رہا ہے۔ اور خلفائے

راشدین تک کا دور اس سے مستثنیٰ نہ رہا۔ اور اگر اختلاف کی بنیاد محض حق و اخلاص ہے تو یہ ذرہ بھر بھی عیب نہیں۔ بلکہ عین رحمت ہے۔ لیکن محققین کے اتباع و

اس درجہ ہیبت طاری ہوئی کہ سب کے سب بے تحاشہ وہاں سے بھاگ پڑے۔ اور پہلی ٹرین کے ذریعہ تھانہ بھون سے چلے گئے۔ اور پھر کسی نے ایسی جرات نہ کی۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

ندامت و خجالت

یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن جو اعتدال اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ گو آپ بحیثیت مجتہد اپنی رائے میں بہت مستحکم تھے مگر چونکہ یہ مسئلہ بالکل اجتہادی تھا۔ اسلئے خود اپنے حلقہ ارادت کے علماء کو بھی اختلاف رائے کی پوری پوری آزادی دے رکھی تھی۔ البتہ جب بعض علماء نے حدود سے تجاوز کیا۔ اور خود آپ کو اپنی قائم کردہ رائے کے سامنے غلط ٹھہرانے کی سعی کی۔ اور جادہ اعتدال سے ہٹ گئے۔ تو حکیم الامت نے ان کو اپنے زمرہ سے نکال دیا۔ بعد کو جب خلافت کی تحریک کی آندھی ختم ہوئی اور حکیم الامت کے محسوس کردہ خدشات حقائق بن کر سامنے آ گئے تو پھر ان حضرات کو ندامت و خجالت بیان سے باہر رہی لیکن اس نقصان کی تلافی نہ ہو سکی۔" (حیات اشرف ص ۲۳۵-۲۳۷)

دوسرا دور

۱۹۳۰ء نے بساط سیاست کے مہرے بدل دیئے۔ مولانا محمد علی جوہر نے بعض تلخ تجربات کی بناء پر کانگریس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ گاندھی جی نے مسلمانوں کی پروا کئے بغیر سول نافرمانی کی مہم شروع کر دی۔ اس انتشار سے جمعیتہ العلماء بھی نہ بچ سکی۔ اس کا ایک بڑا حصہ تو کانگریس کے ساتھ رہا۔ مگر قلیل حصہ اس سے کٹ کر ہمیشہ کیلئے الگ ہو گیا۔ اور اس نے اپنی الگ جمیعت بنالی۔

ڈولہ سجا کر قرآن مجید کو راماؤں کے ساتھ رکھنا۔ یہ کہنا کہ ہم ایسا مذہب بنانا چاہتے ہیں۔ جو ہندو مسلمان کا امتیاز اٹھا دے گا۔ اگر کوئی ان نتائج کے سبب یا شرعی مانع کے سبب شرکت نہ کرے۔ اس کو کافر یا فاسق کہنا۔ اس سے عداوت رکھنا۔ اسے ایذا پہنچانے کی فکر کرنا۔ معمولات سے ہو گیا تھا۔ اسلئے حضرت تھانوی نے آغاز ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ میں ایک اعلان بعنوان "مسائل حاضرہ کے متعلق احقر اشرف علی کا مسک" شائع کیا۔ اس میں ایک فقرہ یہ تھا کہ "میں ان شورشوں کو ایک فتنہ سمجھتا ہوں۔" جس سے خلافت کے پرولوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اور انہوں نے ان خرابیوں کو دور کرنے کی بجائے ان خرابیوں کی نشاندہی کرنے والے کو ہی ختم کر دینا مناسب سمجھا۔

قاتلانہ حملہ

صاحب حیات اشرف لکھتے ہیں کہ:

"عین اس طوفانی دور میں آپ نے اپنی جان و عزت کی فکر کئے بغیر جو کچھ حق سمجھتے تھے۔ اس کو بر ملا پیش کیا۔ اس کے صلہ میں الزامات ملے۔ کسی نے انگریز کا پٹھو کہا۔ کسی نے کہا کہ یہ تو مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب اس کے باوجود اپنے مسک میں حضرت کو مستحکم پایا۔ تو "آزادی" کا نعرہ بلند کرنے والوں نے اشرف کی جماعت تھانہ بھون میں بھیجی۔ تاکہ اس زبان ہی کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جائے۔ جس سے یہ خلاف مرضی باتیں نکل رہی تھیں۔ یہ مگر ٹپی آئی۔ اور لاٹھیوں سے مسلح راستہ کے کنارے چھپ گئی۔ تاکہ صبح جب حکیم الامت مسجد جارہے ہوں تو ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ مولانا تھانوی کو اس کی اطلاع ملی۔ آپ مراقب ہوئے۔ میلان قلبی یہی رہا کہ مسجد جایا جائے حسب معمول ایک ہاتھ میں قندیل اور ایک ہاتھ میں عصا لیئے ہوئے صبح صادق سے پہلے ہی گھر سے چل پڑے۔ جب اس مقام پر پہنچے جہاں غنڈے چھپ رہے تھے۔ تو ان پر

۲۱۸
مسلمانوں نے بھی غیرت کا ثبوت دیا۔ انہوں نے جب اوائل ۱۹۳۰ء میں دیکھا کہ گاندھی جی کو ہماری ضرورت نہیں۔ تو انہوں نے بھی اواخر ۱۹۳۰ء میں گاندھی جی کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے پاکستان کا مہرہ آگے کر دیا۔ کہ اگر تمہیں ہماری ضرورت نہیں۔ تو ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر رہنے کیلئے تیار نہیں۔ آپ اپنے گھر میں خوش رہیں اور ہمیں ہمارا حصہ تقسیم کر کے دے دیں۔ تاکہ دونوں علیحدہ علیحدہ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔

سیاسی مسلک

سیاسی حالات نے ملک کو تین پارٹیوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ کانگریس اور مسلم لیگ۔ انگریز برسر اقتدار تھا۔ کانگریس کی پشت پر ساری ہندو قوم اور اکثر مسلم سیاسی جماعتیں تھیں۔ مسلم لیگ کے ساتھ سوائے عافیت پسندوں کے اور کوئی نہ تھا۔ مسلمانوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔ انگریز اور ہندو دونوں ان کی کمزوری کا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے اس لئے حضرت تھانوی:

"انگریزی حکومت اور کانگریس کے درمیان رسہ کشی میں مسلمانوں کو بالکل غیر جانب دار اور یکسو دیکھنا چاہتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ جب تک مسلمان خود اپنے اندر پوری قوت نہیں پیدا کر لیتے۔ ان کا کسی فریق کے ساتھ شامل ہو کر عملی حصہ لینا خود کشی کے مترادف ہو گا۔ اور سارا زور اس پر دیتے تھے کہ مسلمان پہلے اپنے میں قوت و نظم پیدا کریں۔" (حکیم الامت ص ۲۷۶)

طلبا اور سیاست

اس زمانہ میں حضرت تھانوی دارالعلوم دیوبند کے سرپرست تھے۔ جس کے اکابر جمیعۃ العلماء ہند کے ممبر ہونے کی وجہ سے کانگریس کے ساتھ تھے ان کی

دیکھا دیکھی دارالعلوم کے طلباء نے بھی سیاست میں عملی حصہ لینا شروع کر دیا۔ جو حضرت تھانوی کو سخت ناگوار گزرا۔ حضرت تھانوی کی رائے تھی کہ:

"موجودہ سیاسیات کا اشغال خواہ فی نفسہ حق ہو یا باطل۔ مگر دارالعلوم کے طلباء و علماء کی اس میں شرکت بہر حال مدرسہ کے مقاصد اصلیہ کو متزلزل کر دینے والی ہے جس کا مشاہدہ و تجربہ بھی عرصہ سے اکثر حضرات کو ہو چکا ہے۔"

اس لئے آپ نے مہتمم مدرسہ کی تائید سے ایک اعلان شائع کر دیا کہ آئندہ کیلئے سیاسی سرگرمیوں میں قطعاً حصہ نہ لیں اس سے باب نزاع کھل گیا۔

سرپرستی سے استعفیٰ

حضرت کی یہ عادت تھی کہ اختلاف کے مواقع پر جو بات بھی حق سمجھتے تھے۔ اس کا صاف صاف اظہار اور اعلان فرما دیتے تھے اگر اسے قبول کر لیا جاتا تو بہتر۔ ورنہ خود کو اس سے علیحدہ کر لیتے تھے۔ اور مناظرہ و مناقشہ میں پڑنا پسند نہ فرماتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند چونکہ حضرت کا علمی گھوارہ تھا۔ اور بزرگوں کا مرکز تھا اس لئے حضرت کو اس سے بہت محبت تھی۔ جس کا کوئی دوسرا اندازہ بھی نہیں کر سکتا اب مدرسہ نے اس معاملہ میں آپ کی رائے سے اختلاف کیا۔ اس لئے آپ نے مدرسہ کے مفاد کی خاطر مدرسہ کی سرپرستی سے استعفیٰ دے دیا۔ لیکن مدرسہ کی ہمدردی اور بھی غور کا تعلق برابر قائم رکھا۔

جہانسی الیکشن

کانگریس اور مسلم لیگ کی میدانی جنگ کا آغاز جہانسی کے ایک ضمنی الیکشن سے ہوا۔ جو مسلم لیگ کو ۱۹۳۵ء میں لڑنا پڑا۔ کانگریس مسلم لیگ کے مقابلہ میں

بڑے بڑے علماء لے آئی۔ اور لیگ کے کیمپ میں صرف مولانا شوکت علی مدیر "خلافت" اور مولانا مظہر الدین مدیر "اللمان" نظر آتے تھے۔ جنہیں صرف "اخباری مولوی" سمجھ کر دیوبند علماء کے مقابلہ میں لوگوں نے کوئی اہمیت نہ دی اور وہ مولانا شوکت علی سے کہنے لگے کہ کانگریس کی حمایت میں تو بڑے بڑے عالم آئے ہوتے ہیں۔ مگر مسلم لیگ کی حمایت میں کوئی بڑا عالم نظر نہیں آتا۔ جب ہر طرف سے یہی سوال ہونے لگا۔ تو مولانا شوکت علی بہت پریشان ہوئے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ آخر ان کی نظر تھانہ بھون کی خانقاہ امدادیہ پر جا کر رکی۔ انہوں نے خیال کیا کہ جھانسی کی پہلی سیاسی جنگ میں حضرت تھانوی کا ایک پیغام ہی نقشہ جنگ بدل سکتا ہے۔ اس تصور سے مولانا سنبھلے اور مستفسر ہوئے۔ انہوں نے اثبات آپ کو حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی پر اعتماد ہے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ تو فرمایا بس انہی سے تار دے کر پوچھ لو۔ ووٹ کس کو دیا جائے۔ چنانچہ اسی وقت حضرت تھانوی کو تار دیا گیا کہ ووٹ مسلم لیگ کے امیدوار کو دیا جائے۔ یا کانگریس کے امیدوار کو۔

تائید اشرف

حضرت تھانوی کانگریسیوں کے عزائم سے بخوبی آگاہ تھے۔ مگر مسلم لیگ والوں سے بھی کچھ مطمئن نہ تھے۔ اس لئے آپ نے اب تک شرح صدر کے ساتھ مسلم لیگ کی حمایت کا کوئی فیصلہ نہ کیا تھا۔ مگر کانگریس کے ضرور مخالف تھے۔ اس لئے تار ملنے پر آپ نے کسی نتیجہ پر پہنچنے کیلئے بغرض مشورہ مولانا شبیر علی صاحب تھانوی اور مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کو بلایا۔ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور و خوض کرنے کے بعد مولانا ظفر احمد صاحب نے یہ مشورہ دیا کہ آپ صرف یہ تار دے دیں کہ کانگریس کو ووٹ نہ دیا جائے۔ حضرت کو یہ رائے بہت پسند آئی اور اس وقت اسی مضمون کا جھانسی تار دے دیا گیا۔ تار کا پہنچنا تھا کہ مولانا شوکت علی

کی جان میں جان آئی۔ انہوں نے اپنے استصواب اور حضرت کے جواب کے بڑے بڑے پوسٹر چھپوا کر شہر کے در و دیوار پر چسپاں کر دیئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دیکھتے دیکھتے میدان الیکشن کا نقشہ بدل گیا۔ کانگریسی علماء وہ اثر پیدا نہ کر سکے۔ جو حضرت کے ایک تار سے پیدا ہوا۔ کانگریس کو شکست فاش ہوئی۔ اور میدان مسلم لیگ کے ہاتھ میں رہا۔

کامیابی کا شکریہ

چونکہ حضرت تھانوی کے تار نے مسلم لیگ کی بگڑی نہادی تھی۔ اسلئے مولانا شوکت علی اور مولانا مظہر الدین دونوں اپنے اس محسن کا شکریہ ادا کرنے کے لئے جنہوں نے آٹے وقت میں ان کی امداد کی تھی۔ تھانہ بھون پہنچے۔ دربار اشرفیہ میں باریابی کے بعد مولانا شوکت علی صاحب نے حضرت کے تار کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ

"جھانسی کے میدان میں ہمارے پاس کانگریس کے برابر نہ لاریاں تھیں۔ نہ روپیہ پیسہ تھا۔ آپ کے تار نے کچھ ایسا اثر کیا کہ کایا پلٹ دی۔ مسلمانوں میں یکایک مسلم لیگ کی حمایت کا جوش پیدا ہو گیا۔ جس کی وجہ سے ہم کامیاب ہو گئے۔"

تھانہ بھون میں جلسہ

اسی رات ان ہر دو حضرات کی درخواست پر تھانہ بھون میں مسلم لیگ کی طرف سے ایک جلسہ عام ہوا۔ جس میں انہوں نے جھانسی کے الیکشن کے حالات لوگوں کو سنائے کہ کس طرح بے سرو سامانی کے عالم میں انہیں فتح نصیب ہوئی۔ اس جلسہ میں حضرت تھانوی کی اجازت سے مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے بھی

نیا مد و جزر

اس کے کچھ عرصہ بعد کانگریس برسر اقتدار آگئی۔ جن صوبوں میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ وہاں انہوں نے اپنی حکومت بنائی۔ اور حکومت کے نشہ میں سرشار ہو کر انہوں نے مسلمانوں کو ختم کرنے کی مہم بڑی تیزی سے شروع کر دی۔ پنڈت نہرو نے بھی اس نشہ سے سرشار ہو کر مسلمانوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ ملک میں صرف دو پارٹیاں ہیں انگریز اور کانگریس۔ باایں ہمہ ملک کی بڑی بڑی سیاسی جماعتیں کانگریس کے ساتھ رہیں۔ جوں جو ہندوؤں کا تشدد بڑھتا گیا۔ مسلم لیگ قوت پکڑتی گئی۔ حالات روز بروز بدلتے بلکہ بگڑتے گئے اور نئے نئے سوالات پیدا ہوتے گئے۔ اب لوگ بڑی کشمکش میں مبتلا تھے کہ کس کا ساتھ دیں۔ جس کی وجہ سے روزانہ حالات حاضرہ کے متعلق تھانہ بھون بیسیوں استفسار رہے تھے۔

مصالحت کی کوشش

اگرچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا:

"طبعی رنگ درویشانہ یکسوئی کا تھا۔ اس کا مقتضایہ تھا کہ ان سیاسی تحریکات میں آپ کوئی دخل نہ دیتے۔ لیکن اس طبعی رنگ کے ساتھ حق تعالیٰ نے آپ کو ایک مجددانہ اصلاح و تربیت اور ہمدردی خلق کا وہ جذبہ صادقہ عطا فرمایا تھا۔ جو آپ کو اکثر بے چین کیے رکھتا تھا۔ اور اسی وجہ سے جب ملک میں کوئی ہنگامی تحریک شروع ہوتی۔ اس پر شرعی حیثیت سے اور تجربہ کارانہ بصیرت کے ساتھ نظر ڈال کر اپنے نزدیک اس کے حسن و قبح اور پھر صحیح راہ عمل واضح کر دینے کا معمول رہا۔"

(افادات اشرفیہ ص ۲)

ایک طرف تو کانگریس میں مسلمانوں کے بلاشرط داخلہ کے خطرناک عواقب قریباً سامنے آگئے تھے۔ اور اب اس بات کی ضرورت پیدا ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کو قوت کے ساتھ کانگریس میں شمولیت سے روکا جائے اور دوسری طرف رہنمائی کیلئے خطوط پر خطوط آرہے تھے اس لئے آپ نے ملک کی دو مسلمان سیاسی جماعتوں یعنی مسلم لیگ اور جمعیتہ العلماء ہند کے درمیان مصالحت کرانے کی غرض سے متعدد بار اکابر جمعیتہ العلماء سے گفتگو فرمائی۔ پھر یہ اہتمام کیا گیا کہ ایک تاریخ کو ارکان جمعیتہ العلماء اور ارکان مسلم لیگ کو جمع کر کے بالمشافہ دونوں سے بات چیت کی جائے۔ مگر بعض عوارض کی وجہ سے اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ تو اس کا بدلہ یہ کافی سمجھا گیا کہ ان دونوں جماعتوں سے ضروری سوالات کے ذریعہ تحقیق حال کی جائے۔ اور ان کے جوابات کی روشنی میں مصالحت کا کوئی ایسا فارمولا تلاش کیا جائے۔ جس سے مسلمان دینی اور سیاسی مضرت سے بچ سکیں۔ چنانچہ کسی حتمی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے حضرت تھانوی کی طرف سے دو سوالنامے مرتب کئے گئے۔ ان میں سے ایک جمعیتہ العلماء ہند کے نام بھیجا گیا۔ اور دوسرا مسلم لیگ کے نام وہ سوالنامے یہ تھے:

سوالنامہ بنام جمعیتہ العلماء

حاند و مصلیٰ و مسلماء۔ ان سوالات میں ابتدائی چند سوالات تو وہ ہیں۔ جو ہماری طرف سے ہیں۔ جن کا مقصد صرف یہ ہے کہ حالت حاضرہ کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے پوری طرح حالات و واقعات کا علم ہو جائے اور بعد کے چند سوالات وہ ہیں جو دوسرے لوگ جمعیتہ علماء ہند کے متعلق کیا کرتے ہیں۔ جن کا واقعی جواب جمعیت علماء ہی دے سکتے ہیں کہ اس کو ان واقعات و حالات کی زیادہ خبر ہے۔

ایک حکومت مشترکہ کا قیام ہے۔ جس میں عنصر کفر غالب اور عنصر اسلام مغلوب ہوگا۔ ایسی حکومت اسلامی حکومت یقیناً نہ ہوگی۔ تو اس کے لئے جدوجہد کرنا مسلمانوں کے ذمہ کس دلیل سے واجب ہے۔ نیز اس کی کیا ضمانت ہے کہ ہندو انگریزوں کو ہندوستان سے بالکل بے دخل کرنا چاہتے ہیں اور ان کے ساتھ میں مسلمانوں پر حکومت کرنا نہیں چاہتے۔ کانگریس کے اقتدار سے اس وقت ہندوؤں کے حوصلے جس قدر بڑھنے لگے۔ اور مسلمانوں پر بازاروں۔ دیہاتوں ملازمتوں سرکاری محکموں میں جو مظالم وہ برپا کرنے لگے ہیں۔ جمعیت علماء نے ان کے انداد کی کیا تدبیر سوچی ہے اور اسکے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا ہے یا نہیں؟

۲۔ کانگریس وزارتوں نے زمینداروں کی اراضی کاشتکاروں کی مملوک بنا دینے کی جو تجویز سوچی ہے۔ یقیناً صریح ظلم ہے اور جو لوگ کانگریس میں شریک ہیں وہ سب کے سب اس ظلم میں شریک ہیں۔ پھر اس سے بچنے کی جمعیت علماء نے کیا تدبیر کی اور کون سا عملی قدم اٹھایا ہے۔

۳۔ کانگریس میں بندے ماترم کا گیت گایا جاتا ہے۔ جو مضامین شریک پر مشتمل ہے۔ اور قومی جھنڈے کو سلامی دی جاتی ہے۔ جو قریب بہ شرک ہے۔ کانگریس مسلمان بھی بندے ماترم کے گیت کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں اور قومی جھنڈے کو سلامی دیتے ہیں۔ کیا ان افعال میں شرکت کرنا گناہ نہیں؟ اگر ہے تو جمعیت علماء نے مسلمانوں کو اس کے متعلق کیا ہدایت کی۔ اور اس پر اور اسی قسم کے دوسرے منکرات پر صدائے احتجاج بلند کی یا نہیں۔

۴۔ صدر کانگریس اور اس کی ہم خیالی جماعت جو اشتراکیت کی حامی اور مذہب اور خدا کی دشمن ہے۔ ان کی تقریر خدا اور مذہب کے خلاف شائع ہوتی رہتی ہے۔ جمعیت علماء نے ان کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بلند کی۔ یا نہیں۔ اور مسلمانوں کو ایسے کافروں کی تعظیم و تکریم سے روکا ہے یا نہیں۔

۵۔ کانگریس کے ساتھ جو آزادی حاصل ہوگی۔ اس کی کیا ضمانت ہے کہ اس میں مسلمانوں کے مذہبی و سیاسی حقوق کی پوری طرح حفاظت ہوگی۔ جبکہ

ابتدائی سوالات

الف۔ جمعیت علماء کے نزدیک مذہبی حیثیت سے کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کیوں ضروری ہے۔ اور کانگریس سے علیحدگی میں کیا ضرر ہے؟

ب۔ کانگریس میں مسلمانوں کا داخلہ جس صورت سے انفرادی غیر منظم اور غیر مشروط طریقہ پر اس وقت ہو رہا ہے اور مسلمان نشستوں کے لئے کانگریس خود براہ راست امیدوار تجویز کرتی ہے۔ کیا اس سے اسلام اور مسلمانان ہند کو خطرہ نہیں؟ اگر ہے۔ تو اس خطرہ سے بچنے کی کیا صورت ہے؟

ج۔ مسلم لیگ سے جمعیت علماء کو کیوں اختلاف ہے حکومت مسلمانوں کو منظم کر رہی ہے اور اس کا مقصد بھی آزادی کامل کا تخیل ہے۔ جیسا کہ اس سال لکھنؤ کے اجلاس میں اس نے اعلان کر دیا ہے۔

د۔ اگر مسلم لیگ میں کچھ مفاسد اور منکرات شریعہ موجود ہیں۔ تو کیا یہ صورت ممکن نہیں کہ جمعیت علماء مسلم لیگ میں شریک ہو کر اس کو مخلص اور فعال لوگوں سے بھر دے اور مسلمانوں کی تنظیم کو مکمل اور مفاسد و منکرات سے پاک کر دے۔

ه۔ کیا مسلم لیگ اور جمعیت علماء کے تصادم سے مسلمانوں میں تشنت و افتراق پیدا نہیں ہوتا اور کیا یہ تشنت مضر نہیں ہے۔ اگر ہے تو جمعیت علماء نے اس ضرر کے انداد کے لئے کوئی صورت اختیار کی ہے یا نہیں۔

نوٹ: یہ سوال مسلم لیگ والوں سے بھی کیا گیا ہے۔

دوسروں کے شبہات و اعتراضات

۱۔ کانگریس کے ساتھ مل کر جو آزادی ہندوستان کو حاصل ہوگی اس کا انجام

ہے (مدینہ اخبار ۱۳ دسمبر ۱۹۳۷ء) اگر نہیں تو اس اعتراض کا اطمینان بخش جواب کیا دیا جاوے۔

۶۔ مخالفین کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ ایک بے عمل جماعت ہے۔ کانگریس کی طرح اس نے کوئی عملی قدم اب تک نہیں اٹھایا۔ نہ مسلمانوں کے فائدہ کیلئے کوئی کام کیا اور اس وقت کانگریس کے مقابلہ پر جو جدوجہد الیکشن میں صرف کر رہی ہے مسلمانوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ انگریزوں کا نفع ہے کہ کانگریس کی قوت کمزور ہو کر آزادی ہندوستان کا مسئلہ تعویق میں پڑ جائے۔ اس اعتراض کا کیا حل ہے۔

۷۔ مسلم لیگ نے اب تک مسلمانوں کی تنظیم اور انکی مذہبی و تمدنی و اقتصادی ترقی کیلئے کیا طریق عمل اختیار کیا۔ اور اس کے لئے کونسا عملی قدم اٹھایا۔ یا آئندہ کیا ارادہ اور ذہن میں اسکی کیا صورت ہے۔

۸۔ اگر کسی وقت ہر طرح سے اطمینان حاصل کر کے مسلم لیگ کو کانگریس میں شامل ہونے کی ضرورت ہوئی۔ تو کیا مسلم لیگ کو توڑ کر اس میں شامل ہونے کی رائے ہے یا مسلم لیگ کو قائم رکھ کر مسلمانوں کے اقتدار کو برقرار رکھتے ہوئے شرکت کی رائے ہے۔

۹۔ اگر علماء مسلم لیگ کا ممبر بننا چاہیں۔ تو کیا ان کو بھی الیکشن ہی کے ذریعہ مسلم لیگ کا کوئی عہدہ حاصل ہوگا۔ جس سے ان کو مسلم لیگ کے اجلاس اور مجلس عاملہ وغیرہ میں اپنی رائے پیش کرنے کا حق ہو۔ یا اگر وہ اس ذریعہ کو پسند نہ کریں تو ان کو بدوں کے ذریعہ کے بھی ایسا درجہ مل سکے گا۔

۱۰۔ مسلم لیگ میں علماء کی وقعت کس درجہ کی ہوگی۔ اور بصورت اختلاف علماء کسی مسئلہ مختلف فیہا کو کس طرح طے کیا جائے گا۔ کیا اس کے لئے کوئی قاعدہ ذہن میں ہے۔

۱۱۔ جمیعیات علماء ہند دہلی اور مسلم لیگ کے تصادم سے مسلمانوں میں تشقت و افتراق پیدا ہو رہا ہے لیگ نے اس کے ضرر کو محسوس کیا ہے۔ یا نہیں۔

کانگریس اور اس کے ذمہ دار مسلمانوں کے مذہب اور حقوق کا نام لینا بھی جرم سمجھتے ہیں۔ اور اس کو فرقہ پرستی قرار دیتے ہیں۔ نیز جمیعیات علماء نے کانگریس کے ساتھ تعاون کر کے مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی حقوق کے تحفظ میں اس وقت تک کیا کام کیا ہے۔

۶۔ جمیعیات علماء نے اچھوت قوموں میں تبلیغ اسلام کے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا ہے یا نہیں جس کی مذہباً و سیاستاً سخت ضرورت ہے اور ان کے اسلام میں داخل ہو جانے کی بھی قومی امید ہے۔

سوالات از مسلم لیگ

۱۔ آپ کے نزدیک کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت سیاسی حیثیت سے کیوں مضر ہے اور اس سے علیحدگی کیوں ضروری ہے اکثر لوگ پوچھتے ہیں۔ تو ہم ناواقفیت کے سبب جواب نہیں دے سکتے۔

۲۔ کیا بدوں کانگریس کے تعاون کے ہندوستان کو آزادی مل سکتی ہے۔ اگر مل سکتی ہے تو اس کی جو صورت آپ کے ذہن میں ہو۔ اسکو واضح فرمایا جاوے۔

۳۔ کیا کانگریس سے مسلمانوں کی علیحدگی آزادی ہندوستان کے مسئلہ میں باعث تعویق و تاخیر ہوگی۔

۴۔ کیا مسلم لیگ تمام مسلمانوں کو یا انکی زیادہ تعداد کو کانگریس سے روک سکتی ہے۔ بظاہر یہ امر مستبعد ہے۔ کانگریس میں پہلے ہی سے مسلمان بہت ہیں اور جب سے وزارت قبول کر کے وہ برسر اقتدار ہوئی ہے۔ زیادہ تعداد اس میں شریک ہو رہی ہے۔ پس اگر مسلم لیگ نے تھوڑے سے مسلمانوں کو کانگریس سے روک لیا۔ تو کیا نفع کی امید ہے۔ جبکہ زیادہ حصہ اس میں شریک ہوگا۔

۵۔ کیا مسلم لیگ کے زیادہ تر ارکان انگریزوں کے حامی اور اندرونی طور پر لٹکے بھی خواہ ہیں۔ اور کیا بقول سر اکبر حیدری مسلم لیگ ایک برطانوی زہر

اگر کیا ہے تو اس ضرر کے انداد کی کوئی صورت باہمی اتفاق کی سوچی ہے۔ یا سوچنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔

نوٹ: یہ سوال جمیعت علماء دہلی سے بھی کیا گیا ہے۔

۱۲۔ مسلم لیگ نے اچھوت قوموں میں تبلیغ اسلام کی ضرورت کو محسوس کیا ہے۔ یا نہیں (جو نہ صرف مذہباً بلکہ سیاست بھی نہایت اہم ہے) اگر کیا ہے تو اس کے لئے عملی قدم اٹھایا گیا ہے یا نہیں اور اس کا نتیجہ کیا ظاہر ہوا۔ اگر اب تک نہیں۔ تو آئندہ کیا رائے ہے۔

جمیعت علماء کا سکوت

یہ سوالات صرف حضرت کی سیاست دانی کے ہی نہیں بلکہ معاملہ کی اہمیت و افادیت کے بھی شاہد ہیں کہ حضرت نے کس طرح مسلمانوں کے انتشار کو دور کرنے اور ان کے مذہبی اور سیاسی حقوق کی حفاظت کرنے کیلئے ان اہم سوالات کے ذریعہ حالات کی پوری پوری تحقیق کرنے اور مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی ایسی سعی بلیغ کی کہ ان کا انفرادی وجود بھی قائم رہے اور قوم کا اجتماعی مفاد بھی محفوظ رہے۔ مگر ارباب جمیعت علماء کی طرف سے اس سوالنامہ کا بار بار کی یاد دہانی کے باوجود کوئی جواب نہ ملا۔

زعماء مسلم لیگ کا جواب

مسلم لیگ والوں نے حضرت کی مخلصانہ مساعی کے عملی اعتراف کے طور پر نہایت مفصل و جامع دماغ جواب دیا۔ جس سے اس جدوجہد آزادی کا تمام پس منظر سامنے آ جاتا ہے۔ اور اس لئے یہ طویل جواب یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ ورنہ طوالت کا خوف اس کی اجازت نہ دیتا تھا۔ زعماء لیگ کا یہ جواب نواب محمد

اسماعیل خاں صاحب ایم ایل اے۔ بیرسٹر۔ صدر مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ و سید حسن ریاض صاحب و دیگر اراکین کے مشورہ سے تحریر ہوا۔ اور سید ذاکر علی جاسٹ سیکرٹری مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ صوبہ متحدہ نے دسمبر ۱۹۳۷ء کو حضرت کی خدمت میں روانہ کیا۔ جو درج ذیل ہے:

۱۔ بحث یہ ہے کہ مسلمان اجتماعی حیثیت سے کانگریس کے ساتھ تعاون کریں یا انفرادی حیثیت سے کانگریس میں داخل ہو جائیں۔ ہمارے خیال میں سیاسی حیثیت سے مسلمانوں کی انفرادی شرکت اس لئے مضر ہے کہ مسلمان اقلیت میں ہونے کی وجہ سے کانگریس میں ہمیشہ اس قدر کم تعداد میں رہیں گے کہ کانگریس کے مسلک اور عمل پر انکی رائے کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ نیز مسلمان ارکان کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور ورکنگ کمیٹی میں کانگریس کے با اختیار ادارے میں شاذ و نادر ہی منتخب ہو سکیں گے۔ کانگریس کی ان دونوں با اختیار کمیٹیوں میں اس وقت تک مسلمانوں کا جو تناسب رہا ہے۔ اس سے یہ اچھی طرح ثابت ہو رہا ہے کہ اندیشہ یہ بالکل صحیح ہے۔ غالباً آل انڈیا کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اکیس ارکان میں سے صرف دو مسلمان ہیں۔ اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے تقریباً تین سو ارکان میں سے سات یا آٹھ مسلمان ہیں۔ انتخاب مخلوط نشستوں کا یقین نہیں۔ کانگریس میں ہندو ووٹروں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس صورت میں کبھی توقع نہیں کی جاسکتی کہ مسلمان با اختیار کمیٹیوں میں اتنے ہو سکیں گے کہ وہ کانگریس کے فیصلوں اور طرز عمل پر کوئی اثر ڈال سکیں۔ اس سلسلہ میں کانگریس مسلمان سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ کثیر تعداد میں کانگریس کے ممبر بنیں۔ اور اس طرح کانگریس پر قبضہ کر لیں۔ یہ خیال غلط ہے ہندو مسلمانوں کے مقابلہ میں باعتبار تعداد زیادہ آگے ہیں۔ اور ہندو عورتیں بھی کانگریس کی ممبر بنتی ہیں۔ اور اس میں شریک ہوتی ہیں۔ مسلمان عورتیں اگر ممبر بھی بن جائیں۔ تو پردے کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکتیں۔ مسلمان زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہیں کہ اپنی ساری آبادی کو کانگریس کا ممبر بنوادیں۔ ہندو بھی یہی کریں گے۔ اس صورت میں ہندو مرد اور

عورتیں مل کر مسلمان مرد ممبروں سے تقریباً پانچ گنے ہو جائیں گے۔ اور کانگریس کی ہر کمیٹی کا فیصلہ انہی کی رائے پر منحصر ہوگا۔ مسلمان کبھی یہ توقع نہیں کر سکتے کہ ان کی کوئی تجویز کانگریس میں منظور ہو سکے گی۔ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ ان چار صوبوں کی کانگریس میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ یعنی صوبہ سرحد۔ پنجاب۔ سندھ اور بنگال کی ہر کمیٹی میں مسلمانوں کی اکثریت رہے گی۔ یہ ٹھیک ہے۔ مگر دشواری یہ ہے کہ کانگریس کے نظام میں دونوں کو موجودہ انگریزی نظام حکومت کی طرح صوبائی خود اختیاری حاصل نہیں ہے کانگریس اس وجہ سے کہ چار صوبوں میں مسلمانوں کو با اختیار اکثریت نہ ہو۔ صوبائی خود اختیاری کے خلاف ہے۔ اور مرکزی وحدانی طرز انتظام پر مصر ہے۔ کامل آزادی کے مسلک میں متفق نہ ہونے کے باوجود مسلمانوں اور کانگریس کے درمیان یہ مسلسل اختلاف رہا ہے۔ مسلمان اپنی اکثریت کے صوبوں میں جو بات چاہیں کریں گے۔ وہ مرکزی وحدانی طرز حکومت ہونے کی صورت میں کانگریس یعنی آل انڈیا کانگریس کے اجلاس۔ کانگریس کمیٹی اور ورکنگ کمیٹی میں نامنظور ہو جائے گی جہاں مسلمان ارکان کی تناسب چوتھائی سے زیادہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر مسلمان اس طرح کانگریس میں شریک ہو گئے۔ تو ان کی یہ حیثیت ہوگی۔ کہ انہی موجودگی میں ان کے مفاد کے خلاف فیصلے ہوں گے۔ اور آئینی اصول کے مطابق ان کو اکثریت کے فیصلوں کو ماننا پڑے گا۔ اور اسکے باوجود کہ وہ سکوت کریں یا اختلاف کریں۔ وہ ان مخالف فیصلوں کے ذمہ دار تصور کئے جائیں گے۔ اور کانگریس کے باہر بھی ان کو اختلاف کا کوئی حق نہ رہے گا۔ لیکن اگر مسلم لیگ کے ماتحت اپنی علیحدہ سیاسی تنظیم کریں۔ تو وہ ہندوستان میں ایک دوسری طاقت ہوں گے۔ جو تعداد کے اعتبار سے کم ہو۔ مگر دوسری حیثیت سے اکثریت کے مقابلہ میں زیادہ طاقت ور ہو سکتی ہے۔ یقیناً ہندوؤں اور مسلمانوں کے اشتراک اور اتحاد کے بغیر ہندوستان کا بظاہر آزاد ہونا ممکن نہیں۔ لیکن یہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا مشترکہ مفاد اور مقصد ہے۔ لہذا مسلمانوں کو ہندوؤں سے ملنے کی جتنی طلب ہے۔ اتنی ہی ہندوؤں کو بھی ہونی

چاہیے۔ لہذا کانگریس اگر اخلاص کے ساتھ ہندوستان کی آزادی کی طالب ہو۔ تو اس کو مسلم لیگ کے جائز مطالبات طے کرنے پڑیں گے۔ اور ہر اہم معاملہ میں مسلمانوں سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہوگی۔ انفرادی حیثیت سے کانگریس میں شرکت سے مسلم اقلیت ہندو اکثریت میں گم ہو جاتی ہے۔ اور جداگانہ تنظیم کی صورت میں مسلمانوں کی اجتماعی قومی انفرادیت قائم رہتی ہے۔ کانگریس میں شریک ہو کر مسلمان جو بات کہیں گے۔ وہ اکثریت کی آواز سے فی الفور دب جائے گی۔ اور جو بات مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے کہیں گے۔ وہ جداگانہ ہونے کی حیثیت ساری دنیا میں سنی ہو جائے گی۔ کانگریس میں شریک ہو کر مسلمان اپنے خاص مفاد کے لئے کوئی جداگانہ عمل نہ کر سکیں گے۔ اور جداگانہ اسلامی تنظیم کے ماتحت ہر عمل انکے اختیار میں ہوگا۔

جواب سوال نمبر ۲

کانگریس کے تعاون کے بغیر یا دوسرے الفاظ میں ہندوؤں کے تعاون کے بغیر مسلمان یقیناً ہندوستان کو آزاد نہیں کر سکتے لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ کانگریس کا تعاون انہیں شرائط پر حاصل کیا جائے جو کانگریس پیش کرے۔ یعنی ہر مسلمان چار آنہ کا ابتدائی ممبر بنے۔ اور انفرادی حیثیت سے بلا مسلم مفاد کے تحفظ کی شرائط منواتے ہوئے کانگریس میں داخل ہو کر اپنی اسلامی حیثیت کو گم کر دے۔ اور محض ہندوستانی رہ جائے۔ اسی طرح کیوں نہ ہو کہ مسلمان مسلم لیگ کے ماتحت اپنی تنظیم کریں۔ اور مسلمانوں کی انجمن مسلم لیگ اور ہندوؤں کی انجمن کانگریس کے درمیان تمام مشترکہ مفاد کے حصول کے لئے اور نیز آزادی حاصل کرنے کیلئے بشرائط اس قسم کا معاہدہ اتحاد ہو۔ جیسا دو حلیف قوموں کے درمیان ہوتا ہے۔ اہم معاملات کے تصفیہ کے لئے کانگریس کی مجلس عامہ اور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے اجلاس ہوں۔ اور ان اجلاسوں میں جو فیصلے ہوں۔ ان پر دونوں انجمنیں اور دونوں قومیں کاربند ہوں کیا انگریزوں اور فرانسیسیوں نے اپنی اپنی قومی انفرادیت کو

مثلاً بغیر جرمنی کے خلاف جنگ نہیں کی۔ کانگریس کا تعاون حاصل کرنے کی دوسری اور مسلمانوں کے حق میں بہتر صورت یہ ہے کہ اگر مسلمان مسلم لیگ کو مستحکم اور مضبوط کر لیں اور کانگریس میں شریک نہ ہوں تو یقیناً کانگریس اس طریقہ پر مسلمانوں سے اتحاد کرنے پر مجبور ہوگی۔

جواب سوال نمبر ۳

کانگریس میں مدغم ہونے کے بعد جب مسلمان یہ دیکھیں گے کہ انہی رائے اور آواز بے اثر ہے اور وہ اپنے قومی مفاد کے خلاف ہندوؤں کے پیچھے پیچھے چلنے پر مجبور ہیں۔ تو آزادی حاصل کرنے کا یہ جذبہ انکے دلوں میں سرور ہو جائے گا۔ اور آزادی کی تحریک اور جنگ مسلمانوں کی ہمت اور عمل سے اس طرح محروم ہو جائے گی۔ جس طرح کہ انگریزی حکومت ہندوستان کے تحفظ کیلئے جنگوں میں ہندوستانیوں کے طبعی جوش مدافعت وطن اور جوش ملک گیری سے محروم ہے اور صرف روپیہ دے کر انکو لڑنے پر آمادہ کرتی ہے۔ لہذا اس طرح حصول آزادی میں تعویق اور تاخیر زیادہ ہوگی۔ لیکن اگر مسلم لیگ میں مسلمان رہے اور کانگریس میں تعویق اور تاخیر زیادہ ہوگی۔ لیکن اگر مسلم لیگ میں مسلمان رہے اور کانگریس میں ہندو رہے۔ ان دونوں کے درمیان اس طرح اتحاد قائم ہوا جیسا کہ دو کے درمیان ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کو اس کا اطمینان ہو گیا کہ ان کی اسلامیت اور قومی انفرادیت محفوظ ہے اور آزاد ہندوستان میں وہ بھی آزاد قوم کی حیثیت سے رہیں گے تو مسلمان اپنے مفاد کے لئے اور ہندو اپنے مفاد کے لئے حلیفوں کی حیثیت سے خالص وطنی آزادی کے جذبہ سے جنگ کریں گے۔ یہ جنگ جس قسم کی بھی ہو زیادہ طاقت ور ہوگی۔ اس سے آزادی جلد حاصل ہو سکے گی۔

جواب سوال نمبر ۴

یقیناً مسلم لیگ مسلمانوں کو کانگریس میں شریک ہونے سے روک سکتی ہے۔ اور اس کے باوجود کہ کانگریس برسر اقتدار اور اس کی وزارت قائم ہے۔ تجربہ سے ظاہر ہو گیا ہے کہ کانگریس کی حکومت قائم تھی۔ مسلم لیگ نے کانگریس کے

مقابلہ میں پانچ الیکشن لڑے۔ ان میں سے چار میں مسلم لیگ کامیاب ہوئی۔ اور صرف ایک بمبور میں ناکامی ہوئی۔ اس ناکامی کی وجہ بھی حافظ ابراہیم صاحب کا ذاتی اثر اور مسلم لیگ کو کام کرنے کی مہلت کم تھی۔ نیز یہ کہ ابھی تک مسلم لیگ کی تنظیم مکمل اور طاقت ور بھی نہیں ہے۔ پھر تاریخی تجربہ یہ بھی بتا رہا ہے۔ کہ اقوام کی اکثریت اپنے مفاد اور وجود کے تحفظ کے حق میں رہتی ہے۔ حکومت کے موید صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے مفاد براہ راست حکومت سے وابستہ ہوں۔ مثال کے طور پر کانگریس کے سابقہ تحریکات کو لیجئے۔ انگریزوں کی حکومت قائم تھی۔ ہزار ہا ہندو سرکاری ملازم تھے۔ زمیندار۔ خطاب یافتہ اور ٹھیکیدار اور اجارہ دار وغیرہ تھے۔ مگر قوم کی آواز وہی سمجھی گئی۔ جو کانگریس کے پلیٹ فارم سے بلند ہوئی۔ حکومت کے موید ہندوؤں یا ہندوستانیوں کی تائید ہندوستانیوں یا ہندو قوم کی تائید نہیں سمجھی گئی۔ لہذا جو لوگ ذاتی اغراض کے لئے یا کانگریس کے اقتدار سے مرعوب ہو کر مسلم مفاد کے خلاف کانگریس میں شریک ہوں گے وہ بھی انگریزی حکومت کے پرستار ہندوؤں کی طرح بے اثر ہو کر رہ جائیں گے۔ نیز یہ کہ جب مسلم لیگ کا نظام مضبوط ہو جائے گا۔ اور یہ ناممکن ہو جائے گا۔ کہ کوئی مسلمان انفرادی حیثیت سے یا کانگریس کی طرف سے کھڑا ہو کر مجالس و اضغان قانون کا ممبر منتخب ہو سکے۔ اور مسلم رائے عامہ کانگریس کا ممبر ہونا عیب اور مسلم لیگ کا ممبر ہونا اچھا سمجھنے لگے گی۔ تو کوئی مسلمان کانگریس کا ممبر بننا پسند نہ کرے گا۔ اور اس طرح مسلم لیگ مسلمانوں کو کانگریس میں جانے سے روک دے گی اور بالفرض اگر کوئی چھوٹی سی بے اثر جماعت کانگریس میں رہی بھی۔ تو کانگریس کی نظر میں اسکی کوئی وقعت نہیں ہوگی۔ چنانچہ ۲۹ء سے ۳۸ء تک یہی ہوا کہ کانگریس ہندوؤں اور مسلمانوں کے فرقہ وارانہ معاملات کے متعلق کانگریس مسلمانوں سے کوئی گفتگو نہیں کرتی تھی۔ بلکہ ہر معاملہ میں ان کو نظر انداز کر کے کانگریس کو مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس سے رجوع کرنا پڑتا۔ آخر میں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ کانگریس میں مسلمانوں کی بڑی تعداد ہر گز شریک نہیں۔ اس قسم کے تمام

اعلانات جموٹے اور بے بنیاد ہیں۔ بعض چند افراد ہیں۔ جو کانگریس میں شریک ہیں۔

جواب سوال نمبر ۵

اکتوبر ۳۷ء سے مسلم لیگ میں مکمل انقلاب ہوا۔ کامل ذمہ دار حکومت کی بجائے پورا استقلال یا پوری خود مختاری مطمح نظر قرار پایا ہے۔ محدود رکنیت کی جگہ ۲ جنس کی شرط پر رکنیت عام کی گئی ہے۔ گویا اب مسلم لیگ سب سے زیادہ جمہوری انجمن ہے ابتداء سے انتہا تک جتنی کمیٹیاں بنیں گی اور جتنے عہدے دیئے جائیں گے۔ وہ انتخاب کے ذریعہ ہوں گے۔ اس صورت میں انگریزوں کے خوشامدیوں کے دخل کا مسلم لیگ میں کوئی امکان نہیں۔ لیکن بالفرض عام مسلمان انگریزوں کے حامی واقع ہوئے ہیں اور وہ ایسے ہی لوگوں کو منتخب کرنا چاہتے ہیں۔ جو انگریزوں کے حامی ہیں۔ تو ان کو کون روک سکتا ہے۔ مگر یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ مسلم لیگ کے تمام موجودہ ارکان کی میعاد رکنیت فروری میں ختم ہو جائے گی۔ نئے انتخابات میں امیر اور غریب کو عام ممبر بننے کے وقت اس عہد نامہ پر دستخط کرنے پڑیں گے۔ کہ وہ کامل آزادی کا طالب ہے۔ اس کے بعد وہ انتخابات میں آنے گا۔ اس کے بعد بھی اگر وہ منافقت کرے۔ اور دل میں انگریزوں کا حامی رہے۔ تو اس پر کسی کو قابو نہیں جیسے کوئی شخص توحید و رسالت وغیرہ کا اقرار کرے۔ ہم اس کو مسلمان ماننے پر مجبور ہیں اس کے دل میں کیا ہے۔ اس پر سوال کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ اس طرح کے منافق لوگ خود کانگریس میں بھی موجود ہیں۔ اور کانگریس ان کو اندر آنے سے نہیں روک سکتی۔ سر اکبر حیدری مسلم لیگ کو جو برطانوی زہر کھہ رہے ہیں اس کے معنی بالکل اور ہیں۔ کیا سر اکبر حیدری نے حیدر آباد میں کانگریس قائم کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اور کیا وہ کانگریس کو تریاق سمجھتے ہیں ہر ہندوستانی ریاست سیاسی تحریکات کو اپنے حدود کے اندر داخل ہونے سے روکتی ہے۔ خواہ وہ قومی ہو۔ یا فرقہ وارانہ۔ صاف بات ہے

حیدر آباد میں مسلمانوں کو سیاسی استیلاء حاصل ہے۔ وہاں مسلمانوں کے حقوق مفاد اور آزادی خطرہ میں نہیں۔ حکومت انجمن سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔ حیدر آباد میں مسلم حکومت موجود ہے۔ اس صورت میں یقیناً وہاں مسلم لیگ کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر حیدر آباد میں مسلم لیگ قائم کی جائے گی۔ تو وہ بجائے سیاسی انجمن کے خالص فرقہ وارانہ انجمن بن کر رہ جائے گی۔ جو حکومت اور ہندوؤں کے درمیان تصادم کا باعث ہوگی۔

جواب سوال نمبر ۶

یہ غلط ہے کہ مسلم لیگ بے عمل جماعت ہے۔ مسلم لیگ ابتداء یعنی ۱۹۰۷ء میں اس غرض سے قائم ہوئی تھی۔ کہ برطانیہ سے ہندوستان کو جو مراعات ملیں۔ ان میں سے مسلمانوں کو پورا حصہ دلانے۔ اور مزید مراعات حاصل کرنے میں اکثریت کے ساتھ تعاون کرے۔ چنانچہ اس نے یہ کیا کہ کانگریس نے ہندوستان کے لئے سیاسی اختیارات حاصل کرنے کی جب کوئی تحریک شروع کی۔ مسلم لیگ نے اس کی تائید کی۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے متحدہ مطالبہ پر مانٹنگو جیمسفورڈ اصلاحات ہندوستان کو دی گئیں اور مسلم لیگ کے ذریعہ مسلمانوں کی اجتماعی حکومت کو محسوس کر کے کانگریس ۱۹۱۶ء میں فرقہ وارانہ معاملات میں مسلم لیگ سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہوئی۔ جو ۱۹۳۵ء تک بلا تغیر جاری رہا۔ چونکہ مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد ابتداء محض ہندوستان کی اندرونی سیاسی امور تک محدود تھے۔ اس لئے جب جنگ عظیم ہوئی۔ اور خلافت اور انا کن مقدسہ کا مسئلہ سامنے آیا۔ تو انہیں مسلمانوں نے جو مسلم لیگ کے بانی اور رکن تھے۔ خلافت کمیٹی قائم کی۔ خلافت کمیٹی نے جو کچھ کیا۔ اس سے دلایا واقف ہے۔ عملاً اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو خلافت کمیٹی حقیقت میں مسلم لیگ کا شعبہ امور خارجہ تھا۔ ۱۹۲۹ء سے جب نہرو رپورٹ کا فتنہ اٹھا۔ نئے دستور موسومہ قانون حکومت ہند ۳۵ء کے بننے تک مسلم لیگ نے ہندوستان کے سیاسی اختیار کی ترقی اور اس میں مسلمانوں کے حق کے

تعیین میں جو کچھ کیا۔ اس قانون کے اندر موجود ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ مسلم لیگ نے کانگریس کے ساتھ مل کر سول نافرمانی نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے معاملہ میں کانگریس نے مسلم لیگ کو اطمینان نہیں دلایا تھا بلکہ مسلمانوں کے علی الرغم سول نافرمانی شروع کر دی۔ کانگریس کی یہ سول نافرمانی کس مقصد کیلئے تھی۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ یہ کامل آزادی حاصل کرنے کیلئے کی گئی مگر یہ غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب وائسرائے نے نہرو رپورٹ منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ جو مسلمانوں کے مفاد کے لئے سخت مضر تھی۔ تو کانگریس نے اس ضد میں سول نافرمانی شروع کر دی۔ مسلمان اس سول نافرمانی کو اپنے خلاف ہندوؤں کی طرف سے اس بات کا مظاہر سمجھتے تھے کہ ہندوستان میں اصل طاقت ہندوؤں کی ہے۔ اور مسلمان قابل اعتبار بھی نہیں ہوتا۔ اور مسلمانوں کا یہ خیال صحیح تھا۔ چنانچہ ثبوت میں پنڈت جواہر لعل نہرو کا یہ متبرک انہ قول پیش کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں ایک کانگریس دوسری برطانوی حکومت۔ یہ کہ مسلم لیگ جو کانگریس سے الیکشن لڑ رہی ہے۔ اس سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تخلصین کی طرف سے مسلم لیگ پر ایک بے مغز اعتراض ہے۔ اگر یہ عہد لے کر مجلس و اضغان قانون کا ممبر منتخب کرنا مسلمانوں کیلئے مفید نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے حقوق و مفاد کا تحفظ کرے گا۔ جن کے وہ آئین مروجہ کی رو سے مستحق ہیں۔ تو تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ مسلمانوں کو مجالس و اضغان قانون میں بھیجنا ہی مسلمانوں کے حق میں مفید نہیں مسلم لیگ صرف اس غرض کے لئے الیکشن میں جدوجہد کر رہی ہے کہ صرف ان لوگوں کو بھیجے جو ہندوستان کے سیاسی اختیار کی ترقی کے ساتھ مسلمانوں کے مذہبی تمدنی اور سیاسی حقوق کے تحفظ کے خلاف کانگریس کی اطاعت نہ کریں۔ اگر یہ بات کہ مسلمان کسی عہد کے ساتھ مجالس و اضغان قانون میں جائیں۔ اس قدر غیر اہم ہے کہ اس سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ تو کانگریس اپنے قدیم دستور کے خلاف اس مرتبہ الیکشن لڑانے پر اس قدر کیوں مصر ہے کہ اس کو کمزور ہونا منظور

اور کمزور ہو کر آزادی ہندوستان کی تحریک کو تعویق میں ڈالنا منظور مگر مسلم لیگ کے مقابلہ میں الیکشن لڑانا ضرور۔ واضح رہے کہ اس معاملہ میں کانگریس کا عمل جارحانہ ہے، کہ مسلم لیگ کا اس اعتراض کا صرف یہ حل ہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کا مطمح نظر کامل آزادی ہے۔ مفاد عامہ کے کاموں میں مسلم لیگ کی پارٹی کانگریس کی کوئی مخالفت نہیں کرتی۔ البتہ مسلم اقلیت کے حقوق و مفاد کا تحفظ اس کا رضائی عمل ہے۔ لہذا کانگریس کو مسلم لیگ کے مقابلہ میں کوئی الیکشن نہ لڑنا چاہیے۔ پھر نہ وہ کمزور ہوگی۔ اور نہ آزادی کی تحریک (اگر اس کا کہیں وجود ہے) تعویق میں پڑے گی۔

جواب سوال نمبر ۷

مسلم لیگ نے اکتوبر ۱۹۳۷ء سے قبل ہندو اکثریت کے جارحانہ اقدامات کے مقابلہ میں اپنی مدافعت کر کے مسلمانوں کی دینی مذہبی۔ اجتماعی سیاسی اور اقتصادی تنظیم کی حفاظت کی ہے۔ اکتوبر ۱۹۳۷ء سے اس کا نیا دور شروع ہوا ہے۔ اب وہ عام مسلمانوں کو مسلم لیگ کی تنظیم میں داخل کر کے مسلمانوں کے اجتماعی اور سیاسی خلفشار کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ رائے عامہ کی تربیت کر کے ہندوستان کے مسلمانوں کو آزادی کامل اور آزاد ہندوستان میں مسلم اور دوسری اقلیتوں کے لئے جمہوری تحفظ یعنی اکثریت کے فرقہ وارانہ جبر و استبداد کے امکان کے خاتمہ کے مقصد پر ہم خیال کرنا چاہتی ہے۔ اور ان مقاصد کے حصول کیلئے جس طاقت کی ضرورت ہے۔ وہ تنظیم کے ذریعہ پیدا کر رہی ہے۔ اس غرض کے لئے ہر ہر شہر۔ قصبہ اور موضع میں جمعیت بھرتی کی جا رہی ہے۔ اقتصادی خوشحالی کیلئے مسلمان دست کاروں کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیزوں کے رواج کی کوشش ہے۔ سود منسوخ کرانا مد نظر ہے۔ اور مسلم لیگ کا جو ارادہ ہے۔ وہ اس کے سالانہ اجلاس کی قراردادوں سے مفصل معلوم ہوگا۔

جواب سوال نمبر ۸

اگر کانگریس سے سمجھوتہ ہو گیا اور اکثریت کے جبر و استبداد کا کوئی خطرہ نہ رہا۔ مسلم لیگ اس وقت بھی قائم رہے گی۔ اور اشتراک عمل مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان ہو گا۔ مسلمان منتشر ہو کر کانگریس میں کبھی شریک نہ ہوں گے۔ مسلم لیگ کی یہ قطعی رائے ہے۔

جواب سوال نمبر ۹

اگر علماء مسلم لیگ کے ممبر بننا چاہیں تو ان کو الیکشن کے ذریعہ مسلم لیگ کی بااختیار کمیٹیوں میں آنے سے گریز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ یہ تو بہترین صورت ہے لیکن خاص حالات میں بہت ہی مقتدر علماء کے لئے جو الیکشن کے ذریعہ نہ آسکیں ایک صورت اور بھی ہے جس کو انگریزی میں کوآپریشن کہتے ہیں۔ یعنی وہ بطریق اصفافہ آسکتے ہیں۔

جواب سوال نمبر ۱۰

مسلم لیگ میں دینی امور کے متعلق علماء کی رائے کو وہی وقعت حاصل ہو گی۔ جواب تک مسلمانوں میں انکی رائے کو حاصل رہی ہے۔ ان معاملات میں اگر علماء کے درمیان کوئی اختلاف ہو۔ تو اس کے لئے وہی طریق اختیار کیا جائے گا۔ جو حدیث و قرآن کی رو سے صحیح ہو۔

جواب سوال نمبر ۱۱

یقیناً مسلم لیگ نے جمعیتہ العلماء اور مسلم لیگ کے تصادم کو ضرور محسوس کیا ہے اور اس کے انداد کی اس کے ذہن میں یہ صورت ہے کہ جمعیتہ العلماء اور مسلم لیگ کے درمیان تقسیم عمل ہو جائے یعنی خالص دینی امور کا انصرام جمعیتہ العلماء اپنے ذمہ لے لے۔ اور مذہبی تمدنی سیاسی اور دوسرے شعبہ ہائے حیات کے انصرام میں شرکت کیلئے علماء حضرات مسلم لیگ میں بحیثیت مسلمان شریک

جواب سوال نمبر ۱۲

بے شک راجپوتوں اور غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام مسلم لیگ کے نزدیک ایک اہم فریضہ ہے۔ اور سیاسی حیثیت سے بھی یہ ضروری ہے۔ مگر اس اہم اسلامی خدمت کے اہل صرف علماء حضرات ہیں۔ بد نصیبی سے مسلم لیگ کو ان کا پورا تعاون حاصل نہیں رہا ہے۔ اسلئے وہ اس خدمت سے قاصر رہی ہے۔ اگر علماء اس کام کو شروع کریں تو مسلم لیگ انکے ساتھ پورا پورا تعاون کرے گی۔

اعلان مسلک

حضرت مسلم لیگ کے جواب کی روشنی میں حالات حاضرہ کا ابھی جائزہ ہی لے رہے تھے کہ ۵ فروری ۱۹۳۸ء کو مولوی منفعت علی صاحب وکیل و ممبر مسلم لیگ سہارن پور کی طرف سے حضرت کو ایک خط موصول ہوا۔ جس میں تمام حالات پر روشنی ڈالنے کے بعد درخواست کی گئی کہ:

"حضرت اقدس کے نزدیک دونوں جماعتوں یعنی لیگ اور کانگریس میں سے مسلمانوں کو کس جماعت میں شرکت کرنی چاہیئے۔"

(مسائل سیاسیہ ص ۷۰)

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کے بیان کے مطابق اس خط کے موصول ہونے کے بعد ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء کو حضرت تھانوی ایک مضمون لکھ کر خانقاہ میں تشریف لائے۔ صبح کی مجلس میں مولانا ظفر احمد ثانی صاحب عثمانی اور مولانا شبیر علی صاحب تھانوی و دیگر علماء خانقاہ کو بلا کر فرمایا کہ:

"رات میں نے سونا چاہا۔ مگر نیند نہیں آئی۔ بار بار قلب یہ تقاضا کرتا تھا کہ جواب لکھو۔ جب شدید تقاضا ہوا تو میں لکھنے بیٹھ گیا۔ اور یہ مضمون قلمبند ہوا۔ جسے "تنظیم المسلمین" کا نام دیا گیا ہے۔"

اس کا خلاصہ حضرت تھانوی کے الفاظ میں یہ تھا کہ:

"از خود نہ کسی سے آویزش کی ضرورت ہے۔ نہ آمیزش کی ضرورت۔
رہائے حق کو مطلع نظر رکھ کر اپنے کام میں لگے رہیں۔ اور اس رضا کی شرط یہ ہے
کہ ہر کام میں اس کا پورا لحاظ رکھیں کہ کوئی امر خلاف شرع نہ ہونے پائے۔ یہی
عبدیت کی روح اور حیات مسلم کی اصل الاصول ہے۔"
(افادات شریفیہ و مسائل سیاسیہ ص ۷۵)

وضاحت مسلک

اپنے مذکور الصدر اعلان کی وضاحت میں آپ نے آگاہی عوام کے لئے
"تنظیم المسلمین" کا ضمیمہ بعنوان "عرض ضروری باطلاع محذوری" حسب ذیل
تحریر فرمایا:

"بعد الحمد والصلوة حضرات ناظرین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ سیاسیات
حاضر کے متعلق ایک فتویٰ مسمیٰ بہ "تنظیم المسلمین" زمانہ قریب میں میری جانب
سے شائع ہو چکا ہے۔ اور اس سے میرا مسلک واضح ہو گیا ہے۔ مگر پھر بھی روزانہ
ڈاک میں اس کے متعلق برابر خطوط آتے رہتے ہیں۔ جن میں مختلف عنوانات سے
سوالات ہوتے ہیں۔ چونکہ میں بوجہ ضعف ہر جزئی کا مفصل جواب دینے سے قاصر
ہوں۔ اور بغیر تفصیل کے غلط فہمی کا اندیشہ ہے۔ جیسا کہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ نیز
اس فتویٰ میں نہایت احتیاط کے ساتھ اس قدر قیود و حدود کی رعایت کی گئی ہے کہ
ان میں غور کرنے سے یا کسی عالم کے مطالعہ میں شریک کرنے سے تقریباً تمام
ضروری سوالات کا جواب اس سے حاصل ہو جاتا ہے۔ مثلاً

۱۔ ہر تنظیم کا حسب قدرت شرع کے موافق ہونا ضروری ہے۔

۲۔ جس جماعت میں داخل ہوں۔ اس کی اصلاح کی کوشش کریں۔ اس میں منکر پر
نکیر کرنا بھی آگیا۔

۳۔ جو شخص اسلام کو حق جانتا ہو۔ اس کی اصلاح بہ نسبت غیر مسلم کے سہل
ہے۔

۴۔ اصلاح اس تفصیل سے کی جاوے کہ اہل قوت اپنی قوت سے اور غیر اہل قوت
ان اہل قوت کو آمادہ کرنے سے اور علماء سے علمی و عملی امداد حاصل کرنے سے
کام لیں۔

۵۔ تمام علماء احکام کی تبلیغ میں مشغول رہیں کہ تقسیم خدمات کے قاعدہ سے یہ ان
کا اصلی فرض ہے۔ اہل سیاست سے اسکی توقع فضول ہے۔ جیسا اس کا عکس۔ البتہ
اہل سیاست تدابیر سیاست کے جواز و عدم جواز کے حکم میں علماء کے محتاج ہیں۔
۶۔ غیر اسلامی جماعت کے ساتھ اصول شرعیہ کے موافق صلح کا مضائقہ نہیں۔
لیکن ان میں مدغم نہ ہوں۔

۷۔ اگر کوئی دوسری اسلامی جماعت پیدا ہو جائے۔ اس کے ساتھ اتحاد رکھیں۔

۸۔ اگر ایسی سیاسی جماعت مستقی نہ ہو مگر اسلام کی حفاظت اور مخالفین اسلام کی
مدافعت اس کا مقصود مشترک ہو۔ جیسا کہ اس وقت زیادہ غرض تنظیم سے یہی ہے
کہ جو متعصبین آزادی ہند کے بعد ہندوستان سے اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں۔ ان کے
مقابلہ میں اس کی حمایت کریں تاکہ اسلام اپنے اصول و شعار کے ساتھ ہندوستان
میں باقی رہے۔ گو اس جماعت کے اتحاد میں اختلاف مذاہب بھی ہو۔ اور اس وقت
کی فضاء پر غلط کر کے بظاہر اسباب اس کی ضرورت ہے کہ اس مقصود کے حاصل
کرنے کیلئے باہمی اختلاف کو بجائے خود رکھ کر سب کلمہ گو جمع ہو جاویں۔ تو مستقی نہ
ہونا ایسی حالت میں اختلاف میں مانع تعاون نہیں۔ البتہ اس میں شرط ضروری ہے
کہ اس تعاون میں جو اختلاف ہو۔ وہ مضر دین نہ ہو۔ اور اس کی اسلم صورت یہ ہے کہ
عوام الناس ایسے لوگوں سے مذہبی گفتگو نہ کریں۔ نہ سنیں۔ یہ کام علماء پر چھوڑ
دیں۔ البتہ اپنے عقیدہ کی علمی و عملی اصلاح خاص ملاقاتوں میں لطف و اخلاق سے
کرتے رہنا بلا خطر مناسب بلکہ واجب ہے۔ تاکہ وہ بھی تقویٰ کے ساتھ موصوف ہو
جاویں۔ حاصل اس تقسیم خدمات کا یہ ہے کہ زعماء کا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کو من

۱۲۲
 حیث القوم مٹنے نہ دیں اور علماء کا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کو من حیث المذہب بگڑنے نہ دیں۔ تو ایک جماعت میں جن خاص اوصاف کی کمی اسکے فرض میں مخل ہے۔ اس کمی کو دوسری جماعت میں دیکھ کر خود اس جماعت کو بیکار سمجھنا محض نا حقیقت شناسی اور ناتجربہ کاری ہے۔

ہر کے ہر کارے ساختند

۹۔ ہر حال اور ہر عمل میں اصل مصلح نظر رکھنا ہے جو کورکھیں کہ حقیقی کامیابی اسی پر موقوف ہے۔

۱۰۔ فتویٰ ۱۳۵۶ھ کے ختم اور ۱۹۳۸ء کے آغاز کا لکھا ہوا ہے اور اس وقت کی حالت کی بناء پر ہے۔ اگر حالات بدل گئے تو حکم بھی بدل جائے گا۔ یہ وہ اعلان تھا جس کے ذریعہ آپ نے مسلمانوں کو چند شرائط کے ساتھ مسلم لیگ میں شامل ہونے کا فتویٰ دیا۔

مجلس دعوة الحق

حضرت تھانوی کی اصل سیاست یہ تھی کہ جس طرح بھی بن سکے۔ مسلمانوں کو سچا مسلمان بنادیا جائے۔ اس لئے آپ کی حمایت لیگ سیاسی اغراض کیلئے نہ تھی۔ بلکہ اس غرض کیلئے تھی۔ کہ مسلمان لیگ کے اندر داخل ہو کر اپنی تنظیم اور لیگ کی اصلاح کی فکر کریں۔ تاکہ یہ کانگریس کا مقابلہ کر سکے۔ اور متعصبین اسلام کو ہندوستان سے نہ مٹا سکیں۔ اور اسلام اپنے اصول و شعائر کے ساتھ ہندوستان میں باقی رہے مسلم لیگ چونکہ نہ علماء کی جماعت تھی اور نہ بالکل دینداروں کی۔ اس لئے حضرت تھانوی کو اس کی قیادت سے کچھ دینی مضرتوں کا احتمال تھا۔ جس کی وجہ سے آپ نے ایک ایسی تبلیغی جماعت بنانے کی ضرورت محسوس کی۔ جو تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی سیاسی جماعت مسلم لیگ کی بھی نگرانی کرتی رہے۔ تاکہ وہ مسلمانوں کے حقوق کا گورنمنٹ سے مطالبہ کرتے

وقت شریعت کے خلاف عمل نہ کر بیٹھے۔ چنانچہ اس غرض کیلئے حضرت کے ایماء پر "مجلس دعوة الحق" قائم ہوئی جس کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔

الف۔ حضرت تھانوی کے رسائل "تنظیم المسلمین و تعلیم المسلمین" میں جو عوام و خواص کو تنظیم و تبلیغ کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس کے لئے ایک مرکز قائم کرنا۔ اور تنظیم و تبلیغ کو وسیع پیمانہ پر ہندوستان میں پھیلانا۔

ب۔ مسلم لیگ کے لیڈروں کو دینداری کی طرف متوجہ کرنا۔ کیونکہ مسلم لیگ کو اس وقت مسلمانوں میں بڑی حد تک مرکزی شان حاصل ہے۔ اس کے لیڈروں کی اصلاح سے بہت کچھ عوام کی اصلاح متوقع ہے۔

ج۔ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے ارکان کے پاس ان کے جلسوں میں یا خاص اوقات میں چند مخلصین کا وفد بھیجتے رہنا۔ جو یہ بات ان کے ذہن نشین کرائے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ اتباع احکام الہیہ سے ہی کامیابی اور ترقی ہوتی ہے۔ محض اسباب ظاہرہ یا دیگر اقوام جیسا مظاہرہ مسلمانوں کیلئے ہرگز کافی نہیں ہوتا۔

د۔ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کو شعائر اسلامیہ کی پابندی کی تبلیغ کرانا اور ان سے درخواست کرنا کہ مسلم لیگ کے ہر ممبر پر قانونی طور سے شعائر اسلامیہ کی پابندی کو لازم کیا جائے کہ اس پر کامیابی موقوف ہے اور قلوب اہل اسلام کا انحراف بھی اسی سے ہوگا۔ جو تنظیم کی بنیاد ہے۔

چنانچہ اس تبلیغی پروگرام پر نومبر ۱۹۳۸ء سے عملدرآمد شروع ہو گیا۔ اور اس کی ابتداء قائد اعظم کو تبلیغ سے ہوئی۔

تطہیر و تکفیر کی سلاخی

ایک طرف تو حضرت تھانوی اور ان کے مخلصین کی جماعت اللہ کے دین کا بول بالا کرنے اور مسلمانوں کی دینی و دنیوی فلاح کی غرض سے مسلم لیگ والوں کو صحیح معنوں میں مسلمان بنانے میں مصروف تھی۔ اور دوسری طرف خود حضرت

بہ نفس نفیس تشریف لائیں۔ اگر سفر کا تحمل نہ ہو۔ تو کسی کو بطور نمائندہ روانہ فرمائیں۔ معاملات کی اہمیت حضور کے پیش نظر ہے۔"

حضرت تھانوی کا جواب

جمعیتہ العلماء ہند کے دعوت نامہ کا حضرت تھانوی کی طرف سے مندرجہ ذیل جواب لکھا گیا:

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا دعوت نامہ آیا۔ میرا عذر سفر تو آپ کو معلوم ہی ہے اس لئے خود تو حاضری سے قاصر ہوں۔ اگر دعوت نامہ کچھ پہلے آتا۔ تو ممکن تھا کہ اس کے متعلق کچھ خط و کتابت کر کے کسی کو بھیجنے کا انتظام کرتا۔ اب عین وقت پر اس کا انتظام بھی مشکل ہے۔ اس لئے شرعی حیثیت سے صرف اپنی ایک رائے کا اظہار کرتا ہوں۔ جس کے متعلق مولانا محمد کفایت اللہ صاحب سے زبانی گفتگو بھی ہو چکی ہے۔ اور اب تو واقعات نے مجھ کو اس رائے پر بہت ہی پختہ کر دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا خصوصاً حضرات علماء کا کانگریس میں شریک ہونا میرے نزدیک مذہباً مہلک ہے بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا نہایت ضروری ہے۔ علماء کو خود مسلمانوں کی تنظیم کرنا چاہیے تاکہ ان کی تنظیم خالص دینی اصول پر ہو۔ اور مسلمانوں کو کانگریس میں داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک انکی دینی موت کے مترادف ہے۔ والسلام اشرف علی۔" (افادات اشرفیہ)

مگر عین وقت پر اس کی روانگی روک لی گئی۔ اور یہ جواب نہ بھیجا گیا۔ اس جواب کے نہ بھیجنے کی مصلحت اس وقت معلوم ہوئی جب جمعیتہ العلماء ہند کے مذکورہ بالا اجلاس میں ہونے والی تقریر کے رد عمل کے طور پر اجلاس کے اختتام کے قریب ہی مولوی مظہر الدین مالک اخبار اللان دہلی کو قتل کر دیا گیا اگر یہ جواب چلا جاتا۔ تو یہی خیال کیا جاتا کہ حضرت کے جواب سے برا فروختہ ہو کر جلسہ والوں نے

تھانوی کو کافر قرار دینے والا بریلویوں کا فتویٰ لوگوں میں تقسیم کیا جا رہا تھا۔ اور مسلم لیگ والوں کو بے دین ثابت کیا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ قائد اعظم تک کو کافر کہا جا رہا تھا۔ تاکہ کسی طرح لوگ مسلم لیگ میں شامل نہ ہوں۔ اس پر حضرت نے ایک دوسرا اعلان بعنوان "الطریق الامم فی شرائط الامم" جاری کیا۔ اور اس میں لکھا کہ:

"بعض حضرات کانگریس کے مفاسد کے جواب میں اکثر اہل مسلم لیگ کے بعض اعمال دینیہ کی کوتاہیاں پیش کر کے بطور الزام ان کو تابیوں کو اس کے ساتھ اتحاد کرنے کے جواز سے مانع قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ کہاں اصل ایمان کا فقدان کہاں فروغ اعمال کا نقصان۔ تو ایک کا قیاس دوسرے پر فاسد اور قیاس مع الفارق ہے۔ خصوص جبکہ اس دوسرے نقصان کی اصلاح کی توقع بھی تریب ہو۔ جس کی کوشش شروع بھی ہو گئی ہے۔

ظاہر ہے کہ اہل مسلم لیگ کی کوتاہیاں خوارج کی بددینی کے درجہ تک تو نہیں پھر جب کفار کے مقابلہ کے لئے خوارج کے ساتھ اشتراک عمل جائز ہے۔ تو مسلم لیگ کے ساتھ بدرجہ اولیٰ جائز ہو گا۔ پس اس تحریر سے کانگریس اور مسلم لیگ کی حقیقت اور حکم میں صاف فرق ظاہر ہو گیا۔ اس پر بھی اگر کوئی شخص اپنے قیاس فاسد پر اصرار کرے۔ تو کیا علاج۔"

جمعیتہ العلماء ہند کی دعوت

جب کانگریس نے دیکھا کہ حضرت تھانوی مسلم لیگ کی پشت پناہی سے باز نہیں آرہے۔ تو اس کی حلیف جماعت جمعیتہ العلماء ہند کے ناظم مولانا احمد سعید صاحب کی طرف سے مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۳۹ء کو حضرت تھانوی کی خدمت میں اس مضمون کا ایک دعوت نامہ پہنچا۔ کہ

"جمعیتہ العلماء ہند کا جو اجلاس دہلی میں ہو رہا ہے اس میں شرکت کیلئے

ایسی تقاریر کہیں جو مسلم لیگ کے ترجمان کے قتل پر منتج ہوئیں۔ چونکہ حضرت پر اس واقعہ کا ہونا منکشف ہو چکا تھا۔ اس لئے آپ نے جواب نہ بھیجے دیا۔

قتل کی دھمکی

حضرت کے خط نے کانگریسوں کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ کانگریسی حکومتوں کی مسلم کش پالیسی اور ہندوؤں کے جبر و استبداد کے پاکستان کے لئے راہ صاف کرنی شروع کر دی جمیعتہ العلماء احرار۔ سرخ پوش۔ بیٹھلٹ اور مومن کانفرنس والے سب مل کر بھی تھانہ بھون کے مرد درویش کی آوارہ پیشہ انداز نہ ہو سکے۔ اور مسلمان حضرت تھانوی کے اعلانات پر جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہو کر جنگ پاکستان لڑنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ غرضیکہ کانگریسوں کے تمام ناجائز حربوں کے باوجود حضرت تھانوی مسلم لیگ کی حمایت سے باز نہ آئے۔

خلفہ بہ منت یک طرف آل شوخ تنہا یک طرف

سیاسی معاملات میں حضرت تھانوی کے اس استقلال و استقامت کو دیکھ کر محقق اسلام مولانا مناظر احسن گیلانی نے مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کو لکھا کہ:

"اللہ تعالیٰ ان (حضرت تھانوی) کے سایہ کو ملت اسلامیہ کے سر پر دیر تک صحت و سلامتی کے ساتھ قائم رکھے۔ اور اس وقت کے طوفان کے اکیلے ملج کو اتنا تو وقفہ دے کہ کم از کم یہ طوفان سر سے ٹل جائے۔ علماء میں افسوس ہے کہ سب ادھر ہی چلے گئے۔ جدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں۔ ایک حضرت ہی ہیں۔ جن سے اس جماعت کی آبرو باقی ہے۔" (حکیم الامت ص ۵۳۶)

اہل نظر حضرت کی درازی عمر کے لئے دعائیں مانگ رہے تھے۔ اور اہل غرض انہیں اپنے راستہ سے ہمیشہ کیلئے ہٹانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ جمیعتہ العلماء ہند کو ٹکسا جواب ملنے کے قریباً ڈیڑھ ماہ بعد حضرت تھانوی کو ۱۵ اپریل ۱۹۳۹ء کی ڈاک میں ایک خط موصول ہوا جس کے لفافہ پر مٹونا تھ بھنبن ضلع اعظم

گرٹھ کے ڈاک خانہ کی ۱۳ اپریل ۱۹۳۹ء کی مہر تھی خط میں کاتب کا نام اور پتہ درج نہ تھا۔ یہ لکھا تھا کہ:

"یہ بات بہت تشویش اور ہمارے لئے شرم کی ہے کہ کانگریس جمیعتہ العلماء۔ احرار اور مومن کانفرنس کی تمام کوششوں کے باوجود مسلم لیگ کا فتنہ ملک میں پھیلتا جاتا ہے اور آپ نے علماؤں کے خلاف مسلم لیگ کے موافق فتویٰ دیا ہے۔ جس سے بہت اثر ہے۔ لیکن اب ہماری پارٹی مسلم لیگ کے مولویوں اور بددین لیڈروں کو مزاحم کرنے کیلئے تیار ہو کر میدان میں آگئی ہے۔ اس لئے آپ کو بھی تاکید نوٹس دی جاتی ہے کہ ایک مہینہ کے اندر اندر مسلم لیگ سے اپنا فتویٰ واپس لے لو۔ اور حضرت امیر الہند مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا مسلک قبول کر لو۔ اور کانگریس کی حمایت کرو۔ ورنہ یقین اور پورا یقین رکھو کہ مظہر الدین "اللمان" والا کی طرح تم کو بھی تمہاری خانقاہ میں چھرے سے ذبح کر دیا جائے گا۔ یہ قسمیہ اور ایماناً اطلاع بھیجی جاتی ہے۔ ایک مہینہ کی مدت غنیمت جاننا۔ ایک مہینہ تمہارے بیان کی انتظار کر کے ہمارا آدمی روانہ ہو جائے گا۔ جو پستول یا چھرے سے تم کو ختم کر دے گا۔ پھر مردود جینا (قائد اعظم) کی باری ہوگی۔ اور بدعتی مولوی حامد بدایونی کی۔ یہ چٹھی کوئی دھمکی نہیں ہے۔ فقط کانگریس زندہ باد اور جمیعتہ العلماء زندہ باد۔" (اعلام نافع ص ۲)

دھمکی کا جواب

حضرت تھانوی نے قتل کی اس دھمکی کے جواب میں حسب ذیل اعلان "النور" ماہ صفر ۱۳۵۷ھ میں شائع فرمایا:

"معلوم ہوتا ہے کہ کاتب خط نے میرے اس فتویٰ میں جو مسلم لیگ کے متعلق ہے اور جس کا لقب تنظیم المسلمین ہے۔ غور نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے بلادلیل اس کو مسلم لیگ کی حمایت مطلقہ سمجھ لیا۔ حالانکہ اس میں ذیل کی قیود کی

تصریح کی ہے۔
۱۔ اس کو اس جماعت پر ترجیح دی ہے۔ جس میں غالب عنصر غیر مسلمین کا ہے۔
۲۔ اسلامی منظم و صاحب قوت و صاحب اثر جماعتوں پر اگر موجود ہوں۔ ترجیح نہیں دی بلکہ یہ لکھ دیا ہے کہ اگر مسلم لیگ کی اصلاح کے قبل یا بعد اور کوئی جماعت مسلمہ منظمہ۔ صاحب قوت و صاحب اثر ہو جائے تو اس صورت میں مسلم لیگ اور وہ جماعت دونوں اتحاد و اشتراک کے ساتھ کام کریں۔ تاکہ مسلمانوں میں افتراق و تشتت نہ ہو۔
۳۔ اس میں مسلم لیگ کے نقائص کو تسلیم کر کے اس کی اصلاح کا سب کو مخصوص علماء کو مشورہ دیا ہے۔

۴۔ پھر اس میں جو اہل قوت و اہل اثر ہیں۔ ان کو اپنی قوت و اثر سے اس کی اصلاح کی تاکید کی گئی ہے۔

۵۔ خود بھی اس کی اصلاح کا برابر سلسلہ رکھتا ہوں۔ چنانچہ عام رسائل بھی اور خاص ذمہ داروں کے نام خطوط بھی جاتے رہتے ہیں۔

۶۔ ابھی لیگ کے اجلاس پٹنہ میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کا ایک مختصر وفد اس کام کیلئے بھیجا۔ پھر ۱۲ فروری ۱۹۳۹ء کو چند عزیزوں کو اس کام کیلئے دہلی روانہ کیا۔ غرض جتنا بھی ہو سکتا ہے۔ لیگ کے ذمہ دار حضرات کو برابر دین کی تبلیغ کر رہا ہوں۔ اگر میرے ساتھ سب مسلمان خصوص علماء بھی مل کر ان حضرات پر زور دیتے۔ اور ان کو نماز روزہ اور وضع اسلامی کی اور تمام دینی شعائر کی پابندی پر مجبور کرتے تو اب تک مسلم لیگ حقیقی معنوں میں مسلم لیگ ہو جاتی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں نے ان خطرات سے آویزش کو مناسب نہیں سمجھا۔ کہ جلے کرتا اور ان کے مقابلہ میں ان کو تاحیوں کو بر ملا بیان کرواتا۔ کہ اس کو میں مضر سمجھتا ہوں۔ اس طریقہ سے دوسرے کو ضد ہو جاتی ہے۔ جو طریقہ میں نے اختیار کیا ہے۔ وہ دیر طلب ضرور ہے۔ مگر اس کا اثر انشاء اللہ دیر پا ہو گا۔ پھر ان احتیاطوں کے ساتھ میں نے وہ فتویٰ قبل اشاعت اپنی دیوبندی جماعت کے علماء کو بھی دکھلا لیا تھا۔ جس

کی پسندیدگی پر سب نے اتفاق کیا تھا۔ مگر میں نے اس وقت ان حضرات کے نام ظاہر نہیں کئے کہ شاید وہ اپنی مصلحت کے خلاف سمجھیں صرف

فیما بینی و بین اللہ

ان سے اپنا اطمینان کر لیا تھا۔ جیسا کہ ان کی تصدیقات سے ظاہر ہے۔
میں اب بھی اس پر آمادہ ہوں کہ اگر علماء سے اس کا رروائی کے خلاف شرع ہونے کا فتویٰ حاصل کر کے مجھ کو اطلاع کر دی جائے۔ میں اس میں انصاف اور تدبیر سے غور کر کے شرح صدر کے بعد اپنے فتویٰ سے رجوع کر لوں گا۔ جیسا کہ میرا ہمیشہ سے معمول رہا ہے رسالہ ترجیح الراجح کا سلسلہ اس کی دلیل ہے اور یہی کلام ہے کانگریس کی حمایت میں۔ جس کو اب تک میں بحالت موجودہ اسلام اور اہل اسلام کیلئے سخت مضر سمجھتا ہوں۔ لیکن اگر دلیل شرعی سے اس کے خلاف واضح ہو جائے۔ تو میں اپنی رائے بدلنے کو تیار ہوں۔ اور کسی کی غلطی پر مطلع کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

باقی اگر تنویف سے کسی نے اپنی ضمیر کے خلاف کوئی رائے بھی ظاہر کر دی۔ یہ عقلاً مفید نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص یہی سمجھے گا کہ یہ رائے دل سے نہیں دی۔ تو اس سے مقصود حاصل نہ ہو گا۔ اس لئے یہ طریقہ محض عبث اور عقل و شرع دونوں کے خلاف ہے۔ یہ سب تنقیح اس وقت ہے جب حقیقت کو سمجھنا اور حق کا اتباع کرنا مقصود ہو۔ اور اگر یہ نہیں تو پھر بجز قیامت کے دن کے اس کے فیصلہ کی کوئی صورت نہیں باقی میں اس پر قادر نہیں کہ محض مخلوق کے راضی کرنے کیلئے حق تعالیٰ کو ناراض کر دوں۔ اور دنیا کی متاع قلیل کے لئے آخرت کے نفع و ضرر کو نظر انداز کر دوں۔

میرا ہی کیا ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ مقدرات بدلا نہیں کرتے۔ لہذا جو ہونے والا ہے ہو کر رہے گا۔ اور نہ ہونے والا نہ ہو گا۔ اس لئے اس خط کا محمد اللہ مجھ پر کوئی معتد بہ اثر نہیں ہوا۔ اور نہ اس سے بچنے کیلئے مجھے کسی رسالہ کے شائع کرنے کی ضرورت تھی۔ مگر اس سے مجھے یہ شبہ ہو گیا کہ بعض لوگوں کو مسلم لیگ

کے متعلق میرے مسلک کی نسبت کچھ غلط فہمی ہو رہی ہے۔ اگر اس خط میں کاتب کا نام و نشان ہوتا۔ تو خصوصیت کے ساتھ تفہیم ممکن تھی۔ اب عام عنوان سے جواب دے دیا ہے۔ والسلام۔

والله الهادی الى سواء السبيل

یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ محبت و عقیدت اور جوش و جنون انسان کی نظر حقیقت تک نہیں پہنچنے دیتا۔ حضرت تھانوی کے جواب سے ارباب ہوش کی تو تسلی ہو گئی۔ مگر ارباب جوش نے اسے اپنے لئے آخری تازیانہ سمجھا۔

لیگ خاکسار اتحاد

میں اس زمانہ میں جبکہ حضرت تھانوی کو لیگ کی حمایت کی پاداش میں قتل کرنے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ مسلم لیگ خاکسار ان سے محبت کی پینگیں بڑھا رہی تھیں۔ جس کے ذریعہ اس کے امیر علامہ مشرقی مسلمانوں میں اپنے عقائد کفریہ پھیلا رہے تھے۔ جس کی خبریں تھانہ بھون میں مخلصین اور معتز صنیں کے خطوط کے ذریعہ برابر پہنچ رہی تھیں۔ اور حضرت کو مطعون کیا جا رہا تھا۔ کہ آپ ایک ایسی جماعت کی تائید و حمایت کر رہے ہیں۔ جس کا تعلق علامہ مشرقی کی جماعت سے ہے۔ جو عقائد کفریہ رکھتے ہیں۔ اس سے حضرت تھانوی کو سخت رنج پہنچا۔

صدر یو۔ پی مسلم لیگ کی طلبی

اس سے کچھ عرصہ قبل قائد اعظم کے ایماء پر نواب محمد اسماعیل خاں صاحب بیرسٹر و ایلم۔ ایل۔ اے صدر پارلیمنٹری بورڈ و یوپی مسلم لیگ نواب جمشید علی خاں صاحب کے ہمراہ لیگ کے خلاف حضرت تھانوی کے شکوک رفع

کرنے کی غرض سے تھانہ بھون حاضری دے چکے تھے۔ اور انہی کی یقین دہانی پر حضرت لیگ کی حمایت فرما رہے تھے۔ اس لئے لیگ خاکسار اتحاد کے سلسلہ میں حضرت نے ان سے ہی شکوہ کرنا مناسب سمجھا اور انہیں تھانہ بھون میں طلب فرمایا۔

افہام و تفہیم اور اس کا نتیجہ

چنانچہ نواب صاحب فوراً تھانہ بھون پہنچے۔ وہاں افہام و تفہیم کی جو گفتگو ہوئی۔ اس کی تفصیل نواب صاحب یوں لکھتے ہیں کہ:

"دوسری مرتبہ مولانا نے خود مجھے تھانہ بھون میں طلب کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ علامہ مشرقی نے کوئی قرآن مجید کی تفسیر لکھی تھی۔ یا لکھنا شروع کی تھی۔ اس پر مولانا مرحوم کو سخت غصہ تھا۔ ان کو کسی نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ لیگ اور خاکساروں میں گہرا تعلق ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے۔ تو وہ لیگ سے بھی ہرزاری کا اعلان کر دیں گے۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ ایسا کرتے۔ انہوں نے مجھ سے تصدیق کرنی مناسب سمجھی۔ میں نے ان کو یقین دلایا کہ خاکساروں کا لیگ تحریک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اکثر ہمارے جلسوں میں بغیر بلائے بحیثیت والٹھیروں کے آجاتے ہیں۔ میں ایک بیان شائع کروں گا جس میں پبلک کو ظاہر کر دوں گا کہ لیگ خاکساروں کے ساتھ کوئی تعلق یا سمجھوتہ نہیں ہے۔ مولانا مطمئن ہو گئے۔ میں نے یہ بیان پیش کیا کہ اس سے قبل کہ مولانا کوئی بیان اخبارات کو دیں۔ یہ بہتر ہو گا کہ علامہ مشرقی کو بتائیں کہ ان سے کیا کیا غلطیاں اس تفسیر میں ہوئی ہیں۔ اور اگر وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف نہ کریں تو ضرور ان کے خلاف بیان شائع کریں۔ اس کو انہوں نے خندہ پیشانی سے منظور فرمایا۔"

(مکتوب گرامی مورخہ ۱۰ جون ۱۹۵۵ء)

حضرت تھانوی نے نواب صاحب کو بتلایا کہ وہ علامہ مشرقی کو اس سلسلہ

میں لکھ چکے ہیں اور نواب صاحب نے واپس آکر بحیثیت صدر یو۔ پی مسلم لیگ یہ بیان اخبارات میں شائع کر دیا کہ لیگ کا خاکساران سے کوئی تعلق یا واسطہ یا سمجھوتہ نہیں ہے۔ جس سے حضرت کو تسلی ہو گئی۔

سیاست کے کرشمے

اسلام نے تو سیاست کی بنیاد امانت و دیانت پر رکھی تھی۔ مگر دانایان فرنگ نے اسے خود غرضی و مطلب پرستی کا ذریعہ بنا دیا۔ اور جان و ناجائز۔ حلال و حرام اور دوست دشمن کی تمیز اڑا دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ذاتی مفاد کی خاطر قومی مفاد قربان کیا جانے لگا۔ اور ذاتی اغراض کیلئے دوستوں کو بھی دشمن سمجھنے لگا۔ اس زمانہ میں پنجاب کی "اتحادی حکومت" تھی۔ جس کی عنان وزارت سر سکندر حیات مرحوم کے ہاتھ میں تھی۔ ان کی پالیسی اگرچہ مسلم لیگی تھی۔ مگر اپنی وزارت کے استحکام کیلئے کانگریسوں سے بھی انہوں نے دوستانہ گانٹھ رکھا تھا۔ حسن اتفاق سے مسلم لیگ کو ۳۹ء میں امرتسر کا ضمنی الیکشن لڑنا پڑا۔ مسلم لیگ نے امرتسر کے مشہور قومی کارکن شیخ صادق حسین صاحب کو نمائندہ منتخب کیا۔ کانگریس ان کے مقابلہ میں امرتسر کے مشہور کانگریسی رہنما ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو کو میدان میں لے آئی۔ گو دونوں کا امرتسر اپنا گھر تھا۔ جوڑ بھی برابر کے تھے۔ مگر کانگریسوں کو کچھ لیگیوں کا پلہ بھاری معلوم ہوا۔ اس لئے شیخ صادق حسین صاحب کو پھارڈنے کے لئے کانگریس کی حلیف جماعت احرار نے بھی الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا۔ اور اپنا مشہور اور مخلص رہنما چودہری افضل حق مرحوم مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ ان کا اگرچہ امرتسر گھر نہیں تھا۔ مگر ان کی جماعت احرار کا گڑھ ضرور تھا۔ اب ذرا لیگ والوں کے بھی کان کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اگرچہ خاکساروں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ جن کا وہ عہد شباب تھا۔ مگر وہ جانتے تھے کہ علماء حق کی امداد کے بغیر وہ کانگریس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس وقت سر سکندر حیات

خال کی بالکل وہی حالت تھی جس حالت سے چار سال قبل مولانا شوکت علی مرحوم کو جھانسی کے میدان میں دو چار ہونا پڑا۔ اس کامیاب سیاست دان نے دیکھا کہ اگر حضرت تھانوی شیخ صادق حسن صاحب کے حق میں چند سطریں لکھ دیں۔ تو وہ ان کی روحانی قوت سے احرار اور کانگریس کو شکست فاش دے سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت تھانوی کی خدمت میں آنریری سیکرٹری پنجاب پراونشل مسلم لیگ آرگنائزنگ کمیٹی کی معرفت درخواست امداد بھیجی۔

سر سکندر حیات خال کو ٹکا سا جواب

جس وقت سر سکندر حیات خال کا ذاتی پیغام امداد تھانہ بھون پہنچا۔ اس وقت حضرت کے کانوں تک یہ خبریں بھی پہنچ چکی تھیں کہ:

- ۱۔ شیخ صادق حسن صاحب خاکساروں کی امداد سے الیکشن لڑ رہے ہیں۔
- ۲۔ بعض لیگی حضرات کانگریسی علماء کو سامنے رکھ کر بلا استثنیٰ علماء کرام کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

۳۔ اور کہ وہ شعائر اسلام کی پابندی بھی نہیں کر رہے جس کی حضرت انہیں تبلیغ کرنے اور کراتے رہتے تھے۔ اس لئے حضرت کو ارباب لیگ سے سخت شکوہ تھا۔ سر سکندر حیات خال کے خط آنے کے بعد اب آپ کو انہیں کھری کھری سنانے کا موقع ہاتھ آیا اور آپ نے سر سکندر حیات خال کو ایسا ٹکا سا جواب دیا۔ جو انہیں کبھی کسی اور کے نہ دیا تھا۔

داستان شکوہ لیگ

یہ تاریخ اور بصیرت افروز مکتوب سر سکندر حیات خال کے خط کا صرف جواب ہی نہ تھا۔ بلکہ ارباب مسلم لیگ کے شکوہ کی مکمل داستان بھی تھی۔ حضرت

رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:
از اشرف علی عفی عنہ - یکم رجب - جمعہ ۵۸ھ

مکرمی زاد لطفکم علیکم ورحمۃ اللہ - الطاف نامہ صادر ہوا۔ احقر تو مسلم لیگ کا ہمیشہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہ کسی غرض کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ
حامی ہے۔ اور وہ حمایت الحمد للہ کہ کسی غرض کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ
مسلمانوں کی دنیوی اصلاح میں اس وقت مسلم لیگ ہی میں شامل ہونے میں سمجھ رہا
ہوں۔ اور کانگریس میں داخل ہونے میں دینی و دنیوی دونوں کا نقصان خیال کرتا
ہوں۔ لیکن ہر مسلمان جانتا ہے کہ دنیا سے دین مقدم ہے۔ اور تاریخی واقعات و
شواہد سے یہ بھی ثابت ہے کہ جب تک مسلمان دین اور مذہب پر قائم رہے۔ اور
اس قدر پختگی سے قائم رہے۔ کہ لوگ ان کو مجنون سمجھتے تھے۔ ان کو دین کے ہر
چھوٹے بڑے حکم کی تعمیل کی دھن تھی۔ اس وقت تک دنیوی اعتبار سے بھی
مسلمان ہر طرح کامیاب رہے اور تمام دنیا میں ان سے آنکھ ملانے والا کوئی نہ تھا۔
اور جب سے اس میں کمی آئی۔ اسی وقت سے ذلیل ہوتے ہوتے اب ان کی ذلت
کی انتہا ہو چکی ہے۔ اور تمام سمجھدار حضرات اپنی تقریروں اور تحریروں میں فرماتے
ہیں کہ مسلمانوں کو اپنی ماضی کی طرف لوٹنا چاہیے۔ مگر نامعلوم اس کا مفہوم کیا سمجھ
لیا ہے۔ کہ اس کو فرماتے سب ہیں۔ جانتے سب ہیں۔ مگر دین کی باتوں سے گریز
ہے۔ کھتے ہیں۔ مگر عمل نہیں کرتے۔ سوا اگر حضرات لیگ دینداری کی طرف توجہ
فرماتے۔ تو آج لیگ کی ترقی سے تمام اقوام خائف ہوتیں۔ مگر نہ معلوم کون سی
چیز مانع ہے۔ کہ اس طرف نہیں آتے۔ میں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسہ
پٹنہ میں ایک پیغام بھیجا تھا۔ جو وہاں پڑھا بھی گیا تھا۔ اور سب حضرات کو تقسیم
بھی کیا گیا تھا۔ اس میں صرف دو چیزوں کی طرف میں نے توجہ دلائی تھی۔ اول نماز
کی پابندی کو لیگ کے مقاصد میں شامل کیا جاوے۔ دوسرے وضع اسلامی کو لیگ
کے ہر ممبر پر لازمی قرار دیا جاوے۔ نماز کا ارکان اسلام میں اہم ترین رکن ہونا ہر
مسلمان کو معلوم ہے۔ اور وضع خاص رکھنا تو ایسی چیز ہے کہ دنیا کے تمام

سیاست دان اس کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ جرمنی کا لباس الگ ہے۔ فرانسیسی
کا الگ و علیٰ ہذا۔ اور فوجی وردی تو لازمی طور پر الگ ہوتی ہے۔ اگر جرمنی سپاہی مثلاً
انگریزی وردی پہن کر جرمنی فوج میں شامل ہو۔ اور ویسے ہر طرح وفادار اور مستعد ہو۔
لیکن صرف وردی کی تبدیلی کی وجہ سے وہ مستوجب سزا کا ہو گا۔ و علیٰ ہذا۔ تو کیا
مسلمان کے لئے جو حق تعالیٰ کی فوج ہے۔ کوئی خاص وضع اور امتیاز ضروری نہیں
ہے؟ ہے اور ضروری ہے!

لیکن افسوس کہ حضرات لیگ نے ان دونوں باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ
فرمائی۔ اگر ان باتوں کی طرف توجہ فرماتے۔ تو دین کی اور باتیں بھی جو ترقی دنیا
میں بھی موثر ہیں۔ میں اور بتلاتا۔ مگر مجھے واقعی حضرات لیگ سے یہ شکایت ہے کہ
مولویوں کو صرف الیکشن کے وقت پوچھا جاتا ہے اور ان کے فتوؤں پر عمل کرنے
کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اور پھر ان کی بات کی طرف کوئی کان نہیں دھرتا۔ ہم اگر
ذاتی منافع کے لئے کچھ بھی لکھیں۔ تو بیشک نہ سنئے۔ نہ مانئے۔ لیکن اگر ان
حضرات کو ہم پر اعتماد ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم فتویٰ صحیح دیتے ہیں۔ تو کیا
وجہ ہے کہ وہ الیکشن ہی کے لئے صحیح ہوتا ہے۔ دوسرے وقت وہ قابل عمل نہیں
ہوتا۔ میری غرض لیگ کی حمایت سے یہی تھی کہ اس میں محمد اللہ سمجھدار، عالی
دماغ مسلمان ہیں۔ تو ان حضرات سے جب دینداری کے لئے کہا جاویگا تو بہت جلد
مان لیا جاوے گا۔ تو گویا لیگ کی حمایت دین کی حمایت تھی اور جب میں دیکھتا
ہوں کہ اصل چیز یعنی دین ہی سے بے تعلقی اور بے توجہی ہی ہے۔ تو بجز خاموشی
کے اور کیا کروں۔ آپ بی انصاف فرماویں کہ اب میرا کیا جی چاہے! یہاں تک تو
وہ امور عرض کئے تھے۔ جن کی طرف حضرات لیگ کو متوجہ کر چکا ہوں اور پھر بھی
انہوں نے عمل نہیں کیا۔

اب دو نئی چیزیں پیدا ہوئی ہیں۔ جن سے میں بہت پریشان ہو رہا ہوں
ایک تو لیگ کا علامہ مشرقی سے تعلق اور دوسرا ذمہ داران لیگ کا علماء کے وقار اور
ملازم کے برباد کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ مشرقی کی کتابیں میں نے بھی دیکھی

ہیں۔ اور جہاں تک ہو سکا میں نے اس کے اقوال کی تاویل بھی کی۔ مگر وہ انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ اور اس کے عقائد جن کی رفتہ رفتہ وہ خاموشی سے تبلیغ کر رہا ہے صریح کفر ہے۔ اور چونکہ مسلم لیگ اس وقت تک مسلمانوں میں مقبول جماعت ہے۔ مگر خاکساروں کی حمایت کی وجہ سے لوگ لیگ سے بھی بدظن ہو رہے ہیں۔ جس کا مجھے اس طرح علم ہوا ہے کہ اکناف ہند سے ان لوگوں کے سوالات میرے پاس آ رہے ہیں۔ جواب تک مسلم لیگ کے سرگرم اور حامی ممبر تھے۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ لیگ جب خاکساروں سے تعاون کرتی ہے۔ تو اسے مسلم لیگ میں داخل رہنا جائز ہے یا نہیں؟ غرض ان خاکساروں سے ملنے کی وجہ سے بھی لیگ بدنام ہو رہی ہے۔ اور جو شخص اب لیگ کی جدید حمایت کرے گا وہ بھی بدنام ہو گا۔ دوسری چیز لیگ والوں کا بلا کسی استثناء کے علماء کے وقار کو تباہ کرنے کی کوشش دینا ہے۔ اگر کانگریسی علماء سے بچایا جاتا تو یہی سمجھا جاتا کہ اختلاف مسلک کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ مگر بلا کسی استثناء کے علماء کے اثر کو مٹانے کی سعی کے معنی تو مذہب کو مٹانے کی سعی کرنا ہے۔ اور جو جماعت دین کو مٹانے کی فکر میں ہو۔ آپ ہی انصاف فرمادیں کہ اس سے میں کہاں تک تعاون کر سکتا ہوں۔

مجھے بھی افسوس ہے کہ مجھے جناب سے نیاز حاصل نہیں ہے اور سر سکندر حیات خاں صاحب کے ارشاد کے بعد مجھے ایک ایسی تحریر لکھنا پڑی جو بظاہر خلاف تہذیب ہے۔ مگر مسلمانوں کی اصل تہذیب چونکہ دین ہے اور دین کی خیر خواہی مجھے مجبور کرتی ہے۔ کہ ان حالات میں میں اس ارشاد کی تعمیل سے عذر کروں۔ اس لئے مجھے امید ہے وہ معاف فرمائیں گے۔ اور اگر ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے تو شاید وقت آجائے گا۔ اور لیگ خدا اور رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے احکام پر عمل کرنا شروع کر دے۔ تو میں لیگ کا ہر وقت خادم ہوں۔ اخیر میں ایک دم تنزل کر کے عرض کرتا ہوں کہ آپ کی خدمت میں اور وزیر صاحب کی خدمت میں بھی جن سے مجھ کو ان کے فائبانہ اوصاف خصوصی اسلامی حمیت سن کر مدت سے خاص محبت ہے وہ عرض۔

یہ ہے اگر پابندی شرعی وضع کو مقاصد لیگ کا جزو بنانا کسی دنیاوی مصلحت کے خلاف کہا جاوے۔ یا ہمت سے بڑھ کر خیال کیا جاوے۔ تو کم از کم ان چیزوں کو تو ممنوع قرار دیا جاوے جن سے لیگ کی دنیوی قوت کو یا بالفاظ دیگر اسلامی مفاد کو صدمہ یا ضعف پہنچتا ہو۔ جن کی طرف میں نے اس خط میں اشارہ کیا ہے۔ اور اگر خدا نہ کرے یہ بھی نہ ہو سکے۔ تو پھر میں کسی کی آزادی میں خلل ڈالنا نہیں چاہتا۔ مگر یہ درخواست ضرور کروں گا کہ پھر میری آزادی میں بھی خلل نہ ڈالا جائے۔ اور مجھ کو اجازت دی جائے کہ اپنے لئے جو طریق عمل مناسب سمجھا جاوے تجویز کر لوں۔ میں جانتا ہوں کہ اس خط میں بہت سے ایسے امور عرض کئے گئے۔ جو اصل سوال سے زائد ہیں۔ مگر اس کا باعث صرف یہ ہوا کہ آپ کے خط سے اسلامی ہمدردی کی جھلک محسوس ہوتی تھی۔ پھر جناب وزیر صاحب کی توجہ بھی۔ اس لئے توقع ہوئی کہ شاید یہ توجہ کچھ ترقی کر کے اصلاح میں موثر ہو جائے۔ لیکن اگر یہ بے محل سمجھا جاوے۔ تو آپ سے اور جناب وزیر صاحب سے معافی کا خواستگار ہوں۔ اگر توجہ صرف نہ کی جاوے تو جواب کی تکلیف نہ فرمائی جاوے باقی دعا ہر حال میں اپنا فریضہ ہے۔

حافظ وظیفہ تو دعا گفتن است و بس
در بند آں مباش نشید یا شنید

(مشاہدات و واردات صفحہ ۲۰۵ تا ۲۰۷)

نواب محمد اسماعیل خان کی درخواست امداد

سر سکندر حیات خاں تو حضرت کا جواب پڑھ کر جہاں تھے۔ وہیں رہ گئے۔ اب ہائی کمان نے نواب محمد اسماعیل خاں صاحب صدر یو۔ پی مسلم لیگ کو لکھا کہ وہ حضرت تھانوی سے شیخ محمد صادق حسن صاحب کیلئے بیان حاصل کریں۔ کیونکہ حضرت تھانوی ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور ان سے ذاتی طور پر بھی

متعارف تھے۔ اس لئے نواب صاحب نے حضرت کی خدمت میں خط لکھا اور تمام واقعات تحریر کر کے ایک بیان جاری کرنے کی استدعا کی۔

شرائط امداد

اس درخواست کے جواب میں حضرت کے ارشاد پر دربار اشرفیہ کی طرف سے مندرجہ ذیل خط نواب صاحب کو لکھا گیا۔

"مخدوم و محترم جناب نواب صاحب زاد مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الطاف نامہ حضرت والا دام ظلہم کی خدمت میں آیا۔ اخبار اشرفیہ میں بیان دینے سے اطمینان ہوا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزا۔ شیخ صادق حسن صاحب کے لئے جو پیغام جناب نے طلب فرمایا ہے بیان تو کیا ایک فتویٰ کی شکل میں تحریر حضرت والا کی طرف سے ارسال کی جا سکتی تھی مگر امر تسر کے بعض متدین و ثقہ حضرات سے جو آج کل خانقاہ میں آئے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شیخ صاحب موصوف خاکاروں کے بہت زیادہ حامی ہیں۔ اور ان کے موجودہ الیکشن میں بھی خاکاروں سے ہی امداد لی جا رہی ہے۔ ان حضرات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس تعاون کی وجہ سے مسلمان شیخ صاحب سے بہت بد دل ہو رہے ہیں۔ حضرت والا شیخ صاحب سے اور ان کے حالات سے واقف نہیں۔ اگر امر تسر کے ان حضرات کی اطلاع صحیح ہے۔ تو آپ غور فرمائیے کہ ایک طرف تو مشرقی کے وہ حالات حضرت والا کے سامنے ہیں۔ جن پر کفر و ارتداد کے فتاویٰ ہیں۔ اور دوسری طرف شیخ صاحب کا ان سے تعاون ہو۔ تو انکی حمایت میں فتویٰ دینے کے کیا معنی ہوں گے؟ اور اگر یہ اطلاع کہ شیخ صاحب خاکاروں کے حامی ہیں۔ غلط ہے تو اس کی سہل تجویز یہ ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں شیخ صاحب کی طرف سے ایک سوال روانہ کیا جائے۔ کہ پنجاب کی اسمبلی کی مسلم سیٹ کے لئے الیکشن ہو رہا

ہے۔ جس میں مسلم لیگ کانگریس اور احرار تینوں نے امیدوار کھڑے کئے ہیں۔ اور مسلم لیگ کے امیدوار کو خاکاروں سے کوئی ہمدردی اور تعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ مشہور کیا جا رہا ہے۔ ان حالات میں کس جماعت کے امیدوار کو ووٹ دیا جائے۔ اس سوال کا جواب حضرت والا تحریر فرمادیں گے۔ پھر اس سوال اور جواب کو پورا شائع کر دیا جائے۔ اگر ممکن ہو تو یہ سوال شیخ صاحب کی طرف سے براہ راست حضرت کی خدمت میں جلد آجانا چاہیے۔ تاکہ جواب جلد پہنچ جاوے۔

علامہ مشرقی کا رویہ

اس کے بعد گزارش یہ ہے کہ جناب کی تشریف آوری کے وقت بتلایا گیا تھا کہ مشرقی سے خط و کتابت ہو رہی ہے۔ اور اخیر خط میں مشرقی کے پاس بارہ سوال بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ ان سوالات کا جواب "مینبر الاصلاح" کی طرف سے یہ آیا ہے کہ اعتراضات کے خطوط مشرقی کے سامنے پیش کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اور عام طور پر یہ دفتر بھی ایسے خطوط کا جواب نہیں دیتا۔ اور آئندہ آپ کو بھی جواب نہ دیا جائے گا۔ مشرقی کے جو موجودہ عقائد ہیں۔ ان پر بجز ارتداد کے اور کوئی حکم نہیں لگتا۔ مگر حضرت والا نے احتیاط کی وجہ سے اور تبلیغ حق کے لئے چاہا تھا۔ کہ ان سے زبانی گفتگو ہو جاوے۔ شاید وہ عقائد کی اصلاح کر لیں۔ اس پر وہ آمادہ نہ ہوئے۔ تو سوالات کے ذریعہ ان کو متنبہ کیا گیا۔ اس کا انہوں نے مذکورہ بالا جواب دیا۔ گویا آئندہ کی امید کو بھی قطع کر دیا۔

اصلاح کی آخری سعی

اب چونکہ جناب نے فرمایا تھا۔ کہ مشرقی میرٹھ آنے والے ہیں۔ اس وقت تم لوگوں کو بھی بلایا جاوے گا۔ سو اگر اس کی امید جلد ہو تو اس کا انتظار کیا

جاوے۔ جلد سے مراد ہفتہ عشرہ ہے۔ اگر یہ نہ ہو۔ تو جناب کوئی ایسی تدبیر فرمادیں کہ وہ ہم لوگوں کو گفتگو کے لئے جلد سے جلد کافی وقت دے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو۔ تو پھر عوام کی اصلاح کے لئے فتویٰ شائع کر دیا جائے۔ اس میں جو صورت جناب کے نزدیک مناسب ہو۔ اس سے مطلع فرمایا جاوے۔ بطور مشورہ یہ سب صورتیں پیش کر رہا ہوں۔ والسلام

احقر۔۔۔۔۔ از تھانہ بھون "

بیان اور فتویٰ کا فرق

حضرت تھانوی کے ایماء پر جب مندرجہ صدر جواب لکھا جا چکا تھا تو اس پر حضرت نے اپنی طرف سے مندرجہ ذیل عبارت ایراد فرمائی:

"از اشرف علی۔ السلام علیکم

مکرم نامہ کے جواب میں خلاف معمول قدرے تاخیر اس لئے ہوئی کہ واقعات و مصلح و نتائج کے تعارض سے داغ پریشان ہو گیا۔ اور مناسب طریق سوچنے میں بہت وقت صرف ہوا۔ آخر فیصلہ ذہن میں یہ آیا کہ بیان متعارف کو مسلمان ایک رائے کے درجہ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ نہ اس کا کچھ اثر ہوتا ہے۔ البتہ فتویٰ کو نظر عظمت سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے یہ صورت مناسب ہے اور اس کا موثر ہونا موقوف ہے۔ بدگمانی نہ ہونے پر۔ اس لئے خاکاروں سے بے تعلقی کے سوال پر تصریح ضروری ہے۔ والسلام۔"

چنانچہ اس خط کے پہنچنے کے بعد لیگ والوں نے صراحتاً خاکاروں سے بے تعلقی کا اعلان کر دیا۔ جس پر حضرت نے فتویٰ کی صورت میں شیخ صادق حسن کی امداد کرنے کا اعلان فرمایا۔ اور بفضلہ تعالیٰ حضرت کی دعا اور فتویٰ مقبول ہوا۔ اور شیخ صاحب کانگریس اور احرار دونوں کو شکست دے کر پنجاب اسمبلی میں جاتے ہوئے۔ علامہ مشرقی جن سے حضرت ملنا چاہتے تھے۔ لکھنؤ میں ہی گرفتار کر لیے

گئے۔ جس کی وجہ سے وہ میرٹھ نہ پہنچ سکے۔ اور اس طرح ان سے ملاقات کی صورت نہ نکل سکی۔ اور انکی اصلاح کی کوشش ناکام رہی۔

کانگریس کی مخالفت کی وجہ

اگرچہ ہندوستان کے بڑے بڑے علماء کانگریس کے ساتھ تھے مگر ان کی نظر وقتی اور ذاتی مصلح پر تھی۔ اس کے نتائج پر نہ تھی۔ بخلاف ان کے حضرت کی نظر حق تعالیٰ کے اس فیصلہ پر تھی کہ:

وَلَا يَزَالُونَ يَقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا۔
کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر قابو پاویں۔ تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔

جس کی روشنی میں آپ پر کانگریس کے عزائم واضح ہو چکے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے آپ سے سوال کیا کہ ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی جو ۱۸۵۷ء میں لڑی گئی کیوں ناکام رہی۔ جبکہ اس کی کمان حضرت سید اسماعیل شہید اور سید احمد بریلوی ایسے نفوس قدسیہ کے ہاتھ میں تھی۔ تو آپ نے فرمایا کہ:

"۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اس لئے ناکامی ہوئی کہ اس تحریک میں ہندو شامل تھے۔ دونوں مخالفانہ بھٹانہ لڑ رہے تھے۔ مگر ہندوؤں نے وقت پر دعا دی۔ اب بھی ان سے وفا کی امید نہیں ہے۔ یہ وقت پر دھوکہ دیں گے۔ مسلمان اپنے ہی پاؤں پر کھڑا ہو کر کامیاب ہو سکتا ہے۔ دوسروں کے سہارے کبھی نہیں۔"

اس لئے آپ وفاق ہند کے مخالف تھے۔ اور چاہتے تھے کہ مسلم لیگ شرعی حدود کے اندر رہ کر اکیلے جنگ پاکستان لڑے۔ تاکہ کامیابی یقینی ہو۔ چنانچہ جب تک مسلم لیگ کانگریس کی ہم نوا رہی۔ آپ اس سے بالکل الگ رہے۔ اور جب اس نے دوسروں کا سہارا چھوڑ کر اپنا پلیٹ فارم الگ بنایا۔ تب آپ نے اس کی

۳- اعلان کے بعد تحقیق حال اور مفاہمت باہمی کا سلسلہ برابر جاری رکھتے۔
اور قابل قبول چیزوں کے قبول کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے۔

مسک کی ندرت

سیاسی کشمکش کے دوران میں علمائے امت اور لیڈران قوم ہر مسئلہ پر مختلف رائے رہے۔ ہر جماعت نے اپنے علم یا تحقیق یا غرض کے ماتحت واقعات کو قوم کے سامنے پیش کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ واقعات بھی بسرعت تمام بدلتے رہے۔ جس کی وجہ سے شرعی نقطہ نظر سے کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی تھی۔ ان حالات میں حضرت کا جماعتی مسک ان کے اپنے ارشاد کے مطابق ہمیشہ یہ رہا کہ

"نہ اعلان حق میں کبھی دریغ کیا۔ نہ عمل میں کبھی نمائش اور ہنگامہ آرائی کو دخل دیا۔ میری جماعت جس طرح شورش پسند نہیں۔ اسی طرح کسی اثر سے متاثر ہو کر کتمان حق کرنے والی بھی نہیں۔"

(معاملۃ المسلمین فی مجادلۃ غیر المسلمین)

سیاسی تحریکات میں عدم شرکت

حضرت چونکہ درویش طبع تھے۔ اس لئے وہ سیاسی تحریکات میں حصہ نہ لیتے تھے۔ مگر سیاسی تحریکات کے متعلق جب آپ کے پاس استفسارات آتے تھے۔ تو اس وقت بحیثیت مجدد الملت اور حکیم الامت آپ کو مسئلہ کی شرعی حیثیت واضح کرنی پڑتی تھی۔ بس آپ کا سیاسیات میں صرف اسی قدر حصہ تھا۔ اگرچہ آپ کو سیاست کے عملی میدان میں لانے کیلئے کانگریس اور اس کی حلیف جماعتوں نے بہت کوشش کی۔ مگر آپ ہمیشہ ان سے الگ تھلگ رہے کیونکہ آپ فرماتے تھے

حمایت شروع کر دی۔
آپ کانگریس کے مخالف اس لئے نہ تھے کہ اس سے آپ کو کوئی ذاتی فائدہ تھا۔ بلکہ آپ اس کی مخالفت کیلئے اس لئے مجبور تھے کہ وہ آزادی ہند کے بعد ہندوستان سے اسلام کو مٹانا چاہتی تھی۔ چنانچہ جو نئی زمام اقتدار اس کے ہاتھ میں آئی۔ مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹنے شروع ہو گئے۔ ملازمتوں کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ مسجدوں کو مندروں میں بدل جانے لگا۔ اور ہر اس روایت کو حرف غلط کی طرح مٹانے کے درپے ہو گئی۔ جس کی صرف نسبت مسلمانوں سے تھی۔ یعنی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جو باتیں ۱۹۲۸ء اور ۱۹۳۸ء میں ان کے عزائم کے متعلق بھری مجلس میں فرمائی تھیں۔ ۱۹۳۸ء کے بعد ان حالات نے ان کی حرف بہ حرف تصدیق کر دی۔ اور کانگریس کی اس مسلم کش پالیسی کے خلاف بالآخر انہی حضرات کو ہندوستان کی پارلیمان میں احتجاج کرنا پڑا۔ جو تحریک آزادی کے زمانہ حضرت کے مسک کی مخالفت کرنے والوں کی صف اول میں نظر آتے تھے۔ مگر کسی نے اس وقت اس پر غور نہ کیا کہ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔ جس کی وجہ سے انہیں یہ روز بد دیکھنا نصیب ہوا۔

مخالفت میں احتیاط

اس سیاسی کشمکش کے دوران میں آپ نے ہمیشہ انتہائی احتیاط سے کام لیا۔ مثلاً

- ۱- جن معاملات میں علماء کا اختلاف ہوتا۔ ان میں بدوں کسی مکمل تحقیق و تفتیش کے کوئی فتویٰ یا اعلان شائع نہ فرماتے۔
- ۲- مقدور بھر تحقیق کے بعد اگر اعلان کی ضرورت بھی ثابت ہوتی۔ تو اس وقت بھی دوسری جانب کی پوری رعایت رکھ کر اعلان فرماتے۔ جس سے اختلاف کی خلیج وسیع ہونے اور عوام کو علماء کے خلاف برسرِ پیکار آنے کا موقع نہ ملتا۔

انجام زندگی

جس نے ابھارا خلق کو طاعت کردگار پر
شکری کا رہ گیا صفی روزگار پر

www.facebook.com/IbrarJadonPage

کہ: "میرے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت کی جماعت وابستہ ہے۔ جب تک مجھ کو شرح صدر نہ ہو جائے۔ میں شریک ہو کر اتنے سارے مسلمانوں کی ذمہ داری کس طرح اپنے سر لے لوں۔ کیا قیامت کے دن میری گردن نہ ناپی جائے گی۔ میں تو ان تحریکات کو مسلمانوں کیلئے مضر اور اس سلسلہ میں اکثر عوام میں جو طریق عمل اختیار کئے جا رہے ہیں۔ انکو جاننا سمجھتا ہوں۔ نیز میرے نزدیک ان کا نتیجہ سوائے ضرر کے اور کچھ نہیں۔"

(اشرف السوانح جلد ۳ ص ۱۶۰)

یہاں تک کہ آپ نے مسلم لیگ میں بھی شرکت نہ فرمائی جس کو آپ کی تائید و حمایت حاصل تھی۔

بے نظیر استقلال و استقامت

غرضیکہ ان سیاسی طوفانوں نے بڑے بڑے ارباب استقامت کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ مگر اس کوہ استقلال کو اپنے مقام سے نہ ہٹا سکے۔ چنانچہ حضرت بطور تحدت بالنعمة فرمایا کرتے تھے کہ:

"سب کو کچھ نہ کچھ اپنے مرکز سے ہٹنا پڑا۔ لیکن الحمد للہ میں جس مرکز پر اول روز تھا۔ اس مرکز پر آج تک بدستور قائم ہوں۔ مجھ کو بفضلہ تعالیٰ اپنی رائے سے ایک انچ بھی نہیں ہٹنا پڑا۔ بلکہ تجربوں نے تو اور بھی مجھ کو اپنی رائے پر مستحکم کر دیا ہے۔"

(اشرف السوانح جلد ۳ ص ۱۶۱)

۲۶۷
رائے کو ترجیح دی جاتی تھی۔ عجیب و غریب رسوم اختراع کی جاتی تھیں اور انہیں اختیار کرنے میں شرم کی بجائے فخر محسوس کیا جاتا تھا۔ اور انہیں ہنر سمجھا جاتا تھا۔ یہ تو عوام کی حالت تھی۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا یہ عالم تھا کہ وہ احکام خدا و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نہ صرف منکر اڑاتے تھے۔ بلکہ انکو اپنی نام نہاد ترقی کی راہ میں حائل سمجھتے تھے۔

اہتمام اصلاح

حضرت تھانوی کو چونکہ حق تعالیٰ نے اصلاح امت کی اہم ترین خدمت کے لئے پیدا فرمایا تھا۔ اس لئے آپ نے اپنی تمام زندگی اہتمام اصلاح امت میں ہی صرف کر دی۔ اور تحریر و تقریر کے ذریعہ اتنا نادر علمی خزانہ چھوڑ گئے کہ اس کا عشر عشر بھی احاطہ تحریر میں لانا از بس دشوار ہے۔ آپ صرف کتابوں کے دفتر کے دفتر ہی نہ چھوڑ گئے بلکہ ہر طبقہ خیال کے لوگوں کی اصلاح کیلئے اس کے حسب حال طریقہ عمل بھی تجویز کر گئے۔ اور اس کی تعلیم دینے کے لئے مجازین بیعت اور مجازین بیعت کی ایک بہت بڑی تعداد بھی چھوڑ گئے۔ تاکہ وہ آنے والی نسلوں کی اس بارہ میں رہنمائی کرتے رہیں۔ اور یہ سلسلہ فیض و خیر جاری و ساری ہے۔

آپ دینی خطاط کے جس دور انقلاب سے گزر رہے تھے۔ سب سے پہلے آپ نے اس کا جائزہ لیا۔ کہ وہ اسباب و علل معلوم کئے جو اس انقلاب کا باعث تھے۔ اس حکیم الامت کی تشخیص میں اس کے سبب صرف یہ دو ہی تھے۔

"تشخیص اسباب انقلاب میں عمل و تدبیر و تتبع کرنے سے معظم اسباب دو امر ثابت ہوئے۔ ایک قلت علم یعنی نادانسی دہے خبری۔ دوسرا ضعف ہمت۔

یعنی قصد و ارادہ کی کمی یا فقدان سبب اول سے خود احکام ضروریہ و واقعہ ہی منہی رہتے ہیں۔ اور سبب ثانی سے باوجود خبر اور آگاہی کے نوبت عمل کی نہیں آتی۔"

(اصلاح انقلاب)

اہتمام اصلاح امت

دور انقلاب

حضرت تھانوی نے جو زمانہ پایا۔ وہ آج کل کی طرح فتنوں کا زمانہ نہیں تھا۔ مگر انقلاب کا زمانہ ضرور تھا۔ یعنی امت ممدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں دنیوی حیثیت سے نہیں دینی حیثیت سے ایک انقلاب عظیم آچکا تھا۔ اور کتاب و سنت کے آئینہ میں دیکھنے سے مسلمانوں کا کوئی قول و فعل خدا و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کے مطابق نظر نہ آتا تھا۔

دین کو صرف عقاید و عبادات تک محدود سمجھ لیا گیا تھا۔ گوان پر بدعات و رسومات کا رنگ غالب آچکا تھا۔ مگر اب نوبت ترک و اہمال تک آپہنچی تھی۔ اور عوام فرائض کی بجا آوری سے اس طرح گریز کرنے لگے تھے۔ جیسے ان کے ذمہ کوئی فرض ہی نہیں۔

اخلاق۔ معاشرت اور معاملات کو تو سرے سے جزو دین ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ انہیں دنیوی مسائل تصور کر کے ہر حکم شرعی کے مقابلہ میں اپنی اپنی

بے خبری کی ازالہ کی تدابیر
حکیم الامت حضرت تھانوی مصیبت کا علاج نہیں کرتے تھے۔ بلکہ معصیت کا علاج کرتے ہیں۔ جو سبب بنتی ہے۔ مصیبت کا۔ معصیت چونکہ ایک روحانی مرض ہے۔ اس لئے جسمانی امراض کی طرح اس کے اسباب کا ازالہ بھی اس کے معالجہ و اصلاح سے ہوتا ہے۔ مرض کی صحیح تشخیص کے بعد اس کے اسباب کے ازالہ کی صحیح تدبیر کرنا اور بھی بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ جس کے لئے توجہ تام کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت تھانوی نے برسوں کے تجربہ اور غور و خوض کے بعد متذکرہ بالا اسباب انقلاب کے ازالہ کی یہ تدابیر بتلائیں:

"بے خبری کے ازالہ میں تو معلم اور متعلم یعنی خواص و علماء احکام اور عوام طالبات احکام دونوں کو دخل ہے۔ اور ہر ایک کے لئے جداگانہ ضروری دستور العمل ہے۔ طالبات احکام کا دستور العمل یہ ہے کہ

طالبات احکام کا دستور العمل

ان میں جو زیادہ فارغ ہیں۔ جیسے اہل نعم اور اہل ثروت وہ اپنی اولاد کو علوم دینیہ کے لئے فارغ کر دیں۔ گو ضروریات دینیہ کے لئے ملکی زبان اور فنون رائج کی بھی تحصیل کا مضائقہ نہیں۔ مگر یہ درجہ تبعیت سے متجاوز نہ ہونے پاوے۔ پس اولاد تو یوں درست ہوئی اور خود کوئی وقت مقرر کر کے کسی عالم یا کامل الاستعداد طالب علم کے پاس جا کر یا اسکو بلا کر۔ اگر علوم عربیہ سے مناسبت ہو۔ تو وہ زیادہ بصیرت کا آگہ ہے۔ ورنہ اردو ہی کے مفید اور ضروری رسائل کو محقق کے مشورے سے تجویز کر کے سبقاً سبقاً بہتر تو یہ ہے کہ دو تین بار ورنہ اقل درجہ تحصیلاً ایک ہی بار۔ پھر مطالعہ چند بار ان پر عبور کر لیں۔ مگر یہ رسائل ایسے ہوں۔ جن میں سب

اجزاء کا کافی بیان ہو۔ یعنی عقائد۔ دیانات۔ معاملات۔ معاشرت اور اخلاق باطنہ۔ جن کو معاش کی ضرورت سے زیادہ فراغت نہیں ہے۔ اور حرف شناس ہیں یا باسانی ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے لئے بھی اور اپنی اولاد کے لئے بھی بجائے علوم عربیہ کے وہی رسائل دینیہ اردو کے بطور درس طالب علمانہ کے تجویز کر لیں۔ اور پھر بطور دوبارہ ان کا بار بار مطالعہ کریں۔ اور جب تک درس کا انتظام نہ ہو سکے۔ بطور خود ہی دو چار ورق روزانہ بالالتزام مطالعہ کیا کریں۔ اور مواقع خلجان میں خود رانی سے کام نہ لیں بلکہ نشان بنا کر چھوڑ دیں۔ اور ماہر کے میسر ہونے کے وقت اس کی تحقیق کریں۔

جو لوگ ان میں حرف شناس نہیں ہیں۔ نہ باسانی ہو سکتے ہیں اور نہ اپنے بچوں کو کسی وجہ سے اس کے لئے فارغ کر سکتے ہیں۔ وہ ایسا انتظام کریں کہ ہفتہ میں بہتر تو یہ ہے کہ ہر روز ورنہ ایک ہی روز خاص مجلس عمل کیلئے بالالتزام مقرر کریں۔ اور کوئی عالم یا صحبت یافتہ اہل علم کا جوان رسائل کو اچھی طرح سمجھا ہوا ہو۔ تجویز کریں۔ اور اگر کسی عالم سے تجویز کرالیں زیادہ احتیاط ہے۔ اس روز سب لوگ کسی خاص مقام مسجد وغیرہ میں جمع ہو کر اس خواندہ فہمیدہ شخص کو لا کر ایک معین وقت تک مثلاً گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ ان رسائل کو سنا کریں اور سمجھا کریں۔

اگر ایسا شخص مفت نہ ملے تو کچھ اس کی مالی خدمت کریں اور سنانے والے شخص کو جہاں چاہے پنسل وغیرہ سے نشان بنا کر اس وقت اس کو رہنے دیں۔ پھر جب کوئی عالم میسر ہو۔ اس سے حل کر لیں۔ اور سب مجمع کو پہنچا دیں۔ اور جہاں دیہات وغیرہ میں ایسا شخص نہ ہو۔ تو آپس میں مشروع طریق سے چندہ کر کے اس چندہ سے کوئی ایسا آدمی ملے۔ اس سے بلا کر رکھ لیں اور طریق جاری کریں۔

علماء احکام کا دستور العمل

یہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اس میں مساعی رہیں کہ ناواقفوں تک احکام پہنچیں۔ اور اسکی یہ صورتیں ہیں۔

ایک درس (گو بعوض ہو) اس میں علوم ضروریہ کو مقدم اور مہتمم بالشان رکھیں۔ دینیات سے حتی الامکان طالعلم کو پہلے فارغ کر دیں۔ اگر طالعلم دینی مختصرات یا اردو کے رسائل بھی پڑھے اور اپنے پاس وقت ہو۔ تو ہرگز اس کے درس کو خلاف شان نہ سمجھے۔ طالعلم کے فضول سوال پر اس کو متنبہ کرے۔ جواب نہ دے۔

دوسری صورت وعظ ہے۔ جس میں عام خطاب ہے۔ اس میں ضرورت وقت کا لحاظ رکھیں جن امور پر لوگ اس زمانہ میں مبتلا ہوں۔ یا جن ضروریات میں فروگزاشت کرتے ہوں۔ مدار بیان اس پر رکھے۔ دوسرے مضامین اگر ہوں۔ تو بالتبع و بقلت ہوں اور یہ ضروری مضامین جمیع ابواب کے ہوں۔ صرف عقائد و دیانات پر اکتفا نہ کرے۔ بلکہ معاملات و معاشرت و اخلاق سے بھی مشع بحث کرے۔ بلکہ بوجہ متروک ہونے کے یہ ثلثہ اخیرہ زیادہ اہم ہو گئے ہیں۔ اور وعظ میں بات صاف کہے کہ سننے والوں کی سمجھ میں خوب آ جاوے۔ مگر خشونت اور اشتعال انگیز طرز سے نہ کہ اور وعظ میں عوض نہ لے۔ البتہ اگر وعظ کا نوکر ہو۔ وہ بات اور ہے۔

تیسری صورت جواب ہے استفتاء کا۔ خواہ زبانی سوال ہو یا تحریری ہو۔ اس میں ان امور کا لحاظ رکھے کہ حتی الامکان جواب میں توقف نہ کرے۔ لایعنی سوال کا جواب نہ دے۔ بلکہ سائل کو متنبہ کر دے۔ اگر سوال محتمل دو صورتوں کے ہو تو تحقیق سے جواب نہ دے (یعنی اس طرح جواب نہ دے کہ اگر اس طرح واقع ہے۔ تو یہ جواب ہے۔ اور اگر اس طرح ہے تو یہ جواب ہے)۔ بلکہ سائل سے پہلے

ضروری التزام تمام طبقات مذکور میں علاوہ اس تحصیل یا مطالعہ یا سماع رسائل کے دو امر کا اور بھی التزام رکھیں۔ ایک یہ کہ اپنے اعمال و احوال میں جب کوئی امر جس کا حکم معلوم نہ ہو پیش آوے۔ فوراً علماء حقانی سے اس کو دریافت کریں۔ اور اگر بوجہ بعد زبانی نہ پوچھ سکیں۔ تو بذریعہ خط کے تحقیق کریں۔ اگر اوسط ایک مسئلہ روزانہ کے حساب سے تقریباً یا تحریراً پوچھ پاچھ رکھیں۔ تو سال بھر میں ساڑھے تین سو سے زیادہ اور دس سال میں ساڑھے تین ہزار سے زیادہ مسئلے معلوم ہو سکتے ہیں کہ بعض نام کے یا جدید عالموں کو بھی اتنے مسائل معلوم نہیں اور یہ کوئی بڑا مشکل کام نہیں ہے۔

دوسرے اس امر کا التزام رکھیں کہ علماء کی مجلس میں جایا کریں۔ خواہ خاص مجلس ہو جیسے جلسہ ملاقات و زیارت۔ خواہ عام مجلس ہو۔ جیسے جلسہ وعظ و نصیحت اور جو سنیں دل سے یاد رکھیں۔ یہ تو مردوں کا انتظام ہو۔

اب عورتیں رہ گئیں۔ سو یہ مجموعی انتظام مذکورہ ان کے لئے اشکال سے خالی نہیں اس لئے سہل تران کے لئے یہ طریق ہے کہ معلمہ عقیفہ دیندار مل جائے تو کمسن لڑکیوں کو اس کے ذریعے سے قرآن مجید اور ایسے رسائل کی تعلیم دلادیں اور ان کے لئے ہشتی زیور کے دس حصے بالکل انشاء اللہ کافی ہیں۔ بلکہ بانضمام گیارہویں حصہ مسیحی بہشتی گوہر کے مردوں کے لئے بھی کافی ہیں۔ اور اگر کوئی معلمہ ایسی نہ ملے یا کسی لڑکی کو فراغ یا مناسبت نہ ہو تو ان کو بھی بڑھی عورتوں کے انتظام میں شامل سمجھا جاوے۔ اور وہ انتظام دو ہیں۔ ایک یہ کہ گھر کے مردوں میں سے اگر کوئی خواندہ ہو۔ تو وہ روزانہ کچھ وقت معین کر کے سب گھر والیوں کو اس وقت جمع کر کے رسائل بالاسنایا کریں۔ سمجھایا کریں۔ بلکہ کئی دورے کر دیں۔ دوسرا انتظام یہ ہے کہ گاہ گاہ کسی متورع یا متبع سنت عالم کا گھر میں وعظ کھلا دیا کریں کہ یہ عجیب موثر عمل ہے۔

صورت واقعہ متعین کرا لے۔ پھر جواب دے۔ کیونکہ بعض اوقات سائل دونوں شقوں کا حکم سن کر ایک شق کو اپنے مفید مطلب سمجھ کر سوال میں اس کا دعویٰ کرنے لگتا ہے جس کی وجہ سے سائل کا یا اس کے مقابل کا ضرر دینی یا دنیوی ہوتا ہے۔ عامی کو دلیل بتلانے کا التزام نہ کرے کہ اکثر اس کے فہم سے خارج ہوگی۔ یا دوسرے مستحقین کی سہولت کے لئے اگر دلیل کی طرف اشارہ کر دے۔ یا کوئی عبارت بلا ترجمہ نقل کر دے۔ مستحسن ہے۔

اگر قرآن سے معلوم ہو کہ سائل غالب اس تحریر کو بھی طرح نہ سمجھے گا۔ یا سمجھنے میں غلطی کرے گا۔ جواب لکھ کر دے کہ کسی عالم سے اس جواب کو زبانی حل کرے۔ اگر قرآن سے معلوم ہو۔ کہ سوال براہ تعنت ہے۔ جواب نہ دے۔ غرض اہل سے دریغ نہ کرائے۔ نااہل کو منہ نہ لگائے۔

جو تہی صورت تالیف و تصنیف ہے۔ خواہ اشتہار ہو یا اخبار ہو۔ یا رسالہ ہو کتاب ہو اس میں بھی ضرورت وقت کا لحاظ اور عبارت میں سلاست اور کفایت کی رعایت ہو اور اگر خدا تعالیٰ معاش کی کوئی صورت اور سبیل عطا فرمادے۔ تو اپنی تصانیف کی خود تجارت نہ کرے۔

علماء احکام کے دستور العمل کا متمم ایک اور امر بھی ہے۔ یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور منجملہ اس امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کفار کی تبلیغ بھی ہے۔ خواہ بذریعہ تقریر اور خواہ بذریعہ تحریر۔ اپنے ملک کے کفار کو بھی اور دوسرے ملک کے کفار کو بھی۔ اس غرض کی تحصیل و تکمیل کیلئے۔ اگر ان اقوام کی زبان بھی سیکھ لے۔ تو بشرط خلوص نیت عین طاعت ہے۔ جیسے اس غرض سے انگریزی پڑھ لینا۔ تبلیغ احکام کے متعلقات ہی میں سے ان احکام کی ایک خاص حفاظت بھی ہے۔ یعنی اصول و فروع پر جو حملے یا آسمیزیشیں ہیں۔ خواہ اہل کفر ہوں۔ یا اہل بدعت۔ ان کو دفع کرنا اور رفع کرنا۔ تاکہ طالبات حق شبہات سے محفوظ رہیں اور اس مقصود کے لئے اگر اہل باطل پر رد و قدح کرنے کی حاجت ہو۔ ان سے مناظرہ کرنا مصلحت ہو۔ تو اس سے بھی پہلو تہی نہ کرے۔ اس رد و قدح یا

مناظرہ کے لئے اگر اہل باطل کے علوم و فنون حاصل کرنا ضروری ہو۔ وہ بھی طاعت ہے۔ جیسے اس وقت سائنس وغیرہ سیکھنا۔

ضعف ہمت کے ازالہ کی تدبیر

تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ امور ذیل کو تقویت ہمت میں خاص اثر اور دخل ہے ایک ان میں سے صحبت شیوخ کا ملین کی ہے۔ جن کی علامتیں یہ ہیں کہ وہ بقدر ضرورت علم دین رکھتا ہو۔ عقائد و اعمال و اخلاق میں شرع کا پابند ہو۔ دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو۔ کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبہ دنیا ہے۔ کسی شیخ کامل کی صحبت میں چندے رہا ہو۔ اس زمانہ کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔ بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم و دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔ اس سے جو لوگ بیعت ہوں۔ ان میں سے اکثر کی حالت باعتبار اتباع شرع و قلت حرص دنیا کے اچھی ہو وہ شیخ تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو۔ اور ان کی کوئی بری بات دیکھے یا سنے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو۔ یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔ اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔ خود بھی وہ ذاکر شافل ہو۔ اس لئے کہ بدوں عمل یا عزم عمل تعلیم میں برکت نہیں ہوتی اور صدور کشف و کرامت اور استجاب دعا و تصرفات لوازم مشیخت سے نہیں۔ غرض ایسے حضرات کی صحبت خاص طور پر مؤثر ہے۔ مگر اس صحبت کی تاثیر میں شرط یہ ہے کہ اس میں نیت بھی یہی ہو کہ مجھے قلب میں رغبت طاعت اور نفرت معاصی پیدا ہو۔ اور اس کے ساتھ اس کا بھی التزام رہے کہ اپنی کیفیات قلبیہ کی شیخ کو اطلاع دے کر جو معاملہ تجویز فرمایا جائے۔ اس پر کار بند ہو۔

دوسرا امر جوان میں سے بوقت میسر نہ آنے صحبت کاملین کے اہل اللہ کے حالات و مجاہدات کا مطالعہ یا استماع (دیکھنا سننا) ہے۔ مگر ان سے جو مقالات

متعلقہ اسرار مسائل غامضہ تصوف میں۔ ان میں ہرگز مشغول نہ ہو۔ البتہ علوم معاملہ یعنی تربیت باطن و تہذیب نفس کے بارے میں جو کچھ ان کے اقوال ہیں۔ وہ سرتاپا عمل درآمد بنانے کے قابل ہیں۔

تیسرا امر ان میں سے مراقبہ موت و مابعد الموت ہے۔ مراد اس سے ابتداء نزع روح ہے دخول جنت یا نار تک جو احوال (خوفناک امور) پیش آنے والے ہیں۔ مثلاً سوال نکیرین و عذاب و نعیم قبر و حشر و دن اعمال و حساب و جزاء و عبور صراط و غیرہ سب کو کسی وقت فراغ میں بالالتزام روزانہ کم از کم بیس منٹ سوچا کریں۔ تقویت ہمت میں جن ملکات کو دخل ہے۔ اس مراقبہ سے ان کا کمال پیدا ہو جائے گا۔

احتیاطی تدابیر

انقلاب امت کی اصلاح کی تعبیر کی تعیین و تفصیل کے بعد لکھتے ہیں کہ: "چونکہ ہر تدبیر پر عمل کرنے کے ساتھ اس کے موافق تاثیر سے تمرز بھی واجب ہوتا ہے۔ جس طرح امراض جسمانی میں پریزی کی ضرورت سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے ان تدابیر اصلاح کے ساتھ ان امور سے بچنا بھی ضروری ہو گا۔ جو ان کے اثر میں خلل انداز ہیں۔

بیان اس کا یہ ہے کہ ان تدبیر میں سے بعض علماء کے متعلق تھیں۔ یہاں ان کے باب میں کلام مقصود نہیں۔ کیونکہ وہ خود جانتے ہیں۔ صرف ان میں جو عوام کے متعلق ہیں۔ ان میں بقدر ضرورت لکھا جاتا ہے۔ سو اس باب میں یہ امور بتلائے گئے تھے۔

۱۔ کتب دینیہ کا پڑھنا یا سننا

۲۔ علمائے دین سے مسئلہ پوچھنا

۳۔ وعظ سننا

۴۔ صحبت اہل کمال

۵۔ گھر والوں کو خود پڑھانا یا سنانا یا کسی کے ذریعہ سے پڑھوانا۔ سنوانا۔ ان امور پنجگانہ میں سے ہر ایک میں بعض لوگ بے احتیاطیاں کرتے ہیں۔ جو معاملہ مطلوب میں بد پریزی کا حکم رکھتے ہیں۔ بالترتیب ہر ایک کے متعلق مختصراً تنبیہ ضروری ہے۔

۱۔ کتب دینیہ کا پڑھنا یا سننا

اس کے متعلق آج کل بعض بکثرت یہ غلطی کرتے ہیں کہ جو کتاب دین کے نام سے دیکھی یا سنی خواہ اس کا مضمون حق ہو یا باطل۔ خواہ اس کا مصنف ہندو ہو یا عیسائی۔ یا دہری یا مسلمان۔ پھر مسلمان گو صاحب بدعت ہی ہو۔ غرض کچھ تفتیش نہیں کرتے۔ اس کا مطالعہ شروع کر دیتے ہیں اور اسی میں وہ مضامین آگئے۔ جو کسی مسئلہ کے متعلق اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں۔ سو اس میں چند مضرتیں ہیں۔ بعض اوقات بوجہ کم علمی کے بھی امتیاز نہیں ہوتا۔ کہ ان میں کون صحیح ہے۔ کون غلط۔ کسی غلط کو صحیح سمجھ کر عقیدہ یا عمل میں خرابی کر بیٹھتے ہیں۔ بعض اوقات پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ امر غلط ہے۔ مگر بعض مصنفین (جیسے منکرین حدیث، پرویز اینڈ کو) کا طرز بیان ایسا تلبیس آمیز یا دل آویز ہوتا ہے کہ دیکھنے والے فی الفور اس سے متاثر ہو جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے پہلے اعتقاد کو ضعیف اور بے وقعت خیال کر کے بعض دفعہ تو اس پہلے کو غلط اور اس پچھلے کو صحیح سمجھ لیتا ہے اور بعض دفعہ اس کو قبول نہیں کیا۔ مگر مستزلزل اور مذہذب ہو کر کبھی دل میں رکھتا ہے اور پریشان ہوتا ہے اور کبھی دوسروں سے تحقیق کرنا چاہتا ہے۔ مگر چونکہ اس میں کچھ غموض ہوتا ہے جس کے اور اک کے لئے اس کا علم و ذہن کافی نہیں ہوتا۔ اس لئے سمجھ میں نہیں آتا اور بے سمجھے لایعنی سوالات کر کے دوسروں کو پریشان کرتا ہے۔ اور اپنے فہم کا قصور فہم میں نہیں آتا۔ اور جواب

پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنار ہے تھے۔ اور اس میں جزو معرفت کا معین و مبین ہو جانا ظاہر تھا۔ اس کے بعد کسی فساد کا احتمال ہی نہ تھا۔ معذرا پھر اس مصلحت سے کہ آئندہ کو یہ عمل ان مفاسد کے باب مفتوح ہونے کا سبب نہ بن جائے۔ کسی سختی سے منع فرمایا۔ اور کیسی ناخوشی ظاہر فرمائی۔ جیسا کہ حدیث دارمی میں مذکور ہے۔

ان دلائل حسیہ و حدیثیہ کے بعد امید ہے کہ اہل انصاف مصلحت اندیش کو کوئی خدشہ نہ رہا ہوگا۔ جبکہ اس تقریر سے وہ کتابیں وغیرہ بھی قابل تمرکز قرار پائیں۔ جن میں مصلح کے ساتھ بعض مفاسد بھی ہوں۔ سو جن میں سر تا سر مفاسد ہوں۔ جیسے ناول (افسانے) وغیرہ جن سے اعمال و اخلاق کا بڑا حصہ نہایت گندہ ہو جاتا ہے۔ ان کا مطالعہ کس طرح جائز سمجھا جائے گا بالخصوص نوجوانوں اور عورتوں کو۔ بلکہ اگر ایسی کتابیں گھر میں دیکھی جاویں۔ آگ میں جلادینا ہی ان کا حق ادا کرنا ہے۔ اب اس ذیل میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگوں کے لئے ایک مختصر نصاب قابل مطالعہ کتب کا معین کر دیا جائے تاکہ ان میں مشغول رہ کر مخدوش کتب سے محفوظ رہیں:

بہشتی زیور گیارہ حصے۔ تعلیم الدین۔ فروع الایمان۔ جزاء الاعمال۔ تبلیغ
دینی۔ قصد السبیل۔ حیات المسلمین۔ شوق وطن اگر اس سے زیادہ مطول و مفصل
ضرورت ہو کسی عالم محقق سے دریافت کر لیا جاوے۔

۲۔ علماء دین سے مسئلہ پوچھنا۔

اس میں چند غلطیاں کی جاتی ہیں ایک یہ کہ کیف ما اتفق کسی سے مسئلہ پوچھ لیتے ہیں۔ بعض اوقات تو یہ بھی نہیں تحقیق کرتے کہ یہ شخص واقع میں عالم بھی ہے یا نہیں۔ کسی کا نام مولوی سن لیا اور اسی سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ بعض اوقات عالم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کس مشرب کا کس عقیدہ کا

۲۷۸
دینے والوں کو جواب سے عاجز سمجھ کر ان کے علم یا اخلاق میں تنگی کا حکم لگا کر ان سے بدگمان ہو جاتا ہے اور بھی انواع مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان سب کا انسداد یہی ہے کہ کوئی کتاب کوئی اخبار کوئی رسالہ کوئی تقریر تا وقتیکہ کسی محقق عالم کو نہ دکھالیں اور اس سے رائے نہ لے لیں۔ ہرگز نہ دیکھیں۔

اخبارات کے بعض مفاسد اس قسم کے احقر نے ایک مستقل تحریر مسمیٰ بہ "اخبار بینی" میں ایک زمانہ میں لکھے تھے۔ جس پر ملا تدر بعض محترضین نے غل چایا۔ مگر وہ تحریر بغور پڑھنے کے قابل ہے۔ اس پر گز مقصود نہیں کہ کسی اخبار یا کسی کتاب کا مطالعہ ہر حالت میں حرام ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ چونکہ ان چیزوں میں بعض اوقات ایسے مفاسد ہوتے ہیں اور ان مفاسد سے بیخدا ملت اسلامیہ میں واجب ہے۔ اور بیخدا بدوں معرفت کے ہو نہیں سکتا۔ اور معرفت خود ہے نہیں۔ اس لئے کسی صاحب معرفت یعنی عالم محقق سے مشورہ لے کر اس کا اتباع ضروری ہوگا۔

افسوس ہے کہ باوجود وضوح اس امر کے پھر اس ممانعت کو تنگ خیالی و تعصب پر محمول فرمایا جاتا ہے۔ کیا خیر خواہ باپ اپنے بچے کو زہر ملی ہوئی مٹھائی کے کھانے سے روکے۔ کوئی مائل اس باپ کو متعصب یا تنگ خیال کا لقب دے گا۔ غایت رافت کے ساتھ اس کو متعصب کہے گا۔ اور اگر کوئی کہے کہ ہم

خدا صفا و ددع ماکدر

کے طور پر اس کو دیکھتے ہیں۔ اس کا جواب ادھر کی تقریر سے واضح ہو گیا ہے کہ اس امتیاز کے لئے علم کامل اور فہم دانی کی حاجت ہے اور کلام اس کے ناقد میں ہے۔ رہا کسی کا اپنے کو ناقد نہ سمجھنا۔ یہ معتبر نہیں۔ بلکہ کسی عالم کا کسی کو ناقد کہنا اس کے اثبات کے لئے کافی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جناب رسول کریم و نبی حکیم شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے راسخ العلم و العمل شخص کو تورات کے مطالعہ سے منع فرمایا۔ باوجودیکہ فی نفسہ آسمانی کتاب تھی۔ گو اس میں تعریف بھی ہو گئی تھی۔ اور پھر مطالعہ بھی تنہا نہ تھا۔ بلکہ خود حضور

ہے۔ ایسے شخص کے جواب میں بعض اوقات تو عقیدہ باطل میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور بعض اوقات تردد اور شبہ میں پریشان ہوتا ہے۔ یا پریشان کرتا ہے۔ جیسا کہ امر اول کے بیان میں گزر چکا ہے۔

دوسری غلطی یہ کی جاتی ہے کہ ایک مسئلہ کو کئی کئی جگہ پوچھتے ہیں۔ بعض اوقات جواب مختلف ملتا ہے۔ تو اس وقت یا تو تعین راجح میں پریشان ہوتے ہیں۔ یا جس میں نفس کی مصلحت ہوتی ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور کبھی اس کی عادت ہو جاتی ہے۔ تو استفتاء سے یہی مقصود ہو جاتا ہے کہ نفس کے موافق جواب ملے اور جب تک ایسا جواب نہیں ملتا۔ برابر اس کو دہراؤشی میں رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ وضع تدبیر سے براہل بعید ہے۔ اور تلعب فی الدین ہے۔

تیسری غلطی اس دوسری غلطی سے یہ پیدا ہوتی ہے کہ بعض اوقات ایک مجیب کا جواب دوسرے مجیب کے سامنے نقل کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ بعض اوقات طبیعت کا خاص رنگ ہوتا ہے بعض اوقات نقل کا لب و لہجہ کچھ معارضنا نہ ہوتا ہے۔ اس لئے کبھی اس مجیب کی زبان سے دوسرے مجیب کی نسبت یا اس کے جواب کی نسبت کوئی نا ملائم لفظ نکل جاتا ہے۔ پھر یہی ناقل یا کوئی دوسرا اس مجیب تک اس کو پہنچا دیتا ہے۔ پھر وہ کچھ کہہ دیتا ہے۔ اس کی خبر اس پہلے تک پہنچتی ہے۔ اور بعض دفعہ بلکہ اکثر ان مقولات میں بھی بہت کچھ لفظی یا معنوی تغیر و تبدل کر دیا جاتا ہے۔ اور اس طرح باہم ایک فساد عظیم ان میں برپا ہو جاتا ہے۔

ایک غلطی یہ ہے کہ غیر ضروری مسئلے پوچھے جاتے ہیں۔ ایک غلطی یہ ہے کہ مسائل کے دلائل دریافت کئے جاتے ہیں۔ جن کے سمجھنے کیلئے علوم درسیہ کی حاجت ہے۔ چونکہ اس سائل کو وہ حاصل نہیں۔ اس لئے دلیل کو سمجھتا نہیں اور اگر اسی خیال سے کوئی مجیب دلیل بتلانے سے انکار کرتا ہے۔ تو اس غریب کی بد خلقی پر معمول کیا جاتا ہے۔ ایک غلطی یہ کی جاتی ہے کہ کسی سے کسی مسئلہ میں مباحثہ شروع کرتے ہیں۔ پھر اپنی تائید کے لئے فتویٰ حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ فتویٰ اپنے مخالف کو دکھلا کر اس پر اجماع کرتے ہیں۔ پھر وہ اپنے موافق فتویٰ حاصل

کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح خوانخواہ باہم جنگ و جدال کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ عوام کو اس میں پڑنا موجب خطر ہے۔ اگر ان سے کوئی اہل باطل الجھے تو علماء کا حوالہ دے کر اس کو قطع کر دیا جائے اگر غرض ہوگی۔ آپ پوچھے گا۔

ان سب غلطیوں کی اصلاح اس سے ہو سکتی ہے کہ اپنا دستور العمل اسباب میں یہ رکھیں کہ جب کوئی ضروری بات پیش آوے۔ اپنے عمل کرنے کیلئے نہ کہ مباحثہ کیلئے۔ ایسے شخص سے مسئلہ پوچھیں۔ جس کا معتبر محقق ہونا۔ صحیح ذریعہ سے پہلے معلوم ہو۔ اور اس پر اعتماد و اعتقاد بھی ہو اور دلیل دریافت نہ کرے۔ اور نہ کسی دوسرے عالم سے بلا ضرورت پوچھیں۔ اگر باوجود ان سب رعایتوں کے اس کے جواب میں شبہ رہے اور شفا نہ ہو۔ تو ایسی ہی صفت کے دوسرے عالم سے پوچھ لیں۔ اور اگر جواب پہلے کے خلاف ہو۔ تو پہلے کا جواب اس کے اور اس کا جواب پہلے کے سامنے نقل نہ کرے۔ اور جس قول پر قلب مطمئن ہو۔ اس پر عمل کریں۔

یہی عمل اس حالت میں کریں جبکہ بلا مراجمت دوسرے عالم کے خود بخود جواب اول کے خلاف کوئی جواب اس باب میں گوش زد ہو جائے۔ اگر استفتاء تحریراً ہو۔ تو ان رعایات کے علاوہ اور بھی رعایتوں کا لحاظ رکھیں۔ یعنی سوال کی عبارت اور خط بہت صاف ہو۔ حتی الامکان فضول غیر متعلق باتیں اس میں نہ لکھیں۔ ہر نام صاف لکھیں۔ اگر کسی بار ایک ہی جگہ استفتاء جاویں۔ تب بھی ہر خط میں اپنا پتہ اور نام صاف لکھیں اور جواب کے لئے ٹکٹ ضرور رکھ دیا کریں۔ اگر دستی بھی بھیجیں۔ تب بھی جواب کے لئے ٹکٹ ضرور رکھ دیں اور پورا پتہ لکھ دیں۔ شاید اس وقت جواب مسئلہ کا نہ دے سکیں۔ تو بعد میں ڈاک میں بھیج دیں۔ ورنہ ٹکٹ واپس آ جائے گا۔ اور اگر کسی سوال ہوں تو کارڈ پر بھیجا کریں۔ اور اگر کبھی ایسا اتفاق ہو جائے۔ تو ان سوالوں پر نمبر ڈال کر ان کی ایک نقل اپنے پاس بھی رکھ لیں۔ اور مکتوب الیہ کو اطلاع دے دیں کہ ہمارے پاس سوالات کی نقل نمبردار موجود ہے۔ آپ اعادہ سوال کی تکلیف نہ کریں۔ نمبروں کی ترتیب سے

۳۔ وعظ سننا

جس قسم کی غلطیاں نمبر اول میں کی جاتی ہیں۔ اس قسم کی غلطیاں لوگ یہاں کرتے ہیں۔ کیونکہ تحریر و تقریر دلالت احکام و آثار میں متقارب ہیں۔ یعنی لوگ ہر قسم کے واعظوں کا وعظ سن لیتے ہیں۔ اس کے وہی مفاسد ہیں جو نمبر اول میں تھے اور ان کا وہی انداز ہے جو مفاسد متعلقہ نمبر اول کا تھا۔ جب کوئی واعظ جدید آوے۔ آپ شہر یا قریب کے کسی عالم معتبر سے اس واعظ کی حالت پوچھ لیں۔ اگر وہ اطمینان دلا دے۔ تو وعظ سننے ورنہ نہ سنئے۔ کیونکہ بعض واعظ جاہل ہوتے ہیں۔ اور بعض بد مذہب۔ اور ان میں بعض اپنے مدعا کے ذہن میں جھگڑنے میں ملکہ رکھتے ہیں۔ اور بعض ایسے چالاک ہوتے ہیں کہ اول اول مخاطبین کے موافق کہتے ہیں۔ پھر بعد مناسبت و موانست اپنے مسلک کی دعوت شروع کر دیتے ہیں۔ پس اس معاملہ میں محتاط رہنا چاہیئے۔ اور اگر باوجود احتیاط کے کوئی بات مشتبہ کان میں پڑ جائے۔ تو علماء محققین سے اس کام کی تحقیق کر لیں۔

۴۔ اہل کمال کی صحبت حاصل کرنا

اس میں جو دھوکا ہوتا ہے وہ بہت عام ہے یعنی جو علامتیں اہل کمال کی ہیں۔ ان کی رعایت نہیں کی جاتی۔ جن کو احقر نے مضمون سابق میں "قصد السبیل" سے نقل کیا ہے۔ اس کا انداز ان علامات کی رعایت ہے۔ بقول

مولانا رومی

اے با ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نہ باید داد دست

اس کے ذیل میں اس کی صحبت کی مضرت بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ جو مقتدا بنا کر نہ ہو۔ محض دوستی کے طور پر ہو۔ مگر وہ دوست بد دین ہو۔ یہ بھی غلطی عظیم ہے۔ تجربہ سے ایک دوست کا اثر طبعاً دوسرے دوست پر ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے ارشاد نبوی ہے

المراء علی دین خلیلہ فلینظر من یمالہ
البتہ جو ملاقات بضرورت ہو۔ وہ مستثنیٰ ہے۔

۵۔ گھر والوں کو خود پڑھانا

اس میں جو غلطیاں ہوتی ہیں۔ ان کا مجموعہ امور رابعہ کے بیان میں منتشر طور پر بطور علاج آ گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ گھر والوں کیلئے کتابیں جو تجویز کی جائیں یا واعظ جو بلوایا جائے۔ ان میں رعایات مذکورہ سابقہ ملحوظ ہوں اور یہ امر تصریح و تخصیص کے ساتھ اس قابل ذکر ہے کہ سیانی لڑکی کا معلم نامحرم جوان یا میاں نہ عمر کا جائز نہ رکھا جائے۔" (اصلاح انقلاب)

حضرت تھانوی کے صدہا نظائر افادات علمیہ مفیدہ میں سے یہ مضمون حضرت کے علمی اہتمام اصلاح امت کا ایک مفید اور کار آمد نمونہ ہے۔ جس کے ذریعہ حضرت نے اصلاح امت کا ایک جامع و مانع طریق تجویز فرمایا کہ اگر اس پر مسلسل اور متواتر عمل ہوتا رہے۔ تو امت کے ہر طبقہ کے بسولت اصلاح ہو سکتی ہے۔ اور اس سے بہر زمانہ میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

مجازین صحبت و بیعت

چشمہ فیض

حضرت تھانوی کی یہ بڑی خواہش تھی کہ ان کے بعد یہ چشمہ فیض اسی طرح جاری رہے۔ اس لئے آپ نے جہاں اصلاح امت کے لئے مختلف دستور العمل مرتب فرمائے۔ وہاں سلسلہ مجازین قائم کر کے اس بات کا بھی اہتمام فرمایا کہ ان کے ذریعہ آئندہ بھی اشاعت طریق کا سلسلہ جاری رہے۔ آپ کی خواہش تھی کہ:

"میرے سپرد دین کے جتنے کام ہیں۔ وہ سب میرے بعد بھی بدستور چلتے رہیں۔ اور کسی کو میرے نہ ہونے کا اس بناء پر افسوس نہ ہو کہ فلاں دین کا کام اب کون کرے گا۔ اس مصلحت سے بھی میں اپنی مختلف دینی خدمات کو وقتاً فوقتاً دوسروں کے سپرد کر کے ادھر ادھر منتقل کرتا رہتا ہوں۔"

مجازین صحبت

اس لئے ایسے حضرات کی نسبت جو آپ کی تعلیم و تربیت اور فیض صحبت سے اپنے اندر تلقین صلاحیت پیدا کر چکے تھے۔ ایک روز آپ کو خیال آیا کہ:

"بعض ایسے احباب کو جو تلقین کی کافی صلاحیت رکھتے ہیں۔ گو اجتماع شرائط بیعت میں بعض خاص حالات کا انتظار ہے۔ تلقین بلا بیعت کی اجازت دے دوں۔"

تاکہ وہ لوگوں کو جس قدر فیض پہنچانے کے اہل ہیں۔ فیض پہنچا سکیں۔ اس سے ایک مقصود یہ بھی تھا کہ ایسے حضرات میں مزید اصلاح و تکمیل کا شوق پیدا ہوگا۔ وہ بالکل بے فکر نہ ہو جائیں گے بلکہ اجازت بیعت کا درجہ حاصل کرنے کے لئے پہلے سے زیادہ اپنی تکمیل کی فکر و سعی کریں گے ان حضرات کا لقب آپ نے "مجاز صحبت" تبویز فرمایا۔

آپ کی یہ تبویز بہت کارگر ثابت ہوئی۔ اور ایسے متعدد افراد اپنی تکمیل و اصلاح میں پہلے سے کہیں زیادہ فکر مند اور سرگرم ہو گئے۔ جن کی اطلاعات حضرت کو برابر پہنچ رہی تھیں۔ اور جن کی بناء پر حضرت نے اپنی اس تبویز کے مفید ہونے کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا کہ:

"الحمد للہ میرا یہ خیال کہ اس قسم کی اجازت دے دینا خود اجازت یافتگان کیلئے بہت نافع ہوگا۔ بالکل صحیح نکلا۔ کیونکہ ان میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو۔ جس پر اس اطلاع کے ملتے ہی گریہ طاری نہ ہو گیا ہو۔ اور اپنی ناکارگی پیش نظر ہو کر خود اپنی فکر اصلاح نہ دامن گیر ہو گئی۔ جیسا کہ ان کے اطلاع یابی کے بعد کے خطوط سے معلوم ہوا۔"

اس کے بعد یہ سلسلہ مستقل کر دیا گیا۔ مجازین صحبت میں سے جن میں جملہ شرائط بیعت کا اجتماع ہو جاتا۔ ان کو مجاز بیعت بنا دیا جاتا۔

مجازین بیعت

مجاز بیعت صرف ان احباب کو بنایا جاتا تھا جو:

۱۔ مستقی ہوں

۲۔ خود اپنی اصلاح کئے ہوئے ہوں۔

۳۔ ان کو طریق سے مناسبت پیدا ہو چکی ہو۔ لیکن محض علمی مناسبت نہیں بلکہ حالی۔

ضرورت ہے۔ جس کی تصدیق واقعات سے ہوتی ہے۔ نیز اس اشاعت میں یہ بھی مصلحت ہے۔ کہ طالبین کو حضرات اہل اجازت کا علم ہو جائے۔ اور وہ ان سے نفع حاصل کر سکیں۔"

اجازت یافتگان میں جو غیر اہل علم ہوتے تھے۔ ان کو صرف عوام کے لئے اجازت ہوتی تھی کیونکہ اس سے اہل علم کی تسلی ہونا مستبعد تھی اور اس امر کو ظاہر کرنے کے لئے فہرست اجازت یافتگان میں ایسے مجازین کے نام کے آگے لفظ "للعوام" کا اضافہ فرما دیتے تھے۔ البتہ جن بعض غیر اہل علم سے بوجہ ان کی خوش فہمی کے یہ توقع ہوتی کہ وہ اہل علم کی بھی تسلی کر سکیں گے۔ اور ان سے اہل علم کو رجوع کرتے ہوئے استنکاف نہ ہو گا۔ ان کو اجازت عامہ بھی عطا کی جاتی تھی۔ اور فہرست میں ان کے نام کے آگے لفظ "للعوام" نہیں بڑھایا جاتا تھا۔

عملی تربیت

حضرت تھانوی ایسے طالبین کو جن سے ابتداً مناسبت ہونے کی توقع نہیں ہوتی تھی۔ یا جو بیعت بلا تعلیم کی شرط کو پورا کر کے صرف بیعت ہونا چاہتے تھے بشرت اپنے خلفاء و مجازین کے سپرد فرماتے رہتے تھے۔ تاکہ مجازین کو بھی امر تربیت میں ملکہ تامہ حاصل ہو جائے۔ چنانچہ جب کسی طالب کی کوئی الجھی ہوئی حالت ہوتی۔ تو حضرت والا کے مجازین حضرت سے مشورہ لیتے رہتے۔ اور خود حضرت کو بھی اپنے سپرد کردہ طالبین کے اصلاحی خطوط کو مع اپنے مجازین کے جوابات کے ملاحظہ فرمانے کا اتفاق ہوتا رہتا۔

ان مجازین سے بفضلہ تعالیٰ کثیر مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا رہا۔ اور جو اس وقت حیات میں۔ ان سے ہزاروں لوگ بدستور مستفید و مستفیض ہو رہے ہیں۔ اور ان کی تعلیم و تربیت کی برکت سے متعدد طالبین بعد تکمیل انہیں کی طرف سے صاحب اجازت بھی ہو گئے۔ جس پر حضرت بڑی مسرت کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

۴۔ ان میں دوسروں کی بھی اصلاح کرنے کی اہلیت پیدا ہو گئی ہو۔

۵۔ اوصاف مذکور میں ان کو بقدر ضرورت رسوخ بھی حاصل ہو گیا ہو۔

۶۔ ان سے یہ توقع بھی ہو۔ کہ گو فی الحال ان کو اوصاف مذکورہ میں رسوخ کا درجہ ضرور یہ حاصل ہے۔ لیکن وہ آئندہ ترقی کر کے اس رسوخ کا درجہ کاملہ بھی حاصل کر لیں گے۔

حضرت کے ہاں اجازت بیعت و تلقین کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ خود پہلے بیعت ہو چکا ہو۔ بلکہ جن میں بیعت و تلقین کی خصوصیات پیدا ہو جاتیں۔ ان کو فوراً مجاز بنا دیا جاتا۔ کیونکہ نفع بیعت پر موقوف نہیں ہوتا۔ بلکہ تعلیم اور اس کے اتباع پر موقوف ہوتا ہے۔ جو اصل غایت ہے۔

جن اصحاب کو حضرت والا مجاز بناتے۔ ان کو اس امر کی اطلاع ان کے کسی خط میں تحریر فرما کر دیتے اور یہ بھی لکھ دیتے کہ اس کی اطلاع اپنے خاص خاص اصحاب سے بھی کر دی جائے۔ تاکہ وہ لوگ مطلع ہو کر ان سے نفع اٹھا سکیں۔ اکثر اس عنوان سے اجازت عطا فرماتے کہ:

"بے ساختہ یہ قلب میں آیا کہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دے دی جائے۔ لہذا تو کلاً علی اللہ آپ کو اجازت دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نفع کو عام اور تام فرمائے۔ اگر کوئی رجوع کرے تو انکار نہ کریں۔"

اور ان کا پورا نام اور پتہ اپنے پاس بطور یادداشت تحریر فرما لیتے تھے۔ پھر ان کو تنبیہات و وصیت کے سمت میں جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے تھے۔ شائع فرما دیتے تھے۔ تاکہ کوئی غیر مجاز اپنے آپ کو اجازت یافتہ نہ قرار دے سکے۔ ان لوگوں کو دھوکا نہ دے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیدا ہوئی کہ بعض ارباب غرض نے خود کو حضرت کا مجاز ظاہر کر کے لوگوں کو دھوکا دیا تھا۔ اسی لئے حضرت فرماتے تھے کہ:

"پہلے زمانہ میں نہ اتنے جھوٹے ہوتے تھے۔ نہ ایسے امور میں جھوٹ بولنے کی جرات ہوتی تھی۔ اس لئے اس وقت اتنی احتیاط کی ضرورت نہ تھی۔ اب

کہ خدا کے فضل سے یہ لوگ بہت سے مشائخ وقت سے زیادہ نفع رساں ہیں اور جن کی بے پروائی اور تاخیر جواب وغیرہ کا حال معلوم ہوا تو طالبین کو اپنی طرف سے ان کے سپرد فرمانا چھوڑ دیا۔ اور اس کام کی بار بار تاکید فرمائی۔ کہ بہت توجہ اور شفقت کے ساتھ طالبین کی تربیت کرنی چاہیے۔ اور جو کم توجہی سے کام لیتے تھے۔ ان کی شکایت بھی فرماتے تھے۔ حضرت کے اس دستور العمل سے مجازین کو اسی طرح فائدہ پہنچتا تھا۔ جیسے کسی حکیم کے شاگرد کو اپنے استاد کے مطب میں بیٹھ کر تجربہ حاصل کرنے یا اس کی نگرانی میں مطب کرنے سے فائدہ پہنچتا ہے اور اس سے حضرت کو بھی اطمینان ہو جاتا۔ کہ آئندہ سلسلہ چل سکے گا۔ چنانچہ آپ بہ مسرت فرمایا کرتے تھے کہ:

"الحمد للہ اب اپنے چند احباب ایسے آگئے ہیں۔ جو بفضلہ تعالیٰ طریق کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں اور امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ان کے ذریعہ اشاعت طریق کا سلسلہ جاری ہے گا۔"

یہ تو باقاعدہ اجازت یافتہ حضرات کا حال ہے۔ ویسے بھی حضرت کا ہر تعلیم و تربیت یافتہ کسی شیخ سے کم نہیں ہوتا تھا۔ اسی لئے حضرت نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ:

"الحمد للہ اس صورت میں جتنے میرے احباب ہیں وہ اکثر ایسے تو ہیں جن پر اطمینان ہے۔ ورنہ اگر میں وسعت کرتا۔ تو ہر قسم کے لوگ بھر جاتے اور خلط مبعث ہو جاتا اب تو الحمد للہ فہم و اہتمام دین کے لحاظ سے میرے قریب قریب سب احباب ہی بفضلہ اس قابل ہیں کہ انکو اجازت دے دی جائے۔ لیکن چونکہ کچھ نہ کچھ وجاہت بھی اجازت کیلئے مصلحت ہے۔ اس لئے پس و پیش ہے۔"

اخراج مجازین

خلفائے مجازین میں سے جن کے حالات معلوم نہ ہوتے رہتے یا مشتبہ حالات سننے میں آتے۔ حضرت احتیاطاً ان کے نام فہرست مجازین سے خارج فرمادیتے لیکن ان کو اجازت سے بچانے کے لئے ان کے نام شائع نہیں فرماتے تھے بلکہ اخراج کے اعلان کی یہ صورت فرماتے کہ آئندہ جو فہرست مجازین شائع ہوتی۔ اس میں ان کے نام درج نہ کئے جاتے۔ اور صرف ان کے نام درج کئے جاتے۔ جن کی اجازت باقی رکھی جاتی تھی۔ البتہ جو وفات پا جاتے ان کا نام ضرور شائع فرمادیتے تھے۔

اس معاملہ میں کمال احتیاط یہ تھی کہ جن کے نام اختیاراً خارج ہو کر درج فہرست نہ کئے جاتے ان کے متعلق یہ تنبیہ بڑھادی جاتی تھی کہ:

"بقیہ اوروں کو مجاز نہ سمجھنا ان کی صلاحیت کی نفی نہیں۔ میرے علم صلاحیت کی نفی ہے یعنی ان کے قابل اجازت ہونے کی اب مجھ کو تحقیق نہیں۔"

البتہ اس قاعدہ کے خلاف ایک دفعہ مصلحتاً ایک صاحب کو بذریعہ خط فسخ اجازت اور فسخ بیعت کی اطلاع دے کر اس خط کی نقل تتمہ تنبیہات وصیت میں شائع فرمادی۔ مگر اس کے ساتھ ہی بنیال غایت حدودیہ اطلاع عام بھی بڑھادی کہ:

"مقصود اس سے صرف ان لوگوں کو اطلاع دینا ہے۔ جو محض میری بیعت و اجازت کی بناء پر ان سے رجوع کرتے ہیں۔ اور جن کے رجوع کی یہ بناء نہ ہو۔ وہ میرے احباب نہیں۔ ہر شخص کو اپنے دین کا اختیار ہے۔"

غرضیکہ حکمت کے ہاں ہر شے اپنے حد پر تھی۔ کسی بات میں نہ افراط تھی نہ تفریط۔ اور یہی صفت اعتبار ال آج کل عنقا ہے۔

درخشندہ ستارے

حضرت تھانوی کے مجازین میں بفضلہ تعالیٰ بڑی بڑی مقدس ہستیاں اور

بڑے بڑے صاحب احوال رفیعہ و مقامات عالیہ اور اہل علم و تقویٰ گزر چکے ہیں۔ اور موجود ہیں جو اس وقت ہندوستان اور دیگر ممالک میں نہایت سرگرمی سے طالبین و سالکین کی تعلیم و تربیت میں مشغول ہیں اور ہندوگان خدم کو فیض پہنچا رہے ہیں۔ آسمان علم و شہرت پر مہر و ماہ کی طرح چمکنے والے حضرت کے بعض نادرہ روزگار و صاحب کمال مجازین و منتسبین کے مختصر احوال درج ذیل ہیں۔

۱۔ علامہ شبیر احمد عثمانی

شیخ الاسلام - صدر انجمن مسلمانان عالم و جمیعتہ علم اسلام - شیخ الحدیث شارح مسلم شریف علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ایسے فاضل و اجل اور عالم بے بدل گزر چکے ہیں کہ جن کے تہر علی اور سیاست بصیرت کا ایک رشتہ خاں اور معترف ہے مگر بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ بایں علم و فضل اور زہد و تقویٰ انہوں نے روحانی تربیت حاصل کرنے کیلئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہی منتخب کیا اور ایک طالب و سالک کی حیثیت سے مدتوں تھانہ بھون حاضری دیتے رہے اور فیض باطنی حاصل کرتے رہے جس نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مترجم قرآن مجید پر جس خوبی - خوش نمائی - شگفتگی - متانت - سلاست - فصاحت اور بلاغت کے ساتھ آپ نے حواشی لکھے اور معارف قرآنی کو اردو جامہ پہنایا - وہ آپ کا ہی حصہ تھا۔

بقول مورخ اسلام سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

"مولانا شبیر احمد صاحب بڑے خطیب و مقرر تھے۔ عالمانہ استدلال کے ساتھ بڑے دلچسپ قصے اور لطیفے بھی بیان کرتے تھے۔ جن سے اہل محفل کو بڑی دل چسپی ہوتی تھی اور ظریفانہ فقرے اس طرح ادا کرتے تھے کہ خود نہیں ہنستے تھے۔ مگر دوسروں کو ہنسا دیتے تھے ان کی تقریر میں کافی دلائل ہوتے تھے۔ سیاسی علمی - تبلیغی

اور واعظانہ ہر قسم کے بیان پر ان کو قدرت حاصل تھی۔ ذہانت و طباعی اور پدیرہ گوئی ان کی تقریروں سے نمایاں ہوتی تھی۔ اکبر کے ظریفانہ اور فلسفیانہ شعر ان کو بہت یاد تھے۔ جن کو وہ اپنی تقریروں میں عمدگی سے کھپاتے تھے۔

مسلم لیگ کی خدمتوں میں ایسے الجھتے چلے گئے کہ پھر دوسری طرف ان کو کچھ خیال کا موقع ہی نہ ملا۔ اور آخر ۱۹۳۷ء میں لیگ کے بڑے بڑے رہنماؤں کے ساتھ مرحوم بھی کراچی چلے گئے۔ اور وہیں کے ہو گئے۔ مرحوم نے کراچی پہنچ کر گو کوئی سرکاری عہدہ حاصل نہیں کیا۔ مگر مذہبی معاملات میں ان کی حیثیت مشیر خاص کی تھی۔ اس لئے زبان خلق نے ان کو شیخ الاسلام کہہ کر پکارا۔ جو اسلامی سلطنتوں میں عموماً قاضی القضاۃ کا لقب ہوتا ہے۔ اور زیادہ تر اس لقب کی شہرت دولت عثمانیہ میں رہی اس حیثیت سے مرحوم پاکستان کی مجلس آئین ساز کے رکن بھی تھے۔ اور اس جماعت کے روح رواں بھی۔ جو اس کے آئین کو اسلامی قالب میں ڈھالنا چاہتی تھی۔ اس راہ میں مرحوم کی ابتدائی کوشش کامیابی کا وہ نتیجہ تھا۔ جس کو پاکستان کی آئینی اصطلاح میں "قرارداد مقاصد" کہتے ہیں۔

مرحوم کو مستقل طور پر پاکستان چلے گئے تھے۔ مگر تعجب ہو گا کہ انہوں نے نہ تو اپنا کوئی خاص گھر بنایا۔ نہ کسی کی ذاتی کوٹھی پر قبضہ کیا۔ بلکہ عقیدت مند اور اہل ثروت کے مکان میں رہے اور اس مسافت میں اس مسافر نے اپنی زندگی بسر کی۔

مرحوم کی کوئی ظاہری اولاد نہ تھی۔ لیکن محمد اللہ کہ انہوں نے اپنی کثیر باطنی اولاد چھوڑی ہے۔ یہ ان کے تلمذہ ہیں۔ جو زیادہ تر دیوبند اور ڈا بھیل میں لنگے شرف تلمذ سے منعم ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض مشاہیر کے نام جو مجھے معلوم ہیں۔ وہ یادگار کے طور پر قلم کرتا ہوں۔ مولانا مناظر احسن گیلانی۔ مولانا ابوالہاشم محمد حبیب الرحمن صاحب اعظمی۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی۔ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی اور مولانا محمد یوسف بنوری۔ کہ ان میں سے ہر ایک بجائے خود دائرہ علم ہے۔" (یادرفنگان)

۲۔ مولانا سید سلیمان ندوی
 کے سید القلم فاضل اہل اور عالم بے بدل ہونے کا بھی زمانہ قائل ہے۔ دنیا
 انہیں فن تاریخ کا امام وقت سمجھتی ہے۔ کیونکہ وہ سیرت نگاری میں اپنی نظیر آپ
 تھے۔ عالم۔ فاضل اور مورخ ہونے کے علاوہ آپ مدبر۔ مفکر۔ محقق۔ محدث۔ مبلغ۔
 ادیب۔ خطیب۔ فقیہ اور شاعر بھی تھے۔ رمزی تخلص تھا۔ مولانا شبلی نعمانی کے
 صرف شاگرد ہی نہیں جانشین بھی تھے۔ جن پر استاد کو اتنا ناز تھا کہ وفات سے دو
 سال قبل ندوۃ العلماء کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۹۱۲ء میں خط پڑھتے ہوئے اپنے اس
 ہونہار شاگرد رشید کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا کہ: "ندوہ نے کیا کیا؟ ایک سلیمان کو پیدا کیا! تو یہی کافی ہے!"

ہندوستان کی اتنی بڑی تاریخی درسگاہ سے نکلنے والے لگانہ روزگار سلیمان
 ندوی نے ایک ہی جہت میں ندوہ سے تھانہ بھون کا فاصلہ کس طرح طے کیا؟
 داستان بڑی بصیرت افروز ہے۔ سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب لکھتے ہیں کہ
 سید صاحب:

"مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے بھی بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ جب ان
 میں تصوف و سلوک کا ذوق پیدا ہوا۔ تو پہلے مولانا حسین احمد ہی کے جانب ان کا
 میلان ہوا اور ان ہی سے بیعت کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن ایک روز خواب میں دیکھا کہ
 ایک پلنگ پر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی تشریف فرما ہیں۔ اور اس کے
 پاس ایک دوسرے پلنگ پر وہ خود مولانا حسین احمد صاحب کے ساتھ بیٹھے ہیں
 یکایک مولانا حسین احمد اپنی جگہ سے اٹھے اور سید صاحب کا ہاتھ پکڑ کر مولانا اشرف
 علی کے سامنے کر کے فرمایا۔ "ان کو میری طرف سے قبول فرمالیں۔"
 اس خواب کے بعد وہ مولانا تھانوی کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔"

(معارف سلیمان ص ۶۸)

سید صاحب نے اس سلسلہ میں حضرت تھانوی کی خدمت میں دسمبر ۱۹۲۹ء
 میں مندرجہ ذیل تاریخی خط لکھا:

"بار بار میرا دل جب زمانہ کے فتن و حوادث سے گھبرا گھبرا اٹھتا ہے۔ اور
 بے اختیار کسی سکینت و طمانیت کے مامن کی تلاش ہوتی ہے۔ تو خانقاہ اندادیہ یاد
 آتی ہے۔ لیکن ڈر تھا کہ معلوم نہیں کہ اجنبیت و بے گانگی سے میرے متعلق کیا
 کیا آپ تک پہنچا ہو۔ اور آپ مجھے مخاطب کا اہل بھی سمجھیں یا نہیں۔
 اب اس کشمکش کی منزل میں ہوں۔ جس میں علوم ظاہری تکمیل کا باعث
 نہیں بنتے۔ دعا کا طالب اور ہمت کا خواستگار ہوں۔"

(معارف سلیمان نمبر ص ۲۶۷)

دوسرے خط میں سید صاحب نے حضرت کو لکھا کہ:

"میرے لئے کوئی ایسا نسخہ تجویز فرمادیں کہ مجھ میں استقامت و ثبات اور
 رغبت الی الطاعات پیدا ہو۔ فرائض کا پابند ہوں۔ بدعات سے نفور ہوں۔ کبھی
 کبھی ذوق سجود کی لذت بھی پاتا ہوں۔ امام ربانی مجدد الملت ثانی شاہ ولی اللہ صاحب
 رحمۃ اللہ علیہ کے اور ان کے سلسلہ سے عقیدت نامہ ہے۔ خرافات و طامات صوفیہ
 کا منکر ہوں۔" (ایضاً نمبر ص ۲۸۸)

اسی طرح سید صاحب نے اپنی دینی عظمت اور جلالت کا لحاظ کیے بغیر
 آستان شرفیہ پر جا کر اپنا سر نیاز جھکا دیا۔ علم و فن کا یہ شہباز بلا اطلاق۔ بے وقت
 دربار اشرفیہ میں پہنچا۔ سید صاحب کی آمد کی مسرت سے صائبطوں کے بادشاہ اپنے
 صائبطوں سے اعلیٰ مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فوراً زناخانہ سے باہر تشریف لائے۔
 پھر کیا ہوا۔ اس کی تفصیل خود حضرت تھانوی کے مندرجہ ذیل گرامی نامہ سے پڑھ
 لیجئے جو آپ نے اس ملاقات کی نسبت مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کو لکھا:

"مولانا سید سلیمان ندوی صاحب دفعتاً تشریف لے آئے۔ میں مکان پر

تھا۔ سنتے ہی حاضر ہوا۔ میرے ذہن میں ان کا حبشہ طویل و عریض تھا۔ ملا تو معتدل
 الخلق پا کر قلب کو بہت انس ہوا۔ پھر ملاقات و مکالمت سے ان کی تواضع و سادگی و

رحمت جلیس دیکھ کر تو مسر ہو گیا۔ گیارہ بجے تشریف لائے۔ تین بجے واپس تشریف لے گئے۔ مجلس میں بہت دیر تک شہناہ خوانی کرتا رہا۔
(حکیم الامت ص ۷۳۳)

بس اس "مسر ہونے" نے اس شہباز کو مسر کر دیا۔ وہاں کے "حال" کا اس "مرد" قال "پر سب سے پہلا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے اپنی ان تمام پرانی تحریروں پر نظر ثانی کی۔ جن میں ذرا بھی جمہور امت سے اختلاف کا شائبہ یا احتیاط کے خلاف کوئی بات نظر آئی۔ اور اس طرح اپنے ہم مکتبوں۔ ہم مشربوں اور ہم عصروں کو یہ آخری عملی نصیحت فرمائی کہ:

قال را بگذار مرد حال شو

اہل ندوہ نے شاہ سلیمان کا توت سلیمانی سے اتر کر دربار اشرفیہ کے خدام میں شامل ہونے کو اپنی توہین پر محمول کیا۔ مگر سید صاحب نے انہیں اپنے عملی استحکام سے یہ نکتہ سمجھایا کہ

دستار فضیلت ہو یا دلق مرقع ہو
ہونا ہے اسے اک دن نذر مئے و میخانہ

بعض کو یہ جواب دیا کہ

"جن کمالات کی بناء پر آپ نے مجھے اپنا قبلہ بنایا تھا۔ انہی کمالات نے مجھ کو مولانا تھانوی کے آگے جھکا دیا۔ میں نے اپنے انجام کی فکر کر لی۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ اپنا قبلہ کوئی اور تجویز کر لیں۔"

(معارف سید سلیمان نمبر ۲۹۳)

کبھی ان کے شور و غوغا پر یوں شکوہ کیا کہ:

"یہ لوگ مجھ کو زبان سے تو فاصل اور محقق کہتے ہیں۔ مگر درحقیقت مجھ کو بے عقل جانتے ہیں۔ آخر اس بات پر کیوں نہیں غور کرتے کہ ان کے خیال کے مطابق اگر واقعی محقق اور علامہ دہر ہوں۔ تو کیا بلاوجہ میں نے مولانا تھانوی کا دامن تھاما۔ ان لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ میں نے اپنے اندر کوئی تو کمی پائی۔ جس کی تکمیل

کے لئے وہاں گیا"

(معارف سید سلیمان نمبر ۶۹)

غرضیکہ یہ وہ حالات تھے۔ جن میں سے سید صاحب بادلہ طریقت سے سرشار ہوئے اور زیادہ وقت علمی مذاکروں کی بجائے رشد و ہدایت میں صرف کرنے لگے۔ قیام پاکستان کے بعد ارباب حکومت کو اس بورڈ کی صدارت کیلئے جو دستوری سفارشات کو اصول اور حدود شرع میں باقی رکھنے کیلئے قائم کیا گیا تھا۔ ایک ماہر عالم کی ضرورت تھی۔ ان کی نظر انتخاب سید صاحب پر پڑی اور انہیں خاص آدمی بھیج کر بہ منت پاکستان بلوایا۔ سید صاحب محض اپنے شیخ کے مطابق قائم ہونے والی اسلامی مملکت کی خدمت کے جذبہ سے اپنی معیاری رہائش اور وسیع ذرائع آمدنی چھوڑ کر کراچی ایسے گراں شہر میں بمعہ اہل و عیال تشریف لائے۔ مالی پریشانیوں کے باوجود آپ نے عالمانہ وقار اور اشرفی استغناء کو قائم رکھتے ہوئے بڑے توکل و تحمل سے زندگی کے آخری ایام مسافرانہ اور درویشانہ شان میں یہیں گزار دیئے۔

قیام پاکستان کے دوران میں

۱۔ آپ نے سب سے پہلے دسمبر ۱۹۵۰ء میں مختلف فرقوں کے ۳۱ علماء کے اجتماع کی صدارت و برہری فرمائی۔ اور تین چار دن کے اندر ایک ایسا دستوری خاکہ بنا کر پیش کیا کہ ارباب حکومت حیران رہ گئے۔ اور حضرت کی خدمت میں مبارک باد کی خطوط اور برقیے بھیجے۔ جس کی وجہ سے حکومت کی پیش کردہ رپورٹ نابود ہو گئی۔

۲۔ آپ نے ہر جگہ اس بات پر زور دیا کہ تنہا دستور سے کوئی مملکت "اسلامی مملکت" نہیں بن سکتی ہے۔ اور نہ اس میں انقلابی شان پیدا ہو سکتی ہے۔ تاوقتیکہ ملک میں اسلامی قانون رائج نہ ہو۔ اور یہی بات آپ نے قائد ملت لیاقت علی خاں وزیراعظم پاکستان کے ذہن میں اس خوبی سے بٹھائی کہ بالآخر انہیں ایک لائسنس مقرر کرنا پڑا۔ تاکہ وہ مرجوہ قوانین پر نظر ثانی کر کے ان کو اسلامی قانون کے

حصار میں لے آئے۔ اس کمشن کے صرف تین ارکان تھے۔ جسٹس رشید جسٹس میمن اور علامہ سید سلیمان ندوی بعد میں سید صاحب کی تحریک پر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا تھا۔ کیونکہ آپ اسلامی آئین کے سلسلہ میں تنہا ذمہ داری نہ لینا چاہتے تھے۔

۳۔ رئیس الخلفاء دربار اشرفیہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب مدظلہ کے اصرار پر جبکہ دستوری سفارشات از سر نو مرتب ہو رہی تھیں۔ بورڈ تعلیمات اسلامی مجلس دستور ساز پاکستان میں بھی اپریل ۱۹۵۲ء میں شرکت فرمائی تھی۔

۴۔ قائد اعظم کی یادگار میں جو دارالعلوم تعمیر ہونا تھا اس کی انتظامیہ کمیٹی کا بھی آپ کو رکن بنایا گیا تھا۔ جس نے اس کے لئے جگہ اور نصاب کا انتخاب کرنا تھا۔ آپ کی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی (جو اس کمیٹی کے بھی رکن تھے) کی کوشش سے ہی اس کی تعمیر کے لئے ملتان کو منتخب کیا گیا۔ جو کسی زمانہ میں علوم و معارف کا گہوارہ تھا۔

اور بالاخر وہ اسی سرزمین میں ابدی نیند سو گئے۔

۳۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے شاگرد رشید حضرت تھانوی کے خلیفہ ارشد۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ، ان علماء ربانی میں سے ہیں۔ جنہوں نے لیگ کی اس وقت پشت پناہی کی جبکہ جمیعتہ العلماء ہند۔ احرار۔ نیشنلسٹ کانگریس کے جھنڈے تلے اس کے خلاف صف آرا ہو چکے تھے۔ سارا دیوبند ایک طرف اور مفتی دیوبند ایک طرف۔ مولانا شبیر احمد عثمانی۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحب نے ملک کے طول و عرض میں طوفانی دورے کر کے لیگ کے حق میں رائے عامہ کو اس طرح بیدار کیا کہ مخالف کیمپ میں کھلبلی سی مچ گئی۔

پاکستان بننے کے بعد آپ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب مدظلہ کے اصرار پر اپنا کتب خانہ اور کاروبار ہندوستان میں چھوڑ کر کراچی آ گئے۔ چونکہ اس وقت زمام اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ جن کی معیت میں یہ جنگ پاکستان لڑ چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے آپ کی آمد پاکستان کا دلی خیر مقدم کیا۔ اور آپ کے تبر علمی اور فقہی بصیرت سے فائدہ اٹھانے کیلئے آپ کو مجلس دستور ساز پاکستان کے قائم کردہ بورڈ تعلیمات اسلامیہ کا رکن بنا دیا گیا۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی تحریک پر موجودہ قوانین کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے والے کمیشن میں بھی آپ کو شامل کر لیا گیا۔ جس کے دوسرے ارکان خود سید صاحب جسٹس رشید اور جسٹس میمن تھے۔ علاوہ انہیں قائد اعظم کے یادگاری دارالعلوم کی تعمیر اور اس کا نصاب مقرر کرنے والی کمیٹیوں میں بھی آپ کو شامل کیا گیا۔

عین اس وقت جبکہ یہ نعرہ لگایا جا رہا تھا کہ قرآن کے اندر اسلامی دستور ثابت کرنے والے کو ہزاروں روپیہ انعام دیا جائے گا۔ آپ نے شب و روز محنت کر کے دستور قرآنی کا خاکہ تیار کیا۔ دستور یہ کہ ایک ایک ذمہ دار رکن کے پاس پہنچے۔ انہیں ایک ایک بات اور نکتہ سمجھایا۔ اور ان کے ذہنوں کو اسلامی آئین بنانے اور قبول کرنے کیلئے اس طرح تیار کیا کہ خود قرآنی آئین کے منکر مسٹر بروہی نے کتاب و سنت کے مطابق مرتب کردہ اسلامی آئین کی ایک ایک دفعہ ایوان دستور یہ میں پیش کر کے منظور کرائی۔ اور ان کے حق میں بعض ممبران دستور یہ نے ایسی اسلام آموز اور ایمان افروز تقریریں کیں کہ دستور یہ کے ہندو ممبران چیخ لگے کہ ہم یہاں اسلام پر لیکچر سننے نہیں آئے۔ اس تمام تیاری اور کامیاب جدوجہد کا سربراہ مفتی اعظم پاکستان کے سر ہے۔ جو پس پردہ نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے شیخ کے مذاق کے مطابق ارکان دستور یہ کو تبلیغ و تلقین میں مصروف رہے۔

۴۔ مولانا ظفر احمد عثمانی

حضرت تھانوی کے خواہر زادہ اور تربیت یافتہ۔ سابق صدر شعبہ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی۔ حال شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار ضلع حیدر آباد سندھ ان علماء مشاہیر میں سے ہیں۔ جنہوں نے جنگ پاکستان میں بالعموم اور سلٹ کے ریفرنڈم میں بالخصوص بڑی گرم جوشی سے حصہ لیا۔ ریفرنڈم کے دوران میں جہاں مولانا شبیر احمد عثمانی صوبہ سرحد میں مصروف جہاد تھے۔ وہاں مولانا ظفر احمد صاحب سلٹ میں مصروف عمل تھے۔ کیونکہ ان دونوں محاذوں کے مخصوص حالات کے پیش نظر قائد اعظم نے ان کی کمان علی الترتیب ان کے سپرد کر رکھی تھی۔

مولانا ظفر احمد عثمانی جس وقت سلٹ پہنچے۔ اس وقت جمعیت العلماء ہند کے ارکان میدان پر چھاپ چکے تھے۔ پاکستان کی مخالفت میں درودیوار پر ان کے چسپاں ہو چکے تھے۔ مگر ان کے وہاں پہنچ کر صرف چار تقریریں کرنے سے ہوا کاروبار بدل گیا۔ مخالفین نے نہ صرف پاکستان کی مخالفت ترک کر دی بلکہ حامیان پاکستان سے اتحاد کر لیا۔ جس سے ہندوؤں کو سخت صدمہ پہنچا۔ اور انہوں نے ریفرنڈم کے دوران میں بڑی گڑ بڑ کی۔ یہاں تک کہ کئی ہندو آفسیور اور ہندو عورتیں گرفتار کر لی گئیں۔ مگر ان ریشہ دوانیوں کے باوجود ریفرنڈم کا نتیجہ پاکستان کے حق میں رہا۔

حضرت تھانوی کی طرح مولانا ظفر احمد عثمانی بھی قائد اعظم کو تبلیغی خطوط لکھتے رہتے تھے جن کا باقاعدہ انگریزی ترجمہ ساتھ بھیجا جاتا تھا۔ تاکہ ان کو سمجھنے میں آسانی رہے۔ پاکستان بننے کے بعد جب سکھ اور گٹھ وغیرہ بنانے کا سوال پیدا ہوا۔ تو بعض نافرمانوں نے ان پر قائد اعظم کی تصویر چھاپنے کی تجویز پیش کی جسے قائد اعظم سے عقیدت کی وجہ سے منظور کیا جا رہا تھا۔ کہ ہماری تحریک پر مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب۔ مولانا ظفر احمد عثمانی۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب۔ دیوبندی نے ارباب اختیار کو اس مسئلہ کے شرعی پہلو کی طرف توجہ دلائی۔ اور

انہیں اس خلاف شرع فعل سے باز رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔

پاکستان بننے کے بعد آپ بھی اپنے دوسرے مذکورہ صدر رفقاء کے ساتھ دستور اسلامی کی تائیس و ترویج کے سلسلہ میں کوشاں رہے۔ اور بعض امور میں ارباب اختیار و اقتدار ان سے صلح و مشورہ کرتے رہے۔ بلکہ مشرقی پاکستان کے انتخاب کے سلسلہ میں ان کی خصوصی طور پر امداد حاصل کی گئی۔ اور خواجہ شہاب الدین وزیر داخلہ کی زیر سرکردگی ۱۹۴۹ء میں جو وفد حجاز گیا تھا۔ اس کا بھی انہیں رکن بنایا گیا تھا۔

غرضیکہ دربار اشرفیہ کے ان چاروں مایہ ناز اور ممتاز سفیروں نے عین اس وقت جبکہ جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کی بنیاد قائم کی جا رہی تھی۔ اور ارباب اختیار و اقتدار کو قدم قدم پر علماء حق کی امداد کی ضرورت لاحق ہو رہی تھی۔ ذاتی اغراض و اقتدار کیلئے نہیں۔ بلکہ ذاتی نقصان اٹھا کر محض خدمت خلق و پاکستان کے لئے خلوت سے جلوت میں آ کر ارباب اختیار و اقتدار کی رہنمائی کی اور اپنے عالمانہ وقار اور درویشانہ استغناء کو بھی ٹھیس نہ لگنے دی۔

۵۔ مولانا مفتی محمد حسن امرتسری

قطب زناں۔ شیخ دوراں۔ رئیس الخلفاء دربار اشرفیہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری مہتمم جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور و صدر جمعیت علماء اسلام ان نفوس قدسیہ میں سے ہیں۔ جو نظام نکلونسی کے سلسلہ میں مامور من اللہ ہوتے ہیں۔

دربار اشرفیہ کے امیر اور موز اور علوم و معارف جاننے والے اس محقق عالم اور مرد درویش کا دربار، دربار اشرفیہ کا ہی نمونہ پیش کرتا ہے۔ جس میں بڑے بڑے باجبروت اور جلیل القدر ارباب اختیار و اقتدار کو دست بستہ کھڑے دیکھا۔

ان کا جلال و جمال۔ ان کا حال و قال۔ ان کا زہد و تقویٰ۔ ان کا صبر و استقلال۔ ان کا علم و فضل ان کی جذب و تاثیر اور شان استغناء حضرت تھانوی کی

یاد دلوں میں تازہ کر دیتی ہے۔ اور بڑے بڑے نکتہ چینوں اور نقادوں سے اعتراف کرا لیتی ہے۔ مولانا عبد الماجد دریابادی اپنے سفر نامہ پاکستان میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت تھانوی کی وفات کے بعد سے بڑی تمنا تھی کہ ان کا کوئی صحیح اور سچا جانشین دیکھنے میں آئے۔ آنکھیں مدت سے اس کے لئے ترسی ہوئی تھیں۔ ذکر متعدد ثقہ لوگوں سے سننے میں آیا تھا کہ اس صفت کے ایک بزرگ لاہور میں ہیں مولانا محمد حسن امرتسری ثم لاہوری جو مسجد نیلا گنبد کے متصل مدرسہ اشرفیہ میں رہتے ہیں۔ اپنے مرشد کی جانشینی کا حق ادا کر رہے ہیں۔"

جذبہ اشتیاق سب سے پہلے انہیں کی خدمت میں لے گیا۔ کھنا چاہیے کہ مقام لاہور کے اہم ترین مقصدوں میں ایک مقصد یہی تھا۔ بعد میں حاضری ہوئی۔ اور دیر تک حکمت و معرفت کے کلمات اور اچھی اچھی باتیں سننے میں آگے بڑھیں۔ بزرگی صورت سے ظاہر ہے۔ اور تواضع و حسن اخلاق تو شاید ان کا حصہ ہے۔

بار بار اٹھنا چاہا۔ لیکن مولانا کی شفقت نے اٹھنے نہ دیا۔ اور مادی خاطر میں سے بچنے اور ناشتہ سے خوب رہیں۔"

(صدق جدید ۲۷ مئی ۱۹۵۵ء ص ۴)

یہ صحیح اور سچے جانشین انہیں کے تھے۔ جن کے متعلق مولانا عبد الماجد صاحب کا ارشاد ہے کہ:

"مولانا کی ذات خود دینی حیثیت سے عجب ذات تھی۔ کوئی صرف فقیہ ہوتا ہے اور طریقت سے کورا۔ کوئی محض صوفی ہوتا ہے۔ اور کلام کے مباحث سے نا آشنا۔ یہ حضرت ایک ہی وقت میں صوفی و محقق بھی تھے اور متکلم بے بدل بھی۔ رومی عصر بھی اور رازی وقت بھی۔ فقہ۔ اصول فقہ۔ تفسیر۔ حدیث و تصوف کے علاوہ کلام قدیم و جدید کے بھی خدا معلوم کتنے مسائل یہاں مجلسوں میں و غظوں میں برابر بیان ہوتے رہتے ہیں۔ اور ہم جیسے کتنے بے مایہ اور کم مایہ یہیں سے خوشہ چینی کر کے اپنی بات بناتے اور اپنی دکان چمکاتے ہیں۔"

(حکیم الامت ص ۶۴)

حضرت تھانوی کے اس آئینہ صفات میں ان کے صحیح اور "سچے جانشین" کے "خط و خال" کتنے نمایاں ہو گئے ہیں۔

۶۔ مولانا عبد الباری ندوی

ندوۃ العلماء لکھنؤ نے عصر جدید کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے یوں تو ایسے بڑے بڑے عالم فاضل۔ مفکر اور مدبر پیدا کئے۔ جنہوں نے علمی اور تحقیقی میدان میں قابلِ فخر کارہائے نمایاں دکھائے مگر وہ ایسے اہل نظر صرف تین ہی پیدا کر سکا۔ جنہوں نے اپنی بصیرت سے دور حاضر کے مجدد کو پہچانا اور اسکی تعلیم و تربیت سے فیض پایا۔ ان میں سے ایک مولانا سید سلیمان ندوی تھے۔ جو فنافی الشیخ کے مقام پر پہنچنے کے باوجود آخر وقت تک ندویانہ خصوصیات کے بھی حامل رہے۔ دوسرے دارالمصنفین اعظم گڑھ کے رکن مولانا عبد الباری صاحب ندوی سابق استاذ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن ہیں۔ مولانا عبد الباری صاحب ندوی ایسے فنافی الشیخ ہوئے کہ اپنی ندویت کو بھی بھلا بیٹھے۔ ان پر حضرت کارنگ اتنا غالب ہے کہ ہر بات انکے ہی انداز کی کہتے ہیں۔ اور ہر چیز ان کی ہی پسند کی چاہتے ہیں۔ اور شب و روز حضرت تھانوی کی تعلیمات و تجدیدات کی تہذیب و تسہیل اور ان کی اشاعت کثیر کی فکر میں رہتے ہیں اور اس سلسلہ میں چار نادر کتابیں:

- ۱۔ جامع الحدیث
- ۲۔ تجدید سلوک و تصوف
- ۳۔ تجدید تعلیم و تہذیب
- ۴۔ تجدید معاشیات کے نام سے ایسی مرتب فرمائیں کہ نو تعلیم یافتہ طبقہ کو پہلی دفعہ حضرت کی تجدیدات سے مستفید و مستفیض ہونے کا موقع ملا۔

۷۔ مولانا شبیر علی تھانوی
حضرت تھانوی کی اپنی تو کوئی اولاد نہ تھی۔ انہوں نے مولانا شبیر علی صاحب کو اپنے چھوٹے بھائی منشی اکبر علی صاحب سے یہ فرما کر لے لیا تھا کہ:
"میری کوئی اولاد نہیں ہے لہذا شبیر کو مجھے دے دو۔ میں اس کو اپنی اولاد کی طرح رکھوں گا۔"

مولانا شبیر علی لکھتے ہیں:
"اگر حضرت کی صلبی اولاد ہوتی۔ تو شاید کتنے ناز حضرت ان کے بھی نہ اٹھاتے۔ جتنے اس خادم کے اٹھائے ہیں۔ اور حقیقت ہے کہ حضرت کی شفقتوں کے سامنے میں اپنے والدین کی شفقتوں کو بھی بھول گیا۔ اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آخر وقت تک حضرت ہی کی جوتیوں میں میری عمر گزری۔" (خاتمہ السوال ص ۱۳)

دوسرے حضرات نے تو حضرت تھانوی سے باطنی تربیت حاصل کی۔ مگر مولانا شبیر علی صاحب نے حضرت کے طبعی رجحان سے فائدہ اٹھایا۔ چونکہ خانقاہ امدادیہ کے تمام انتظامی امور انہی کے سپرد تھے۔ اس لئے انہیں انتظامی امور میں ہر وقت حضرت کی رہنمائی حاصل رہی۔

علاوہ ازیں سب سے زیادہ اور اہم اعزاز انہیں "سفیر اشرف" کا حاصل رہا۔ کیونکہ حضرت تھانوی اکثر انہیں ہی قائد اعظم کی خدمت میں بغرض تبلیغ و ارشاد بھیجا کرتے تھے۔ اور انہوں نے قائد اعظم کو پابند نماز بنانے اور حضرت تھانوی کے قریب لانے میں بڑے تاریخی کارنامے سرانجام دیئے۔ جن کی تفصیل "تعمیر پاکستان اور علماء ربانی" کے تیسرے باب "تدین قائد اعظم" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

پاکستان تشریف لانے کے بعد انہوں نے کچھ عملی کام کرنے کی بڑی کوشش کی۔ مگر انہیں کوئی اپنا ہم خیال رفیق نہ مل سکا۔ انہوں نے اس غرض کے

لئے علماء کرام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی انتھک کوشش کی۔ مگر ارباب غرض اور طالب جاہ حضرات کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے یہ بیل منڈھے نہ چڑھی اور آخر کار وہ مایوس ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔
پاکستان تشریف لانے کے بعد انہوں نے پاکستان آکر مایوس ہونے والوں کے خواب کی تعبیر کی کہ:

"ہندوستان سے پاکستان آنے والے قریباً ہر شخص نے یہی سمجھ لیا تھا کہ وہاں من و سلویٰ اتر رہا ہے۔ جاتے ہی پکی پکائی مل جائے گی۔ اور خوب مزے سے گزرے گی۔ اگر اس کی بجائے وہ یہ خیال کرتے کہ وہاں جا کر صرف اپنے لئے ہی جہد للبقا نہیں کرنی۔ بلکہ ایک نوزائیدہ سلطنت کے استحکام میں بھی معاون ہونا ہے۔ تو انہیں ہرگز مایوس نہ ہونا پڑتا۔"

۸۔ مولانا قاری محمد طیب دیوبندی

نمونہ سلف۔ یادگار قاسم۔ فاضل اجل۔ مخزن علم مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کو شرف بیعت حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے۔ علمی استفادہ آپ نے علامہ جلیل مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری۔ فخر العلماء مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی اور مولانا شبیر سے کیا۔ مگر روحانی دولت اور منصب خلافت حضرت تھانوی سے پایا۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے طالب علم بھی ہیں اور مہتمم بھی۔ اسی چشمہ فیض کے فیض یافتہ بھی ہیں۔ اور فیض رساں بھی۔ عالم و فاضل بھی ہیں۔ اور پیر طریقت بھی۔ علم و عرفان کے دریا بھی ہیں۔ اور تحریر و تقریر کے دھنی بھی۔ نظم و نسق کے ماہر بھی ہیں۔ اور طی الارض کے مشاق بھی۔ کہ اکثر سفر میں رہتے ہیں۔ غیر منقسم ہندوستان کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو۔ جہاں آپ نے پہنچ کر خدا اور

رسول ﷺ کا پیغام نہ سنایا ہو یا جہاں آپ کی تصنیفات و تالیفات نہ پہنچی ہوں۔
 جمیعۃ العلماء ہند کے روح رواں زیادہ تر اکابر دیوبند ہی تھے۔ مگر مشاہیر
 دیوبند سے ہونے کے باوجود آپ سیاسی بدوجز سے کبھی اثر پذیر نہیں ہوئے اور
 نہ اپنے دامن کو موجودہ سیاست کی نجاست سے آلودہ ہونے دیا۔ بلکہ اپنے پیرومرشد
 حضرت تھانوی کے مسلک کے مطابق سیاست کو بذیل دین ہی لانے کو اسلم سمجھا
 ۔ آپ کی شخصیت دین کی اہم ترین ضروریات اور مسلمانوں کے دینی حوالج کے
 لئے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔

مولانا خیر محمد صاحب جالندھری

فر اللہ علیہ۔ خیر مجسم حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری بہت کم مدرسہ
 عربی خیر المدارس ملتان حضرت تھانوی کے محبوب خلفاء میں سے تھے۔ تقریباً ہند
 سے قبل ان کا جالندھری میں رشد و ہدایت اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔
 تقسیم ملک کے بعد آپ نے سرزمین ملتان کو اس چشمہ فیض کے لئے منتخب
 فرمایا۔ جو کسی زمانہ میں علماء و اولیاء کامرکز اور علوم و معارف کا سرچشمہ تھی۔
 بے سروسامانی کے عالم میں ملتان پہنچتے ہی آپ نے بلاتا خیر محض تو کلا علی
 اللہ وہی چشمہ خیر جاری کر دیا۔ جس سے ہزاروں طالبان علم اور تشنگان طریقت
 مستفید و مستفیض ہونے لگے۔ جس سے ارباب بدعات کے حلقوں میں ایک
 سراسیمگی سی پھیل گئی۔ اور باطل کی تمام قوتیں اس خیر مجسم کے مقابلہ میں آ
 گئیں اور اس چشمہ فیض کو بند کرانے کیلئے زور آزمائی کرنے لگیں۔ مگر خیر کے
 مقابلہ میں شرکب کامیاب ہوا تھا۔ جو اس دفعہ ہو جاتا۔

حاسدین و معاندین نے مدرسہ کو نقصان پہنچانے اور اہل مدرسہ کو بدنام
 کرنے کیلئے یہ مشہور کر دیا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب کا تعلق جماعت احرار
 سے ہے۔ جو نظریہ پاکستان کی مخالف تھی۔ اور انہی لوگوں نے مدرسہ کی شکل میں

یہاں اپنا خفیہ اڈہ قائم کر رکھا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے ہم مشرب و
 ہم مسلک ارباب مسلم لیگ کی مدد سے مدرسہ کی عمارت خالی کرانے اور مولانا
 موصوف کو شہر بدر کرانے کی مہم بھی شروع کر دی۔ حالانکہ یہ الزامات قطعاً بے
 بنیاد ہیں۔ مولانا خیر محمد صاحب اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی طرح
 کانگریس کے مخالف اور مسلم لیگ کے حامی تھے۔ ۱۳۶۴ھ میں اراکین مجلس دعوت
 الحق بمبئی کے استفتاء کے جواب میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی
 دیوبند نے کانگریس کی مخالفت اور مسلم لیگ میں شرکت کے متعلق جو تاریخی شرعی
 فتویٰ وقایۃ السنین عن ولایتہ الشریکین نامی رسالہ نومبر ۱۳۵۵ھ میں شائع کیا تھا۔ اور جو
 کانگریس کے لئے ایٹم بم ثابت ہوا تھا۔ اس پر علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد
 عثمانی۔ علامہ سید سلیمان ندوی۔ مولانا جمیل احمد تھانوی۔ مولانا شبیر علی تھانوی
 کے علاوہ مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کی بھی تصدیق ثبت تھی۔ اتفاق سے وہ رسالہ
 ہماری لائبریری میں محفوظ تھا۔ چنانچہ وہی رسالہ ارباب اختیار کو دکھلا کر ان
 کے ڈھول کا پول کھول دیا۔ جس سے ان کی تمام امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ اس کے
 باوجود وہ مدرسہ کو نقصان پہنچانے سے باز نہ آئے۔ مگر بفضلہ تعالیٰ نتیجہ ہمیشہ ان
 کے مخالف ہی رہا۔ جو شرہ ہے مولانا خیر محمد صاحب کی للہیت اور خلوص کا۔
 آپ کے چہرہ کی نورانیت۔ بشرہ کی شگفتگی۔ نظروں کی شفقت۔ لبوں
 کی اسٹ اور اخلاق کی وسعت اشرف جمال کی زندہ تصویر ہے۔ اس پیرانہ سالی
 میں خرابی صحت کے باوجود آپ کو خیر المدارس ایسے وسیع تعلیمی ادارہ کی انتظامی
 مشغولیتیں۔ درس و تدریس کی مصروفیتیں اور طویل تبلیغی سفروں کی صعوبتیں
 برداشت کرتے دیکھ کر ان کے متعلق حضرت تھانوی کے اس ارشاد کی یاد تازہ ہو
 جاتی ہے۔ "انہی تو پھوٹا سا ہے۔ مگر کاریاں بہت سی کھینچے لارہا ہے۔"

۱۰۔ مولانا عبد الماجد دریا بادی

حضرت مولانا دریا بادی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ شروع شروع میں وادی الحاد میں بھٹکتے رہے۔ کفر کی ڈگری حاصل کی۔ ہوش آئی تو "سچ" نگار بن بیٹھے۔ بد توں "خلافت" کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے رہے۔ جب اسے بچانے میں ناکام رہے تو اپنے "بچاؤ" کی فکر ہوئی۔ باطنی اصلاح اور روحانی ترقی کیلئے اپنا ہاتھ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے ہاتھ میں دے دیا۔ ایک ایسے فلسفی کو جو ہر چیز کو اپنی عینک سے دیکھنے کا عادی ہوا ایک جگہ کبھی اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ مولانا دریا بادی نے تعلقات طریقت تو مولانا مدنی سے قائم رکھے مگر عقیدت حضرت تھانوی سے بڑھالی۔ سب کچھ دیکھنے جانچنے تو لے لے اور صحیح و درست پانے کے باوجود کسی نہ کسی وقت آپ نے حضرت سے اختلاف بھی کیا۔ اور عادتاً بے باکانہ کیا۔ لیکن بایں ہمہ حضرت تھانوی نے ان سے جو شفقت اسمیر سلوک کیا اور جس محبت سے پیش آتے رہے۔ وہ صرف مولانا دریا بادی کا ہی حصہ تھا۔ یہ حضرت تھانوی کی ہی توجہات و عنایات کا فیض ہے کہ کفر کا ڈگری یافتہ دربار اشرفیہ سے مفسر قرآن بن کر نکلا۔ اور مفسر بھی ایسا کہ جس نے اپنے قلم حقیقت رقم سے معارف قرآنی کے انمول موتی نہایت سلیس۔ شگفتہ۔ دل کش مگر ادیبانہ انداز میں صفحہ قرطاس پر بکھیر کر رکھ دے۔ جنہیں دیکھ کر ارباب نظر بے ساختہ پکار لٹھے کہ انہوں نے قرآن پاک کی جو تفسیر لکھی ہے اس کی تمام تفسیری ذخیرہ کی موجودگی کے باوجود بھی اشد ضرورت تھی۔

ان کی بے مثل ذہانت۔ بے مثل تحریر۔ بے مثل طنز۔ بے مثل مزاج۔ بے مثل حق گوئی اور خوب گوئی ایسی نہیں کہ کوئی منصف مزاج اس کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل کرے۔ البتہ سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ارباب علم و فضل بھی ہوش کے عالم میں نہیں جوش کے عالم میں ان سے برا فروختہ رہتے ہیں۔ حالانکہ اگر ان امور کو جو ماہہ النزاع ہیں۔ خواہشات و جذبات کی

۲۰۵ سیرت اشرفیہ نمبر ۲ کا پی ۲۰
کسوٹی پر نہیں۔ اصول و دیانت کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور منصف مزاجی سے کام لیا جائے۔ تو کوئی گنجائش اعتراض ہی باقی نہیں رہتی۔

فہرست مجازین

دربار اشرفیہ کی طرف سے مجازین بیعت اور مجازین صحبت کی جو آخری فہرست شائع ہوئی۔ اس کا مفصل ذکر خاتمہ السونخ میں موجود ہے مگر ان میں سے بعض وفات پا گئے ہیں۔ بعض نقل مکانی کر کے دوسرے مقامات پر چلے گئے ہیں۔ اس لئے خاتمہ السونخ میں شائع شدہ فہرست کو سامنے رکھ کر مندرجہ ذیل فہرست مجازین مرتب کی گئی ہے۔ اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

۱۔ خلد آشیاں مجازین

۲۔ فیض رساں مجازین

جو حضرات اس وقت (جون ۱۹۵۵ء میں) چشمہ فیض اشرفیہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور جن کے جدید پتے معلوم ہو سکے ہیں۔ ان کے جدید پتے درج کر دیئے گئے ہیں۔ اور جن کے جدید پتے معلوم نہیں ہو سکے۔ ان کے پرانے پتے ہی رہنے دیئے ہیں۔ جو حضرات ممنوع الاجازت قرار دیئے گئے ہیں۔ وہ اس میں شامل نہیں کئے گئے۔ لہذا اس فہرست میں درج شدہ حضرات کے علاوہ اگر کوئی شخص خود کو حضرت کا مجاز ظاہر کرے تو اس کا دعویٰ غلط تصور کیا جاوے۔

آباد حکیم خلیل احمد صاحب کھالہ پار محلہ پل حمران

- ۱۹- مولوی محمد علی صاحب کافل
- ۲۰- مولوی محمد صاحب چانگام
- ۲۱- مولوی نور حسین صاحب اڈرانہ ضلع جہلم
- ۲۲- مولوی عبید الحق صاحب موہن پور
- ۲۳- حکیم محمد یوسف صاحب بمبور
- ۲۴- مولوی احمد صاحب کانپور
- ۲۵- مولوی عبد الرحمن صاحب بکھرا
- ۲۶- مولوی خلیل الرحمن صاحب اعظم گڑھ
- ۲۷- منشی محمد سلطان صاحب مدراس
- ۲۸- حاجی محمد مصطفیٰ صاحب خورما
- ۲۹- مولوی محمد عیسیٰ صاحب بنارس
- ۳۰- مولوی شاہ لطف رسول صاحب فتح پور
- ۳۱- حافظ محمد عمر صاحب ننٹوری- مقیم علی گڑھ
- ۳۲- شیخ مشوق علی صاحب قنوجی
- ۳۳- مولوی محمد صادق صاحب مالگاؤں- ضلع ناسک
- ۳۴- صوفی رحیم بخش صاحب مقیم دہلی
- ۳۵- مولوی عبدالحی صاحب سہارن پور مقیم حیدر آباد
- ۳۶- خیرات احمد خاں صاحب- سوندھیا ضلع گیا
- ۳۷- مولوی ابوالحسن صاحب جونپور
- ۳۸- حاجی محمد یوسف صاحب رنگون
- ۳۹- مولوی ابوبکر صاحب ارکائی
- ۴۰- سید فیروز شاہ صاحب مندوری ضلع پشاور
- ۴۱- مولوی عبدالمجید صاحب شاہبہمان پور
- ۴۲- مولوی عبد الرحمن صاحب بریلوی- مدرس مدرسہ اشاعت علوم بریلی
- ۴۳- مولانا سید سلیمان ندوی- مؤرخ اسلام- اعظم گڑھ

جلد آشیان مجازین
جون ۱۹۵۵ء تک جو مجازین بیعت عالم بقا میں
حضرت تھانوی کی خدمت میں پہنچ چکے ہیں۔ ان کے
اسماء گرامی یہ ہیں۔

- ۱- مولوی محمد عیسیٰ صاحب می الدین پوری پروفیسر عربی
محلہ محترم گنج۔ اللہ آباد
- ۲- مولوی عبد العظیم صاحب پنڈیرہ ڈاکخانہ بڑا شام بازار۔
ضلع بردوان
- ۳- مولوی حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بمبور۔ محلہ کرم علی۔
میرٹھ شہر
- ۴- مولوی عبدالمجید صاحب پھرڈیوٹی۔ خانیوال
- ۵- خواجہ عزیز الحسن صاحب انسپکٹر مدارس لکھنؤ
- ۶- مولوی محمد اسحاق صاحب مدرس مدرسہ عالیہ ڈھاکہ
- ۷- حاجی شمشاد علی صاحب کلانوری اشرف المطایح۔ تھانہ
بھون
- ۸- محمد عبد اللہ خاں صاحب بیرون لمالی دروازہ۔ ریاست
بھوپال
- ۹- مولوی رفیع الدین صاحب محلہ سبزی منڈی متصل
مسجد سوداگر۔ اللہ آباد
- ۱۰- منشی حیدر خاں صاحب پنشنر محلہ مولوی گنج۔ لکھنؤ
شہر
- ۱۱- مولوی ولی احمد صاحب۔ قصبہ برہانپور۔ ضلع کیمپور
- ۱۲- حکیم کرم حسین صاحب سیتاپور۔ اودھ
- ۱۳- محمد عثمان خاں صاحب تاجر کتب متصل جامع مسجد
دہلی
- ۱۴- مولوی مرتضیٰ حسن صاحب چاند پور ضلع بمبور
- ۱۵- حکیم عبدالحق صاحب ساکن، ٹانڈہ جوک فید ابر کسہ
- ۱۶- ماسٹر ٹامن علی صاحب سندیلوی گورنمنٹ ہائی سکول
کانپور
- ۱۷- مولوی عبدالودود صاحب اخوندزادہ۔ دوہیاں۔
پوسٹ کالو خان پشاور
- ۱۸- حافظ ولی محمد صاحب محلہ کاغذیاں۔ قنوج۔ ضلع فرخ

(ب) اسماء گرامی مجازین صحبت جو ملا علی میں پہنچ کر اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو چکے ہیں۔

- ۱- حافظ علی نظر بیگ صاحب مغل پورہ کھنہ مراد آباد
- ۲- مولوی عبد الرحمن صاحب وکیل پٹنہ
- ۳- مولوی محمود الحق صاحب وکیل بردوانی
- ۴- مولوی انوار الحسن صاحب آنریری مجسٹریٹ کاکوری ضلع لکھنؤ
- ۵- ماسٹر مظہر احمد صاحب محلہ فتح گڑھ بھوپال
- ۶- حافظ زاہد حسن صاحب امرہوی۔ کوہ رانی کھیت
- ۷- مولوی محمد طاہر صاحب دارالعلوم دیوبند
- ۸- مولوی ابوالفداء نور محمد صاحب صدر مدرس دینیات حیدر آباد دکن
- ۹- حاجی داؤد ہاشم صاحب پارک لین۔ رنگون
- ۱۰- منشی عبدالمجید صاحب تحصیلدار پنشنر۔ مقبول گنج لکھنؤ
- ۱۱- حکیم فیاض علی صاحب مقیم نصر اللہ گنج۔ گورنمنٹ بھوپال
- ۱۲- قاضی محمد مصطفیٰ صاحب پنشنر ڈپٹی کلکٹر بھدوٹی اسٹیٹ بنارس
- ۱۳- میر امام الدین صاحب محاسب صدارت عالیہ حیدر آباد دکن
- ۱۴- مولوی عبدالمجید صاحب مدرس مدرسہ ناصر العلوم۔ گھوسی ضلع اعظم گڑھ
- ۱۵- مولوی عبد الکریم صاحب گم تھلوی مدرسہ حقانیہ شاہ آباد کرنال
- ۱۶- مولوی سید حسن صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند
- ۱۷- مولوی عبد الغنی صاحب رسولی۔ ضلع بارہ بنکی

فیض رسال مجازین

ج۔ اسماء گرامی خلفاء مجازین بیعت جو چشمہ فیض اشرفیہ جاری
رکھے ہوئے ہیں۔

- ۱- مولوی عبد الغنی صاحب مہتمم مدرسہ روضۃ العلوم پھولپور۔ ضلع اعظم گڑھ
- ۲- حاجی شیر محمد صاحب گھوٹکی۔ ضلع سکھر (مہاجر مدینہ طیبہ)

- ۳- مولوی افضل علی صاحب تلوارٹھ۔ ڈاک خانہ کھپلا صناع بارہ بنگی
- ۴- مولوی حبیب اللہ صاحب سکھر
- ۵- مولوی واحد بخش صاحب مدرس اول مدرسہ عربیہ احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور
- ۶- سید فخر الدین شاہ صاحب گھومٹی۔ صناع سکھر (سندھ)
- ۷- مولوی صغیر محمد صاحب وزیرستان شمالی مقام ہرمز ڈاک خانہ عیدک صناع ڈور۔
- ۸- مولوی صغیر محمد صاحب مدرسہ عزیز یہ مغٹولی شہر سکھر بمال
- ۹- مولوی اطہر علی صاحب شیدی مسجد کشور گنج صناع میمن
- ۱۰- مولوی عبد الوہاب صاحب ڈاک خانہ ہارٹ ہزاری صناع روح اللہ پور صناع چانگام
- ۱۱- ابوالبرکات صاحب مسجد محلہ نالہ صناع سلطان پور (عوام کے لئے)
- ۱۲- مولوی نذیر احمد صاحب فاروق منڈی صناع سرگودھا۔
- ۱۳- مولوی عبد السلام صاحب موضع زیارت کا کا صاحب مسجد کلل۔ تحصیل نوشہرہ صناع پشاور
- ۱۴- مولوی محمد موسیٰ صاحب مدرس حرم نبوی باب النساء مدینہ منورہ (مہاجر مدنی)
- ۱۵- مولوی محمد سعید صاحب مقام کیر نور۔ تعلقہ پلنی صناع مدھرا۔ مدراس
- ۱۶- مولوی نذیر احمد صاحب متوطن کیرانہ صناع مظفر نگر حال خان جہان پور۔ صناع کیرانہ
- ۱۷- مولوی مقصود اللہ صاحب مدرسہ امدادیہ خانقاہ اشرفیہ موضع تلگاسیہ ڈاک خانہ اور ابونیہ صناع بریسال۔
- ۱۸- مولوی وصی اللہ صاحب ندو اسرانی موضع قتمپور تال نرجا صناع اعظم گڑھ۔

- ۱۹- مولوی محمد حسن صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد۔ لاہور
- ۲۰- مولوی سراج احمد خاں صاحب امروہی محلہ چلہ امروہہ صناع مراد آباد۔
- ۲۱- مولوی ممتاز احمد صاحب ڈاک خانہ ہارچٹی موضع سوندھیا۔ گیا
- ۲۲- مولوی خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ خیر المدارس۔ بیرون دہلی دروازہ ملتان شہر
- ۲۳- مولوی عبد البہار صاحب ہارون آباد ریاست بہاولپور
- ۲۴- مولوی عبد الرحمن صاحب کالمپوری بہبودی ڈاک خانہ ملک والا صناع کیمبلپور
- ۲۵- مولوی محمد طیب صاحب مہتمم مدرسہ دارالعلوم دیوبند صناع سہارنپور
- ۲۶- مولوی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان۔ مہتمم دارالعلوم نانک دارہ کراچی
- ۲۷- مولوی محمد بنیہ صاحب ٹانڈہ بادی صناع مراد آباد
- ۲۸- مولوی محمد صابر صاحب محلہ گھیر مناف امروہہ صناع مراد آباد
- ۲۹- نواب احمد علی خاں صاحب محلہ قلعہ نواباں۔ سہارنپور
- ۳۰- مولوی عبد الرحمن صاحب مٹواٹھ صناع اللہ آباد
- ۳۱- ماسٹر قبول احمد صاحب اسٹنٹ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول سیٹا پور
- ۳۲- مولوی جلیل احمد صاب علی گڑھی مدرسہ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور
- ۳۳- شہاب الدین صاحب خیاط کٹھور۔ صناع میرٹھ
- ۳۴- مولوی مسیح اللہ خاں صاحب مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد۔ صناع مظفر نگر
- ۳۵- حافظ عنایت علی صاحب امام مسجد باجڑاں لدھیانہ (العوام)
- ۳۶- مولوی نور بخش صاحب نو اکھالی مدرسہ صوفیہ پوست بصیر دارہانٹ صناع چانگام
- ۳۷- مولوی ولی محمد صاحب گورداسپوری مدرسہ آتار ابولی صدر راولپنڈی

- ۱۔ فہرست مجازین صحبت جو اشاعت طریق میں سرگرم عمل ہیں
- ۲۔ سعید احمد خاں صاحب بوہرہ ڈاکخانہ بلرام ضلع ایٹہ
- ۳۔ شیخ محمد حسن صاحب انور بک ڈپو بندر روڈ کراچی
- ۴۔ منشی عبد الولی صاحب نائب ناظم ریاست کپور تھلہ معرفت کتب خانہ امداد الغریاء سہارنپور
- ۵۔ شیخ عبد الکریم صاحب پنشنر سیشن جج جونا گڑھ
- ۶۔ محمد جلیل صاحب پنشنر جج اعظم گڑھ
- ۷۔ منشی علی شاہ صاحب قانوں گلو۔ گولا ضلع کھیری کلیم پور
- ۸۔ محمد نجم احسن صاحب۔ وکیل۔ پرتاپ گڑھ
- ۹۔ مولوی منفعت علی صاحب وکیل ۵۱۲۲ ڈی لیٹی روڈ۔ صدر کراچی
- ۱۰۔ منشی علی سجاد صاحب پنشنر ڈپٹی کلکٹر تھانہ بھون ضلع مظفر نگر
- ۱۱۔ حافظ محمد طہ صاحب کورٹ انسپکٹر گورکھپور
- ۱۲۔ خواجہ محمد صادق صاحب امرتسری (لاہور)
- ۱۳۔ منشی عبد الصبور صاحب نائب منشی حصہ اول ڈویژن دفتر سارودہ شاہ جہانپور
- ۱۴۔ منشی احمد صاحب۔ مدرسہ سعیدیہ قاضی پور خورد۔ گورکھپور
- ۱۵۔ حافظ لقا اللہ صاحب پانی پتی
- ۱۶۔ مولوی ظہور اللہ صاحب ناظم کتب خانہ امداد الغریاء سہارنپور
- ۱۷۔ مولوی اشفاق الرحمن صاحب مدرسہ ٹنڈوالہ یار۔ ضلع حیدر آباد سندھ
- ۱۸۔ مولوی سلطان محمود صاحب مدرس اول قحپوری۔ دہلی
- ۱۹۔ حافظ محمد اسماعیل صاحب ولد حاجی جیون بخش۔ محلہ بلی ماراں۔ حویلی حسام الدین حیدر دہلی۔

- ۳۸۔ مولوی اسعد اللہ صاحب رامپوری مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور
- ۳۹۔ مولوی حکیم الہی بخش صاحب اعوان محلہ ہزاری دروازہ شہر شکار پور ضلع سکھ۔ سندھ
- ۴۰۔ ماسٹر محمد شریف صاحب انگلش ٹیچر مکان نمبر ۷۰۹ نوال شہر۔ ملتان
- ۴۱۔ ماسٹر شیر محمد صاحب کبیر والہ ضلع ملتان
- ۴۲۔ مولوی کفایت اللہ صاحب مدرس مدرسہ سعیدیہ مہمند ہدف۔ شاہ جہانپور
- ۴۳۔ مولوی حامد حسن صاحب امروہی مدرس مدرسہ عربی جامع مسجد تھانہ بھون
- ۴۴۔ حکیم فضل اللہ صاحب شکار پور سندھ
- ۴۵۔ بابو عبد العزیز صاحب رٹائرڈ شید کلرک متصل مسجد ملک لال خاں گوجرانوالہ
- ۴۶۔ مولوی رسول خاں صاحب مدرس اور نٹیل کلج لاہور۔ مستوطن ہزارہ تحصیل مانسہرہ ڈاک خانہ شکاری مقام اچھرٹیاں
- ۴۷۔ مولوی محمد اللہ صاحب نواکھالی۔ مدرس مدرسہ اشرف العلوم بڑا کڑہ۔ ڈھاکہ
- ۴۸۔ حکیم مولوی عبد الحق خاں صاحب ساکن کورٹ ضلع فتح پور ہسودہ
- ۴۹۔ محمود الغنی صاحب سہارنپوری کراچی
- ۵۰۔ ڈاکٹر عبد الحمی صاحب ہومیوپیتھ۔ پرنس روڈ۔ مقابل آگرہ ہوٹل۔ کراچی
- ۵۱۔ مولوی عبد الباری صاحب ندوی شہستان قدم رسول۔ ہارڈنگ روڈ لکھنؤ
- ۵۲۔ مولوی ابرار الحق صاحب مدرسہ اسلامیہ ہردوئی
- ۵۳۔ مولوی فقیر محمد صاحب معرفت حاجی محمد شریف صاحب صحاف۔

- منشی محمد یعقوب صاحب کلا نوری انگلش کلرک سر رشته تعلیم رہتک
-۱۹- مولوی عبدالصمد صاحب بنارس مدرس کرنیل گنج - کانپور
-۲۰- مولوی حمید حسن صاحب دیوبندی - مفتی ریاست مالیر کوٹلہ
-۲۱- مولوی ریاض الحسن صاحب پوسٹ بکس نمبر ۷۰۳ مکہ مکرمہ
-۲۲- حکیم محمد سعید صاحب گنگوہی - سرانے پیر زادگان - محلہ چوک گنگوہ -
-۲۳- ضلع سہارنپور
عبدالغفور صاحب ٹھیکیدار اشرف منزل، ہالی روڈ - جودھپور
-۲۴- مولوی محمد داؤد یوسف محلہ تائی دارہ - راندیر ضلع سورت
-۲۵- مولوی محمد میاں صاحب نبیرہ مولانا محمد حسین صاحب
-۲۶- دارہ شاہ حجتہ اللہ، اللہ آباد
مولوی محمد یوسف صاحب بنوری کراچی
-۲۷- علی ساجد صاحب ڈاکٹر ہاشمی ہومیوپیتھک - مولوی گنج لکھنؤ
-۲۸- مولوی سعید احمد صاحب لکھنؤی صدر مدرس مدرسہ تکمیل العلوم
-۲۹- احاطہ کمال خان کانپور
-۳۰- سید مولوی عبدالکریم صاب لکھنؤی طوطہ کان ڈاک خانہ بٹ خیلہ
مالاکنڈہ بجنسی براستہ مردان - صوبہ سرحد
-۳۱- شیخ عبدالغفار صاحب رئیس گھوسی - ضلع اعظم گڑھ
-۳۲- مولوی محمد نعیم صاحب بخاری ضلع بدخشاں - قصبہ ترگنی - ملک کابل
-۳۳- مولوی سخاوت حسین صاحب مقام گوبائی پور - ڈاک خانہ سونگڈہ -
ضلع کٹک صوبہ اڑیسہ
-۳۴- منشی عرفان احمد صاحب کلرک ڈاک خانہ تارگھر - سہارنپور
-۳۵- عزیزالرحمن صاحب نبیرہ مولوی عبدالاحد صاحب مرحوم خلیق منزل
گلی چورٹی دالان دہلی -
-۳۶- شفیق احمد صاحب گنگوہی مدرس مدرسہ سلیمانہ - ہوا محل بھوپال -

- شاہ محمد صاحب طوطہ کان - ڈاک خانہ بٹ خیل - مالاکنڈہ بجنسی -
-۳۷- ضلع مردان
خواجہ وحید اللہ صاحب پبشر تارگھر - سرکاری گڈھ باران ریاست
-۳۸- کوٹہ - راجپوتانہ
-۳۹- سید حسن صاحب ڈپٹی کلکٹر سید واڑہ نگر ام - ضلع لکھنؤ
-۴۰- مولوی مسعود علی صاحب شبلی منزل - اعظم گڑھ
-۴۱- مولوی حکیم عبدالرشید محمود صاحب انصاری - گنگوہ - ضلع سہارنپور
-۴۲- مولوی حکیم محمد مسعود صاحب گنگوہی معروف بہ حکیم اجمیری -
محلہ کھرک، بمبئی
-۴۳- ماسٹر منظور احمد صاحب تحصیلی اسکول رڑکی - ضلع سہارنپور
-۴۴- حکیم بہاؤ الدین صاحب ہردوئی محلہ بورڈنگ ہاؤس سہارنپور
-۴۵- ظفر احمد صاحب تھانوی ۵۲/۵۱ ہارون مینشن ہربنس روڈ - کراچی
-۴۶- انوار احمد صاحب وکیل - ڈاک خانہ قدم کنواں - پٹنہ
-۴۷- شفیع محمد صاحب قریشی پروفیسر گورنمنٹ کالج - حیدر آباد سندھ
-۴۸- شاہ محمد حکیم صاحب - فیض اللہ پور - ڈاک خانہ محمد پور -
ضلع اعظم گڑھ

تصنیفات و خطبات

امداد الہی

حضرت تھانوی کے تصنیفی کام پر "علم و ادب" کے باب میں بخوبی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اب ان کی تصنیفات و تالیفات اور خطبات و ملفوظات کی تفصیل پیش خدمت کی جاتی ہے۔ جو بظاہر ایک انسان کا نہیں بلکہ ایک بہت بڑے ادارہ یا اکیڈمی کا کام نظر آتا ہے۔ اور جس کی طویل فہرست آپ کے لئے موجب حیرت ہوگی۔ جیسا کہ خود صاحب سیرت کے لئے موجب حیرت ثابت ہوئی۔ ایک مرتبہ ایک خادم نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کا اتنی عمر میں اتنی کتابیں تصنیف کرنا تعجب معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا:

"تالیف و تصنیف کے بعد اب میں بھی تعجب کرتا ہوں کہ مجھ سے اتنا کام کیسے ہو گیا اور تعجب کی ایک بات اور ہے کہ بعض اوقات بعض مضامین میرے لکھے ہوئے میری ہی سمجھ میں نہیں آتے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ ہے کہ ایک جنگ میں ایک کافر پہلوان نے آکر لکارا کہ کہاں ہیں ابو عبیدہ؟ میرے مقابلہ میں آویں! آپ نے جانے کا قصد کیا۔ تو لوگوں نے کہا کہ ہم حاضر ہیں۔ آپ اس دیو کے مقابلہ کو کیوں جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے مجھ کو غیرت آتی ہے۔ کیونکہ اس نے میرا ہی نام پکارا ہے۔ چنانچہ تشریف لے گئے۔ مقابلہ ہوا۔ دونوں جانب سے وار ہوئے۔ دفعتاً دیکھا کہ اس کا سر کٹا ہوا علیحدہ پڑا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ فرمانے لگے کہ حیرت ہے کہ یہ کیسے ہوا

عقل کام نہیں کرتی۔ اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَمَا رَمَيْتْ إِذْ رَمَيْتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ

کہ یہ تو سب اللہ تعالیٰ کی امداد ہے۔ بجز اس کی عنایت کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور ایک صاحب نے حضرت کی تالیفات کی کثرت کی مدح و تعریف کی تو فرمایا کہ:

"جو کچھ کام ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی امداد و توفیق سے ہوا ہے جس سے چاہا اپنا کام لے لیا اس میں بندے کی کیا تعریف ہے۔ اس کی مثال تو ایسی ہے۔ جیسے کسی منشی نے ایک بچے کے ہاتھ میں قلم دے کر اور اپنے ہاتھ میں اس کا ہاتھ لے کر خوشخط لکھ دیا۔ اب بچہ خوش ہو رہا ہے کہ میں نے لکھا ہے۔ حالانکہ وہ منشی جی نے لکھا ہے۔"

(تالیفات اشرفیہ ص ۶)

اسباب کثرت تالیفات

کثرت تالیفات کی دوسری وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی کہ:

"میرے مزاج میں حرارت ہے۔ اس حرارت ہی کی وجہ سے اتنی حدت بھی ہے اگر دوسرے کا مزاج اتنا گرم ہو۔ تو وہ اتنا ضبط نہ کر سکے میں بہت ضبط کرتا ہوں اور کسی حرارت مزاج کا یہ بھی اثر ہے کہ اتنے تھوڑے سے زمانہ میں محمد اللہ اتنی تصانیف ہو گئیں۔ ٹھنڈے مزاج والے سے اتنی تصانیف تھوڑا ہی ہو سکتی ہیں۔"

مزید فرمایا:

"اس میں حضرت حاجی صاحب کی دعا کا بھی اثر ہے۔ مکہ معظمہ میں حضرت مرشد علیہ الرحمۃ کے حکم سے "تنویر" کا ترجمہ لکھا کرتا تھا۔ اور حضرت کو سنا بھی دیتا تھا۔ ایک بار حسب معمول سنایا تو حضرت نے فوراً دریافت فرمایا کہ کتنی دیر

میں لکھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اتنے وقت میں فرمایا۔ اتنے سے وقت میں تو کوئی بھی اتنا مضمون نہیں لکھ سکتا۔ اور بہت دعائیں دیں۔ میں نے ابھی (۱۲ ستمبر ۱۹۳۰ء تک کی) اپنی تصانیف کا شمار کیا۔ تو پانچ سو انتیس ہوئی ہیں۔ انکو اس طرح شمار نہیں کیا کہ مثلاً تفسیر کی بارہ جلدیں ہیں۔ تو بارہ ہی شمار کر لی گئی ہوں بلکہ اس کو ایک ہی شمار کر لیا گیا ہے۔ ایک کتاب اور لکھ رہا ہوں۔ انشاء اللہ ۵۳ء ہو جائیں گی۔

جدول مضامین

۱۲ ستمبر ۱۹۳۰ء کے بعد کی تصنیفات و تالیفات اور خطبات (القول الجلیل) ملفوظات اور کتب الفنا کل کی تعداد ۹ سو سے زائد ہو جاتی ہے۔ انہی کتب کے مضامین کا یاد رکھنا کہ کون سا مضمون کس کتاب میں ہے بڑا مشکل تھا۔ اور فوری حوالہ دینے کی جب ضرورت ہوتی۔ تو تلاش میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس مشکل کے حل کی آپ نے ایک عجیب ترکیب نکالی۔ جس کی تفصیل آپ کے اس بیان میں ملتی ہے۔ فرمایا کہ:

"میرا حافظہ ضعیف ہے۔ اپنا بعض ضروری مضمون تلاش کرتا ہوں کہ کس جگہ اور کس کتاب میں ہے۔ تو نہیں ملتا۔ اس لئے میں نے سب کتابوں کو دیکھ کر بطور یادداشت کے ایک جدول جدید مضامین کی ہے۔ اس کا نام "غرائب الرغائب" ہے۔ یہ مطبوع بھی ہے اور دوسری جدول جو قدیم مضامین کی ہے۔ اس کا نام

"الكلم الدالۃ علی الحكم الضالہ"

ہے۔ اگر انہیں مضامین کو ایک جگہ جمع کرتا۔ تو محنت ہوتی اور خرچ بھی پڑتا۔ اب کورڈیوں میں کام نکل گیا۔ بلکہ کورڈی بھی صرف نہیں ہوئی۔"

اہمیت و افادیت

تصنیف و تالیف کوئی آسان کام نہیں ہے اور امور دین و اسلام کے متعلق کتب لکھنا تو اور بھی مشکل کام ہے کیونکہ اس سلسلہ میں خفیف سی لغزش کوتاہی اور تسلیح کے نتائج بہت ہی مضرت رساں نکلتے ہیں۔

کسی کتاب کی تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں مصنف یا مولف کو جن جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کا قارئین کرام کو قطعاً اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اتنی کثیر کتب کے مصنف کو کن حالات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ اس کا اندازہ صرف "حیات المسلمین" کی تفصیل سے لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ:

"یہ کتاب ان اعمال کی فہرست ہے کہ جن سے یقینی طور پر دنیا کی بھی فلاح حاصل ہوگی اور دین کی بھی۔ میں نے اس کو بہت سوچ سوچ کر لکھا ہے۔ اس کے لکھنے میں مجھ کو تعب ہوا ہے میں اول اس کے مضامین لکھتا تھا۔ پھر انکو سہل کرتا تھا۔ اسکے بعد دیکھتا تھا۔ اگر کم سہل ہوئے تو پھر دوبارہ سہل کرتا تھا۔ اور ہر ماہ میں اسکے دو ورق لکھا کرتا تھا۔ اور وہ دو ورق بھی بعض مرتبہ کئی کئی بار کے مسودے میں لکھے جاتے تھے۔ لوگ اس کو اردو میں دیکھ کر بے وقعت سمجھتے ہیں۔ اس کی قدر ان علماء کو ہو سکتی ہے جو حدیث شریف پڑھاتے ہیں۔ وہ دیکھیں گے کہ کون سا اشکال کہاں پر کس درجہ سے لفظ سے حل ہو گیا ہے۔"

گو حضرت کی کتابیں بے شمار ہیں۔ اور ہر موضوع پر ہیں مگر اگر انسان خلوص کے ساتھ کسی ایک کتاب پر بھی عمل کر لے۔ تو دینی اور دنیوی صلح و فلاح یقینی ہے۔ چنانچہ حضرت فرماتے تھے کہ:

"اگر مناسبت ہو جائے تو انہیں کتابوں کو لے کر بیٹھ جاوے۔ عمر بھر کے لئے رہبری کے واسطے کافی ہیں۔ مثلاً قصدا السبیل "تعلیم الدین"۔ تربیت السالک "وغیرہ"۔ (ملفوظ مورخہ ۲۸ شوال ۱۳۴۴ھ)

"میں نے اپنی تالیف پر کسی سے تقریظ لکھوانے کی کوشش نہیں کی۔ تحریر موجود ہے۔ دیکھ لو۔ تقریظ کی کیا ضرورت ہے۔"

موضوع تصنیف

حضرت تھانوی نے مختلف موضوعات پر حسب ذیل کتابیں لکھیں:

علم القرآن

- ۱۔ ترجمہ قرآن - ۲۔ تفسیر بیان القرآن در ۱۲ جلد - ۳۔ جمال القرآن - ۴۔ تجوید القرآن - ۵۔ آداب القرآن - ۶۔ یادگار حق القرآن - ۷۔ متشابہات القرآن - ۸۔ ظہور القرآن - ۹۔ اصلاح ترجمہ دہلویہ - ۱۰۔ اصلاح ترجمہ حیرت - ۱۱۔ التواجدات متعلق بالتشابه - ۱۲۔ رفع الخلاف فی حکم الاوقاف - ۱۳۔ سبق الغایات فی نسق المایات - ۱۴۔ تصویر القطعات لیسیر بعض العبادات - ۱۵۔ وجہ الثانی (عربی) - ۱۶۔ زیادات علی کتب الروایات - ۱۷۔ ذنابات لما فی الزیادات - ۱۸۔ تنشیط الطبع فی اجراء العمل - ۱۹۔ تقریر بعض النبات - ۲۰۔ رفع البناء فی نفع السماء - ۲۱۔ احسن الاثاث فی النظر الثانی - ۲۲۔ التفسیر فی التفسیر - ۲۳۔ الہامی للہیران فی دادی تفصیل البیان - ۲۴۔ التفسیر فی تحدید العرش - ۲۵۔ تبصیر الزجاج -

علم الحديث

- ۱۔ جامع الآثار - ۲۔ تابع الآثار - ۳۔ حفظ اربعین - ۴۔ المسک الزکی - ۵۔ الثواب الحلی - ۶۔ اطفاء الفتن - ۷۔ مؤخرۃ الظنون - ۸۔ الادراک والتواصل الی حقیقۃ الاشتراک والتوسل -

اسی طرح "حیات المسلمین" کے متعلق فرمایا کہ:
"مجھ کو اپنی کسی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں ہے کہ یہ میرا سرمایہ نجات ہے۔ البتہ حیات المسلمین" کے متعلق میرا غالب خیال قلب پر ہے کہ اس سے میری نجات ہو جائے گی۔ اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں۔"

(تالیف اشرفیہ ص ۴)

مواعظ کے متعلق فرمایا کہ:
"لوگ مواعظ نہیں دیکھتے۔ حالانکہ ان میں سب کچھ ہے۔ گو وہ چھپے ہوئے ہیں مگر چھپے ہوئے ہیں۔ ان میں وہی باتیں ہیں۔ جو علماء و صلحاء کی کتابوں میں ہیں کوئی جدید بات نہیں ہے صرف زمانہ کا لحاظ ہے۔ جو شیخ الرئیس کے لئے ہے وہ بعینہ حکیم محمود خاں صاحب کے زمانہ میں کام نہیں آتے۔ وہاں قدح بھر دو انہیں ہوتی تھیں۔ یہاں مختصر سے کام لیا جانے لگا"

(ملفوظ مورخہ ۶ ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ)

تردید و تنقید

حضرت کی تحریروں میں دوسرے فرقوں کا براہ راست رد نہ ملے گا۔ جیسا کہ آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ:
"میں نے قصداً کسی کا رد نہیں لکھا۔ نہ اہل تشیع - نہ قادیانی - نہ غیر مقلدین - نہ اہل بدعت کا۔ البتہ جس کسی نے کسی کے متعلق سوال کیا۔ اس کا جواب لکھ دیا۔ اور مجھ کو یاد نہیں رہتا کہ کس کے متعلق کیا لکھا ہے۔"

(ملفوظ مورخہ ۲۲ صفر ۱۳۵۲ھ)

آپ نے اپنی کسی کتاب پر تقریظ نہیں لکھوائی۔ کیونکہ آپ فرماتے تھے

عقائد
 ١- اكسير في اثبات التقدير - ٢- فروع الايمان - ٣- حفظ الايمان - ٤- برط
 البنان - ٥- تغيير العنوان في بعض عبارات حفظ الايمان - ٦- احكام التجلي - ٧- ظهور
 الغيب - ٨- طلوع البدر في سطوح القدر - ٩- شق الجيب في حق الغيب -
 ١٠- نموذج بعض معتقدات ابن العوج - ١١- نافع الاشارة الى منافع الاستخاره - ١٢- جزاء
 الاعمال - ١٣- احكام الايقان -

عبادات

١- القول البدع - ٢- زكوة الفرض - ٣- سراج الزيت - ٤- الساعات
 للطاعات - ٥- تعليم الدين - ٦- حيات المسلمين - ٧- باب الريان - ٨- بيت
 الديان - ٩- عيش الحيان - ١٠- الخطب الماثورة - ١١- خطبات الاحكام - ١٢- كلمة
 القوم في حكمة الصوم -

تصوف

١- دخول و خروج بر نزول و عروج - ٢- قصد السبيل - ٣- تعليم الطالب -
 ٤- رفع الشكوك - ٥- مسائل السلوك - ٦- التشرف بمعرفة احاديث التصوف - ٧- چهار
 حصص - ٨- تكميل التصوف - ٩- ملخص الانوار والتجلي - ١٠- مسائل مثنوى -
 ١١- حقيقت الطريقة - ١٢- انكثت الحقيقة - ١٣- انكثف عن مهمات التصوف -
 ١٤- تأييد الحقيقة - ١٥- انوار الوجود في اطوار الشهود (عربي) - ١٦- التجلي العظيم في احسن
 لقويم - ١٧- حق سماع - ١٨- كليد مثنوى (٨ جلد) - ١٩- عرفان حافظ - ٢٠- معارف
 العوارف و دوحه - ٢١- مغارف المعارف - ٢٢- الابتلاء لاهل الاصطفاء - ٢٣- تربيت

السالك - ٢٤- الجلاء والشوف في الرضا و النوف - ٢٥- ارضى الاقوال -
 ٢٦- انوار النظر في آثار الظفر - ٢٧- السيم في السم - ٢٨- الظم في السم - ٢٩- رفع
 الضيق عن اهل الطريق - ٣٠- البصائر في الدوائر - ٣١- الرفيق في - ٣٢- الطريق دو
 حصص - ٣٣- شمس الفضائل لشمس الرذائل - ٣٤- لامع علامات الاولياء - ٣٥-
 التمرريض على صلح التعريض - ٣٦- الارشاد الى مسئلة الاستعداد - ٣٧- شجرة المراد -
 ٣٨- المصمصة في حكم الوسوسة - ٣٩- الاعتدال في متابعتة الرجال - ٤٠- القول
 الفصل في البعض آثار الوصل - ٤١- تمييز العشق من الفسق - ٤٢- مثنوى زيرو بم -
 ٤٣- رونما لى مثنوى - ٤٤- حسن العلل لسوء الرزاج - ٤٥- اصلح الرزاج

منطق

١- تلخيص الرقات - ٢- تلخيص الشريفيه - ٣- تسهيل المعاني - ٤- تلخيص
 المنار - ٥- المدار - ٦- درايته العصمة - ٧- تلخيص هدايته الحكمه - ٨- تلخيص البدايه -
 ٩- تذييل شرح عقائد - ١٠- عشره طروس (يه سب عربي ميں ہیں) - ١١-
 تيسير المنطق -

علم الكلام

١- اقامة الطامه على زعم ان الله لا يتكلم - ٢- الانتبآت المفيدة - ٣- تعليم الدين مع تكميل
 اليقين - ٤- المصلح العقلي ٣ جلد - ٥- الخطاب المليح في تحقيق الهدى والسيح -
 ٦- قائد قاديان - ٧- القول الفاضل - ٨- القطر المشيد للعصر الجديد - ٩- التنبيه الطرني
 في تنزيه ابن العربي - ١٠- ارسال المبود الى ارسال الهندو - ١١- تقطيف الشرات في
 تحفيف السطرات - ١٢- الفتوح فيما - تعلق بالروح - ١٣- الحق - ١٤- تقديس القدسي
 عن تدقيس اللهبسي - ١٥- نهايت الادواك في اقسام الاشراك - ١٦- عمارة العالم بامارة

۱۷- بلوغ الفاتیہ فی تحقیق خاتم الولادتہ - ۱۸- حفظ الحدود لمحقق الحدود -
 اللدم - ۱۹- ضمیمہ فی البعیم - ۲۰- رفع الزحمت من وسع الرحمۃ - ۲۱- الکلمۃ التامہ فی النبوة
 العامہ - ۲۲- تدویر الفلک فی تطہیر الملک - ۲۳- القول الانفع فی تحقیق امکان
 الابدع - ۲۴- نعم العون فی تحقیق توبہ فرعون (۱۶) ۲۴ تک سب عربی میں
 ہیں) ۲۵- التادیب لمن لیس له فی العلم والادب نصیب

اصلاحیات

۱- تصحیح العلم فی تصحیح الفلم - ۲- تحقیق تعلیم انگریزی - ۳- تحقیق الفرید فی
 حکم آلہ تقریب الصوت البعید (لاؤڈ سپیکر) - ۴- تفصیل الکلام فی حکم تطہیل الاقدام -
 ۵- اصلاح المعنوی فی تعریف الحرام والمکروہ - ۶- اصلاح الرسوم - ۷- اصلاح الخیال -
 ۸- اصلاح انقلاب دو حصہ - ۹- آداب المعاشرت - ۱۰- آداب الاخبار - ۱۰- اخبار
 بینی - ۱۲- افکار دینی - ۱۳- فیصلہ ہفت مسئلہ - ۱۴- نصیحت نامہ بجواب وصیت
 نامہ - ۱۵- علاج الخیال سجادہ نشینی - ۱۶- شذرات الحکم - ۱۷- المواہب - ۱۸- اغلاط
 العوام - ۱۹- تسہیل الطريق -

سیاسیات

۱- الروضۃ المناظرہ - ۲- حکایات الشکایات - ۳- الصحف المنشورہ فی فضائل
 المائۃ انگورہ - ۴- معاملۃ المسلمین - ۵- صیانتہ المسلمین - ۶- ضم شاروالا بل فی زرم
 شاروالا بل - ۷- المحفوظ الکبیر للمحافظ الصغیر - ۸- احقر کے مسلک کی شرح - ۹-
 احکام ابتلاف - ۱۰- قند دیوبند - ۱۱- تلخیص العرائک فی تسبیح اسٹرائک
 (ہر مائل) - ۱۲- الشکر والدعا لنصر یوم اللقاء -

معاملات

۱- صفائی معاملات - ۲- الحق الصراح فی تحقیق اجرت النکاح - ۳- التوزیع
 عن فساد التوزیع (چندہ) - ۴- رافع الفتنک عن منافع البنک (سود بنک) - ۵- کشف
 الغشوة عن وجه الرشوة (رشوت) - ۶- تحذیر الاخوان عن الربوا (سود) - ۷- جلائل الانبار -
 ۸- آداب المعاشرت - ۹- رواتب الواحد فی طلاق ذات التعدد - ۱۰- الخطوب المذہبیہ
 للقلوب المنیہ - ۱۱- تحقیق التشبہ باہل السفاح لمن لا یرید اداء المہر فی النکاح - ۱۲-
 تعدیل اہل الدہر فی درجۃ تقابل المہر - ۱۳- الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد -

تذکار

۱- نشر الطیب فی ذکر النبی ﷺ الحبیب (یہ اب حبیب خدا کے نام سے
 شائع ہوئی ہے) - ۲- شمع الطیب - ۳- یادیاراں (ذکر محمود) - ۵- خوان خلیل
 ۶- الترتیب اللطیف فی قصۃ الکلیم والحنیف - ۷- سیدنا یوسف - ۸- تعلیم الطالب
 شمع طیبہ چشتیہ عالیہ - ۹- السنۃ الجلیلہ فی الپشتیہ العلمیہ - ۱۰- یادگار دربار پر انوار حضرت
 خواجہ اجیری - ۱۱- حکایات موعظت - ۱۲- انوار الحسنین - ۱۳- احسن التظیم لمقولہ
 سیدنا ابراہیم - ۱۴- تحسین دارالعلوم ترمین انوار النجوم - ۱۵- شریف الدریات

اذکار

۱- خیر الدلالہ - ۲- القول المصیح فی تحقیق دوازده تسبیح - ۳- اوراد رحمانی
 ۴- الاستبصار فی فضل الاستغفار - ۵- قربات عند اللہ و صلوة الرسول - ۶- ستمہ قربات
 عند اللہ - ۷- طریقہ مولد شریف - ۸- زاد السعید فی الصلوة علی النبی ﷺ - ۹- امواج
 طلب - ۱۰- مناجات مقبول ترجمہ قربات

فتاویٰ

- ۱- امداد الفتاویٰ جلدیں اولین ۲- امداد الفتاویٰ جلدیں آخرین ۳- تتمہ اولیٰ و ثانیہ امداد الفتاویٰ ۴- تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ۵- تتمہ اربعہ امداد الفتاویٰ ۶- امداد الفتاویٰ تتمہ ۷- حوادث الفتاویٰ تتمہ ۸- فتاویٰ اشرفیہ اول ۹- فتاویٰ اشرفیہ دوم ۱۰- فتاویٰ اشرفیہ سوم ۱۱- تتمہ خامسہ امداد الفتاویٰ ۱۲- اکمل الادیان فی اسهل اللسان ۱۳- الفصل المحرم فی فصل المحرم ۱۴- مسائل اہل النقطہ ۱۵- القول الدہلی ۱۶- اعداء الجنۃ

اسلامیات

- ۱- درجۃ المسام من اشاعت الاسلام ۲- حقوق الاسلام ۳- حقوق العلم ۴- ارشاد الہام فی حقوق البہائم ۵- شہادۃ الاقوام ۶- آداب المساجد ۷- تنویر السراج ۸- تعدیل حقوق الوالدین ۹- شوق وطن ۱۰- تنبیہات وصیت ۱۱- ظلل صفہ ۱۲- العذر والنذر ۱۳- الاستحضار لما احتضار ۱۴- وصل السبب فی فصل السبب ۱۵- بیان الوفود فی اعوان ابن سعود ۱۶- اخبار اہل المجد عن آثار اہل نجد ۱۷- بہشتی گوہر ۱۸- بوادر النواہر ۱۹- الانسداد لفتنۃ الارتداد

نسائیات

- ۱- بہشتی زیور دس حصے ۲- بہشتی جوہر ۳- اصلاح النساء ۴- رفع الارتیاب عن مسئلہ ثبوت الانساب ۵- کوة النسوة ۶- ثبات الستور ۷- القاء السکینہ ۸- الحیلۃ الناجزہ ۹- القول الصواب فی مسئلہ الحجاب ۱۰- کثرة الازواج

عملیات

- ۱- التقیٰ فی احکام الرقی ۲- اعمال قرآنی ۳- خواص فرقانی ۴- آثار تبیان فی

متفرقات

- ۱- اسکات المنکر لافات المنکر ۲- تعدیل التقویم ۳- ترجیح الراجح ۴- کرامات امدادیہ ۵- امداد المشتاق ۶- سواد خوبی ۷- الطرائف و الطرائف ۸- زوال السنہ فی اعمال السنہ ۹- نیل الشفا بنعل المصطفیٰ ۱۰- نصیح الاخوان فی حروف الزمان ۱۱- القول الاحکم ۱۲- المحکم الحقانی ۱۳- صدق الرویا ۱۴- الشراب السراب ۱۵- بناء القبر ۱۶- خاتمہ بالخیر ۱۷- تشنیف الاسماء ۱۸- لوح اللواح ۱۹- عبور البراری ۲۰- الحب من الخطب ۲۱- الکلم الدالہ ۲۲- موائد العوائد ۲۳- غرائب الرغائب ۲۴- الرق المنشور ۲۵- جمع الصکوک فی قمع الصکوک ۲۶- چار جوئے بہشت ۲۷- تحصیل دار العلوم ۲۸- الکلم الطیب ۲۹- جزل الکلام فی غزل اللام ۳۰- سبہ سیارہ ۳۱- نفیری بشرح کلام نظیری ۳۲- نقایات الصیب ۳۳- ماتہ دروس ۳۴- اللطائف للطائف ۳۵- امثال الاقوال لافاضل الرجال ۳۶- رفع الاغلط ۳۷- تفصیل محمودیت ۳۸- اشواق فی الخوارق

مکتوبات

- ۱- خطاب الندوہ ۲- خطوط خوبی ۳- المعلومات الارشادیہ ۴- مکتوبات امدادیہ ۵- ضیاء الافہام ۶- مکتوب محبوب القلوب ۷- مکتوبات خبرت

ملفوظات

- ۱- کمالات اندادیہ ۲- المتن اللہادی ۳- حسن الغریز چہار حصہ ۴- مقالات
- ۵- محکمات معدلت ۶- مزید البجید ۷- مجالس المحکمات ۸- مقالات حسنہ
- ۹- الطاحون ۱۰- القول الجلیل ۱۱- السبیل العابر السبیل ۱۲- القطائف من
- الطائف ۱۳- ملفوظات خبرت ۱۴- ملفوظات ۱۵- ملفوظات ۱۶- جدید ملفوظات
- ۱۷- ریاض الفوائد ۱۸- حکم الکیم ۱۹- ارشاد الرشید ۲۰- الافاضات الیومیہ ۲۱- ادب
- الاعتدال ۲۲- ادب الطریق ۲۳- ادب التمرک ۲۴- ادب المشیر ۲۵- ادب الاسلام
- ۲۶- ادب الاعلام ۲۷- ملفوظات بقلم حافظ صغیر احمد ۲۸- خیر المنصور فی کانپور
- ۲۹- خیر العبور فی سفر گورکھپور ۳۰- خیر الحدود ۳۱- سفر نامہ پانی پت ۳۲- ذم
- الخالق ۳۳- الصناعات فی العبارات ۳۴- المفتاح المعنوی ۳۵- فیوض الخالق ۳۶-
- نیل المراد ۳۷- سفر نامہ دیوبند ۳۸- سفر نامہ کوٹہ ۳۹- فضل الغریز ۴۰- رحمت
- الغریز دو جلد ۴۱- بصر الناظر ۴۲- ناظر الباطن ۴۳- انوار المتقین ۴۴- وصیتہ الوسی
- ۴۵- حسن یوسف دو حصہ ۴۶- بزم جمشید ۴۷- فرائد الفوائد ۴۸- علو النازل ۴۹-
- نظر عنایت ۵۰- جبر الکسیر ۵۱- رحمت اعظم ۵۲- اسعاد الاسعد ۵۳- خیر الاقتبار فی
- خیر الاختیار ۵۴- سفر نامہ گنگوہ ۵۵- کلمۃ الحق دو جلد ۵۶- سنتہ المعصوم ۵۷-
- جبر الکسیر ۵۸- فیوض الخالق ۵۹- اسعاد الطالبین ۶۰- تصحیح التیال ۶۱- کلام الحسن
- ۶۲- ارمغان عید ۶۳- دنیا کی پستی اور دین کی مستی ۶۴- سرمایہ ہستی

تفصیل المواعظ

حضرت تھانوی کے جو مواعظ ضبط تحریر میں لائے گئے۔ ان کی موضوع وار تفصیل درج ذیل ہے۔

اتباع و اتقاء

- ۱- حیات طیبہ ۲- طاعت الاحکام ۳- حق الطاعتہ ۴- الغالب للطالب
- ۵- سبیل السعید ۶- الرحیل الی الخلیل ۷- اتباع المنیب ۸- الشریعتہ ۹- سلوۃ
- الخریز ۱۰- سنت ابراہیم ۱۱- اتباع ۱۲- اعانتہ للتقویٰ ۱۳- التقویٰ ۱۴- طریق
- القرب ۱۵- العزت ۱۶- شرائط الطاعت ۱۷- سلوۃ الخیز

اخلاص و ایمان

- ۱۶- الاخلاص حصہ اول ۱۷- الاخلاص حصہ دوم ۱۸- شرط الایمان ۱۹- شعب
- الایمان

اتحاد و اخوت

- ۲۰- الاتفاق ۲۱- الاعتصام بحبل اللہ ۲۲- اصلاح ذات البین ۲۳- الاخوة

استغفار

- ۲۴- ضرورة التوبہ ۲۵- تفصیل التوبہ ۲۶- الاستغفار ۲۷- استمرار التوبہ
- ۲۸- الہدی والمغفرۃ ۲۹- آثار التوبہ فی استمرار التوبہ

اسلام

- ۳۰- تکمیل الاسلام ۳۱- احسان الاسلام ۳۲- درجات الاسلام ۳۳- السلام

٣٢٨
التحقيق ٣٨- محاسن الاسلام ٣٩- الدوام على الاسلام ٤٠- الاسلام الحقيقي ٣١- الاتمام
لنعمته الاسلام تين ٣٢- ازالة الفتنة

اخلاق و آداب

٣٢- سيرة الصوفي ٣٣- آداب المساجد ٣٤- اشرف الكمال ٣٥- السوأل
٣٦- النور ٣٧- الدعوة الى الله ٣٨- الرفق والوضوح ٣٩- آداب التبليغ
٤٠- رجا الغيوب ٤١- اعانة النافع ٤٢- ايقاء العبد ٤٣- المحسنات ٤٤- المتفقه
٤٥- الارادة ٤٦- التوكل ٤٧- احسان التدبير ٤٨- دستور سهاركيور ٤٨- اجابت
الداعي ٤٩- الاستقامة

اصلاح الاعمال

٦٠- تسهيل الاصلاح ٦١- تيسير الاصلاح ٦٢- التصدي للغير ٦٣- الظاهر
٦٤- الباطن ٦٥- المجاهدة ٦٦- الارتياح والاعتياب ٦٧- قرب الحساب ٦٨- ذم
المكروهات ٦٩- تفاقل الاعمال ٧٠- طريق النجات ٧١- الافتتاح ٧٢- اطباع

اصلاح النفس

١- اصلاح النفس ٢- نسيان النفس ٣- مراقبة الارض ٤- ذم النسيان
٥- زكوة النفس ٦- اسباب الغفلت ٧- ازالة الغين عن آلة العين ٨- وعظ
چر تحاول ٩- ترك ما لا يعنى ١٠- مظاهر الاقوال ١١- غرض البصر ١٢- تطهير الاعضاء ١٣-
حفظ اللسان ١٤- الاتعاظ بالغير

ترغيب و ترهيب

١- جمال الجليل ٢- التوجه ٣- الوصل الفصل ٣- الغزت ٥- رفع الموانع
٦- الوصل والفصل

تسليم ورضا

١- قطع التمني ٢- الخلط ٣- المعرق و الرحيق ٤- الرضاء الحق و دوحه
٥- التعرف بالتصرف ٦- فناء النفوس ٧- افناء المحبوب

ذكر و فکر

١- تفصيل الذكر ٢- ذكر الرسول ٣- دواء الضيق ٤- المراقبه ٥- اكبر الاعمال
٦- الذكر ٧- راحت القلوب ٨- القاف ٩- الاسعاد والايعاد ١٠- رطوبت اللسان

دين و دنيا

١- ضرورة الاعتنا بالدين ٢- ضرورة العلم بالدين ٣- ضرورة العمل بالدين ٤-
الدين الخالص ٥- نفى المخرج ٦- ملت ابراهيم ٧- تفصيل الدين ٨- الحيوة ٩- تاسيس
البنيان ١٠- الدنيا بالدنيا ١١- متاع الدنيا ١٢- مظاهر اكمال ١٣- الفاني ١٤- غريب
الدنيا ١٥- الاطمينان بالدنيا ١٦- الدنيا ١٧- الكمال في دين الرجال

دار الاخرت

١- تذكير الاخرت ٢- الدنيا والاخره ٣- هم الاخرت ٤- المراد ٥- ترجيح

خوف و خشيت

- ١- خواص الخشيت ٢- مواعظ اشرفيه كانيور ٣- العلم والخشيت ٤- مواعظ اشرف (ميرٹھ) ٥- ثمرات الخوف

حرص و هوس

- ١- ذم الهوى ٢- منازعة الهوى ٣- الهوى ٤- الهوى والهدى

حج و قرباني

- ١- ترغيب الاضحية ٢- تعظيم الشعار ٣- روح الحج والشج ٤- السوال في شوال ٥- العبرة بذبح البقرة ٦- تكميل الانعام في صورة ذبح الانعام ٧- الحج المبرور ٨- الحج ٩- روح الارواح

صبر و شكر

- ١- الصبر ٢- حقيقة الصبر ٣- باعليه الصبر ٤- الاجر النبيل في صبر الجليل ٥- الجبر والصبر ٦- الصبر والصلوة ٧- السبر بالصبر ٨- الشكر ٩- تحقيق الشكر ١٠- شكر المثنوى ١١- النعم الرغوبة ١٢- شكر النعمة ١٣- عمل الشكر ١٤- شكر العطا

صوم و صلوة

- ١- قطير رمضان ٢- اكمل الصوم والعيد ٣- احكام العشر الاخير ٤- نداء

دعا و دوا

- ١- مهمات الدعاء ٢- الاصابة في معنى الاجابة ٣- نشر الرحمة ٤- الدعاء ٥- دوا العيوب ٦- علاج العرض ٧- الافتتاح ٨- علاج الكبر ٩- حب العاجل ١٠- التصور ١١- الغضب ١٢- غوائل الغضب ١٣- الغرض ١٤- اوج قنوج

رو بدعات

- ١- تقويم الزنج ٢- غسل الجاهلية ٣- نقد اللبيب في عقد الحبیب ٤- المصور
- لامور الصدور

حدود و حقوق

- ١- خير الارشاد في حقوق العباد ٢- اصلاح اليتامى ٣- رمضان في رمضان ٤- حرمت الحدود ٥- الحدود والقيود ٦- العبد الرباني ٧- حقوق البيت ٨- التبشير ٩- الاسراف ١٠- كف الازلي ١١- حقوق السراء والضراء ١٢- حقوق المعاشرة ١٣- حفظ الحدود ١٤- حقوق القرآن ١٥- الوقت ١٦- اللباب ١٧- الاولى الباب ١٨- النفقات في الاوقات ١٩- الفشر ٢٠- الرغبة الرغوبة

خير و شر

- ١- عمل الذرة ٢- ايواء اليتامى ٣- الانسداد للفساد ٤- الظلم ٥- مفتاح الخير ٦- التعاون على الخير

رمضان ۵- الصيام ۶- شعبان في شعبان ۷- روح البوار ۸- روح الافطار ۹- عصم
الصنوف عن رغم الالف النوان في رمضان ۱۰- اجر الصيام ۱۱- اجر الصيام بلا
انصرام ۱۲- اكمال العده ۱۳- اصلا في الصلوات ۱۴- تحصيل المرام ۱۵- اليسر مع
العسر ۱۶- الصلوة ۱- مثلث رمضان ۱۸- التهذيب چھ حصے ۱۹- العتق من الميزان

صحبت بزرگال

۱- دعاة الامت وهداة الملت ۲- تسمه الملك ۳- اختيار الخليل ۴- فوائد
الصعبت ۵- انوار السراج ۶- البصير بالبشير

سلوك و تصوف

۱- تقليل الطعام ۲- تقليل المنام ۳- تقليل الكلام ۴- تقليل الاختلاط
۵- التحصيل والتسهيل ۶- الرباط ۷- طريق القلندر

عبادت

۱- العبادة ۲- آثار العبادة ۳- اسرار العبادة ۴- اصل العبادة ۵- اداء الفضل

۶- علو العبادة

علم و عمل

۱- طلب العلم ۲- تعليم البيان ۳- نور الصدور ۴- تعظيم العلم مع تقسيم العلم
۵- تعليم التعليم ۶- كوثر العلوم ۷- الفاظ القرآن ۸- وعظ شفاء العی السوال ۹- الفاء
الجازفة ۱۰- فطار الاحوال ۱۱- التواصي بالحق ۱۲- الفصل والانفصال ۱۳- الاكراميه

بالاعلمية والاعمالية ۱۳- البنجاح ۱۵- شرط التذكير ۱۶- تجديد الامثال يتعدد الاعمال
۱۷- تعدد الامثال ۱۸- تکميل الاعمال ۱۹- اول الاعمال ۲۰- آخر الاعمال ۲۱- ضرورة
العلماء ۲۲- العمل للعلماء

عیدین

۱- روح الصيام ۲- الفطر ۳- نمود العید ۴- عود العید ۵- العید والوعید

میلاد النبی

۱- الظهور ۲- السرور ۳- المهور النور الصدور ۴- الشدور في حقوق البدور
۵- نور النور ۶- الموالد الفرسخي في المولد البرزخي ۷- الرحمة على الامت

مال و جاه

۱- احكام المال ۲- مظاهر الاموال ۳- انفاق المحبوب ۴- المال و الجاه
۵- خير المال للرجال ۶- خير الاثاث للمانات ۷- احكام الجاه

مضار المعصية

۱- استخفاف المعاصي ۲- ترك المعاصي ۳- مضار المعصية ۴- ترجيح المفد
۵- الكاف

متفرقات

- ۱- اصلاح ذات البین ۲- النیانت ۳- شوق اللقاء ۴- الصلح والاصلاح
- ۵- تحریم الحرم ۶- نیل البر ۷- اقسام الریا ۸- جمال یوسف ۹- الطاحون
- ۱۰- الاستعداد ۱۱- الولایت ۱۲- الاستعداد ۱۳- العاقلات الفاقلات ۱۴- الدعوی
- ۱۵- العودالی المقاصد ۱۶- التمدن ۱۷- المینومان ۱۸- الکن ۱۹- آثار المزاج ۲۰- سنت ابراہیم ۲۱- نظام الحدیث ۲۲- احدی الحنین

تفصیل اعتناء

بعض اہل علم نے حضرت تھانوی کی تالیفات کے ساتھ مختلف طریق سے اعتناء فرمایا۔ کسی نے کسب عبارت سے۔ کسی نے تلخیص انتخاب سے اور کسی نے دوسری زبان میں ترجمہ سے۔ تاکہ حضرت کے علوم و معارف سے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی اعلیٰ و ادنیٰ اور عام و خاص محروم نہ رہے۔ ابھی تفصیل یہ ہے:

کتاب معتنی بہ

- ۱- امثال عبرت ۲- علم غیر منقول ۳- تفسیر المواعظ ۴- علوم امدادیہ
- ۵- ابیات حکمت ۶- عروس المواعظ ۷- اصول الوصول ۸- رفع الضیق ۹- الشفاء
- ۱۰- ترجمہ اردو زیرو بم ۱۱- خواش رسالہ انتباہات ۱۲- ابانتہ البیان ۱۳- کسبیل قصد السبیل ۱۴- اشرب الطهور ۱۵- حل الانتباہات ۱۶- مناجات مقبول ۱۷- معمولات
- ۱۸- اشرفی ۱۹- فرائد الفوائد ۲۰- معمولات سفر ۲۱- کسبیل شوق وطن ۲۲- صلوة السفر ۲۳- معمولات خانقاہ ۲۴- اشرف السونخ ۲۵- انفاس عیسیٰ

- ## مصیبت و راحت
- ۱- تادیب المصیبت ۲- التنبیہ ۳- التیسیر المتیسیر ۴- التزام فی التراحم
 - ۵- الامتحان ۶- الجلاء للابتناء ۷- الجلاء عن البلاء

محبت و مودت

- ۱- مواسات المصابین دو حصے ۲- آثار المحبت ۳- وحدت الحب ۴- اسباب الفتنة ۵- المودة الرحمانیہ
- موت و حیات
- ۱- ذکر الموت ۲- خیر الحیات و المات ۳- التثبیت بمراقتہ المیت
- ۴- یقظۃ النائم

فضائل

- ۱- فضائل العلم و الخشیۃ ۲- فضل العلم و العمل ۳- شعیان ۴- راس الربیعین
- ۵- التعمیم لتعلیم القرآن الکریم ۶- اسباب الفضائل ۷- الجمعین بین النفعین
- ۸- الفشر ۹- الفضل العظیم ۱۰- الضحایا ۱۱- اشرف العلوم ۱۲- شب مبارک ۱۳- روز مبارک ۱۴- ماہ مبارک

نسوانیات

- ۱- اصلاح النسوان ۲- الباقی ۳- العفة ۴- الکمال فی الدین للنساء
- ۵- الاستماع و الاتباع ۶- غایتہ النجاح فی آیۃ النکاح ۷- رفع الالتباس ۸- برکت النکاح ۹- کساء النساء

۲۶۔ اور النعت فی اشعار حکمت ۲۷۔ بہشتی شری ۲۸۔ انوار المحضین ۲۹۔ خلاصہ بیان
 القرآن ۳۰۔ کمالات اشرفیہ ۳۱۔ المیص بیان القرآن ۳۲۔ المصون المصنوع
 ۳۳۔ تصحیح الاغلاط ۳۴۔ اشرف المعملات ۳۵۔ افادۃ العوام ترجمہ خطبات الاحکام
 ۳۶۔ تسبیل تمہید حیات المسلمین ۳۷۔ عنوان التصوف ۳۸۔ مرآۃ الموعظ
 ۳۹۔ تالیفات اشرفیہ ۴۰۔ اشرف الجواب ۴۱۔ افادات اشرفیہ در مسائل سیاسہ
 شریعت اور طریقت ان کے علاوہ تقریباً ۱۰۰ موعظ کی بھی تسبیل وغیرہ کی گئی
 ہے۔

تالیفات مترجمہ

ان کے علاوہ حضرت کی تالیفات کے بکثرت دوسری زبانوں میں بعض
 ارباب علم نے ترجمے بھی کئے۔ ان کی تفصیل تالیفات اشرفیہ میں دیکھی جاسکتی
 ہے۔ یہاں صرف تعداد پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

- ۱۔ فرانسیسی زبان میں ۱
- ۲۔ ہندی زبان میں ۱
- ۳۔ ناگری زبان میں ۱
- ۴۔ پشتو زبان میں ۱
- ۵۔ برہمی زبان میں ۵
- ۶۔ انگریزی زبان میں ۸
- ۷۔ سندھی زبان میں ۱۱
- ۸۔ گجراتی زبان میں ۱۴
- ۹۔ بنگالی زبان میں ۲۰

ماہنامے

حضرت تھانوی کے فیوض و برکات ظاہری و باطنی کی تبلیغ و اشاعت کے
 لئے حسب ذیل ماہنامے خاتقاہ امدادیہ اشرفیہ سے جاری ہوتے رہے۔

النور

یہ ماہوار رسالہ خاتقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون سے زیر ادارت مولانا شبیر علی
 صاحب ہرقمری مہینہ کے آخری ہفتہ میں شائع ہوتا تھا۔ اس کے مع ٹائٹل ۳۶ صفحے
 تھے جو ۱۳۳۹ھ سے جاری ہوا۔ اس کا سال ماہ جمادی الاولیٰ سے شروع ہوتا ہے۔
 اس میں حضرت کے مضامین شائع ہوتے تھے۔

المسلخ

اسے بھی مولانا شبیر علی صاحب تھانہ بھون سے شائع کیا کرتے تھے ۴۰
 صفحات کا یہ رسالہ ہرقمری مہینہ کو شائع ہوتا تھا۔ یہ ۱۳۴۹ھ سے جاری ہوا۔ اس کا
 سال محرم المکرم سے شروع ہوتا تھا۔ اس میں حضرت کے جدید موعظ شائع ہوا
 کرتے تھے۔

الابقاء

یہ رسالہ درہ بہ کلال دہلی کے جناب محمد عثمان خاں صاب تاجر کتب نے ہر
 قمری مہینہ کی پندرہویں تاریخ کو شائع کرنا شروع کیا۔ اس میں مع ٹائٹل ۳۶ صفحے
 ہوتے تھے۔ یہ رسالہ ۱۳۴۸ھ میں جاری ہوا۔ اس کا سال ماہ رمضان سے شروع ہوتا
 ہے۔ اس میں حضرت کے کمیاب موعظ شائع ہوتے ہیں۔ یہ اب تک کراچی سے

الہادی

یہ رسالہ بھی درجہ کلاں دہلی سے زیر اہتمام خان صاحب موصوف ہر قمری مہینہ میں شائع ہوتا تھا۔ ۴۸ صفحات کا یہ رسالہ ۱۳۳۳ھ میں جاری ہوا۔ اس کا سال جمادی الاولیٰ سے شروع ہوتا تھا۔ اس میں حضرت کے ہر قسم کے علوم عقلیہ و نقلیہ شائع کئے جاتے تھے۔

الامداد

یہ رسالہ امداد المطالع تھانہ بھون سے رجب ۱۳۳۲ھ سے جاری ہوا۔ ۴۰ صفحات کی تھی۔ حضرت کے ہر قسم کے مضامین اس میں شائع ہوتے تھے۔

اشرف العلوم

یہ رسالہ دفتر اشرف العلوم سہارنپور سے زیر ادارت مولانا ظہور الحسن صاحب کولوی غرم الحرام ۱۳۵۴ھ سے جاری ہونا شروع ہوا۔ ہر قمری مہینہ میں شائع ہوتا تھا۔ شروع میں یہ ۲۳۵ صفحات پر چھپتا رہا بعد میں اس کی ضخامت ۴۰ صفحات رہ گئی۔

الاشرف

یہ ماہوار رسالہ انوار بک ڈپو لکھنؤ سے زیر ادارت مولوی محمد حسن صاحب نکلا کرتا تھا۔ یہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ سے جاری ہوا۔ اس کے نصف میں جدید

جدید اصناف

- ۱- حال ہی میں حضرت کے متعلق مندرجہ ذیل کتب شائع ہوئیں۔
- ۲- حیات اشرف مصنفہ جناب غلام محمد صاحب عثمانیہ
- ۳- جامع الجددین
- ۴- تجدید تصوف و سلوک
- ۵- تجدید معاشیات مصنفہ مولانا عبد البہاری صاحب ندوی
- ۶- تجدید تعلیم و تبلیغ
- ۷- حکیم الامت مصنفہ مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی

تعداد کتب

اس وقت تک حضرت تھانوی کی اپنی اور ان کے متعلق شائع ہونے والی تمام کتابوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب پہنچ چکی ہے۔

حیرت فریبی

جیسا کہ "علم و ادب" کے باب میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت تھانوی نے اپنی کسی تصنیف پر رائٹنگ لینے پسند نہ کی۔ ورنہ جس طرح آپ سینکڑوں کتابیں اپنی علمی یادگار کے طور پر چھوڑ گئے تھے اسی طرح ان کی رائٹنگ سے کمایا ہوا لاکھوں روپیہ بھی پس انداز کر جاتے۔ مگر حضرت کو تو دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر تھی۔

اس نے جب ایک مرتبہ ایک انگریز نے حضرت سے دریافت کیا کہ آپ کو تفسیر لکھنے میں کتنے روپے لگے تو حضرت نے فرمایا "کچھ نہیں" اس پر اس نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ پھر اتنی بڑی کتاب لکھنے کی آپ نے محنت ہی کیوں کی۔ آپ

نے فرمایا کہ: "ہم لوگ اس کے قائل ہیں کہ علاوہ اس زندگی کے ایک اور بھی زندگی ہے جس کو آخرت کہتے ہیں۔ میں نے یہ محنت اس توقع پر کی ہے کہ انشاء اللہ مجھے اس کا عوض اس دوسری زندگی میں ملے گا۔ اور ایک اس کے دنیا کا فائدہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ جب میں دیکھوں گا کہ میرے مسلمان بھائی پڑھ پڑھ کر اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ تو مجھ کو خوشی ہوگی۔"

اس پر وہ انگریز بہت متاثر ہوا اور حضرت کے دینی جذبہ کی تعریف کی۔ اگر حضرت تھانوی ان کتابوں پر رائٹ لیتے تو آج اکثر گھروں میں حضرت کی علمی یادگار نظر نہ آتیں۔

اہل و عیال

ازواج محترمات

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دو بیویاں تھیں۔ اور دونوں بفصلہ تعالیٰ نہایت شفیق۔ غرباء پرور۔ متوکل۔ قانع۔ مہمان نواز اور حضرت کی خدمت گزار تھیں۔ دوسرے عقد سے گو شروع میں بڑی بیگم صاحبہ کو طبعاً کچھ رنج ہوا۔ مگر حضرت کے عدل و مساوات کے پیش نظر یہ بہت جلد دور ہو گیا۔ اور دونوں ایک دوسرے سے بہت خوش و خرم رہنے لگیں۔

عقد ثانی پر اعتراض

حضرت کے عقد ثانی کرنے پر معاندین و مخالفین نے آسمان سر پر اٹھالیا کہ آپ نے عقد ثانی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں نے یہ دروازہ کھولا نہیں۔ بلکہ بند کر دیا ہے۔ کیونکہ جب لوگ دیکھیں گے، کہ عدل کیا جاتا ہے۔ اور عدل کی اتنی رعایت کرنی پڑتی ہے تو اس کو دشوار سمجھ کر عقد ثانی کی سمت نہ کر سکیں گے۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت کے عدل و مساوات نے عہد نبوی ﷺ کی یاد تازہ کر دی۔ دراصل حضرت کا عقد ثانی نظام تکوینی کے ہی ماتحت ہے۔ اور اس زمانہ میں قدرت کو حکیم الامت کے ذریعہ یہ دکھلانا مقصود تھا کہ بیویوں کے ساتھ یوں عدل کیا جاتا ہے۔

ابتدائی دشواریاں
حضرت کو شروع شروع میں تو عدل کی جزئیات دقیقہ کی رعایت میں بڑی
دشواریاں پیش آئیں۔ لیکن چونکہ حضرت والا حقوق العباد کے متعلق بہت ہی زیادہ
ممتاط تھے۔ اس لئے برابر فکر و اہتمام بلیغ میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ
نے حسب وعدہ

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ

سب دشواریوں کو آسان فرما دیا۔ رفتہ رفتہ ساری جزئیات عدل کے متعلق طریق
عمل سمجھ میں آ گیا۔ اور پھر حضرت کو بفضلہ تعالیٰ کبھی کوئی وقت پیش نہ آئی۔
کیونکہ جب انسان کی نیت صحیح ہو تو حالات خود بخود صحیح ہو جاتے ہیں اور جہاں
شروع سے نیت ہی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی ہو۔ وہاں عموماً یہی دیکھا گیا
کہ عشق و محبت کی بناء پر ہونے والے عقد ثانی بھی وبال جان ہی بن کر رہے۔

کمال عدل

حضرت ہر معاملہ میں مابین زوجین پورا پورا عدل برتتے تھے۔ ہر لحاظ سے
مساوی برتاؤ کرتے تھے۔ یہاں تک جب نیا نیا عقد ثانی ہوا۔ تو آپ فرماتے تھے
کہ:

"میں تو ایک کی باری میں دوسری کا خیال لانا بھی خلاف عدل سمجھتا ہوں۔
کیونکہ اس سے اس کی طرف توجہ میں کمی ہوگی۔ جس کی باری ہے اور یہ اس کی حق
تلفی ہے۔ اسی طرح اب میں کپڑے خانقاہ میں ہی رکھتا ہوں۔ کیونکہ اگر میں ایک
گھر میں کپڑے رکھتا۔ تو دوسرے گھر والوں کو شکایت پیدا ہوتی۔ کہ ہمارے ساتھ
اتنی خصوصیت نہیں۔ جتنی دوسری کے ساتھ ہے۔"

حضرت والا نقد یا غیر نقد جو کچھ دیتے۔ دونوں کو برابر دیتے۔ یہاں تک کہ
ایسی چیزوں کی تقسیم کی لئے جو وزن کی جاتی ہیں۔ ایک نہایت صحیح کا نصاب اپنی
نشت گاہ کے سامنے لٹکا رکھتا تھا۔ جس کو مزاحاً "میزان عدل" فرمایا کرتے تھے۔
کھانا بھی ایک دن ایک گھر میں تناول فرماتے اور دوسرے دن دوسرے گھر میں۔
اس طرح رمضان المبارک میں افطار کے وقت بڑے گھر اور سہمی کے وقت چھوٹے
گھر سے کھانا کھاتے۔

بے نظیر احتیاط

حضرت والا طبعاً بڑے غیور واقع ہوئے تھے اور کسی کا احسان لینا گوارا نہیں
فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنی بیویوں کے بھی احسان مند نہیں ہوتے تھے۔
فرماتے تھے کہ ان کے ساتھ تو احسان کرنا چاہیے نہ کہ اٹھا ان کا احسان لینا چاہیے۔
آپ اپنی آمدنی کے تین حصے فرماتے۔ ایک ایک دونوں گھروں میں دے
دیتے۔ ایک حصہ اپنے ذاتی اخراجات کے لئے اپنے پاس رکھتے۔ آپ دونوں
گھروں سے جو کھانا کھاتے۔ مختلف طریقوں سے اس کا معاوضہ بھی اپنی زوجین کو
ادا کر دیتے۔ تاکہ ان کا احسان نہ رہے۔ گو وہ منع فرماتیں۔ مگر آپ معاملہ کو صاف
رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ اپنے کھانے کی رقم ایسے ذرائع سے ادا فرماتے کہ وہ
بھی محسوس نہ کرتیں اور ان پر بھی بار نہ رہتا۔

مزید برآں جن مکانات میں آپ کی ازواج محترمت رہتی تھیں۔ وہ دونوں
ان کی ملک تھے اس لئے آپ ان مکانوں میں اپنی رہائش کے تمتع کا معاوضہ بھی
انہیں ادا کرتے رہتے۔ تاکہ اس کا حق آپ کے ذمہ نہ رہے۔

آپ کی برادری میں ادائے مہر کا دستور نہیں تھا۔ مگر آپ نے دونوں
گھروں کا مہر ادا کر دیا۔ حالانکہ آپ کی بڑی اہلیہ محترمہ نے آپ کو اپنا پانچ ہزار
حق مہر بنوشی معاف کر دیا تھا۔ لیکن پھر بھی آپ نے وہ پانچ ہزار روپیہ انہیں ادا

فرادیا۔ کیونکہ حضرت کے نزدیک
وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبَ لِلتَّقْوَىٰ

کی راجح تفسیر یہی تھی۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ:
"اگر عورت مہر معاف بھی کر دے۔ تب بھی مرد کی غیرت کا مقتضایہ یہی
ہونا چاہیے کہ وہ پھر بھی مہر ادا کر دے۔"

انتہائی رعایت

ایک حدیث شریف کی رو سے نہ صرف اپنی زندگی میں بلکہ اپنے بعد بھی
بیویوں کی آسائش کی فکر سنت ہے۔ اس لئے حضرت اپنے دونوں گھروں کی
راحت و عافیت کا بہت ہی خیال رکھتے تھے۔ اور ہر موقع اور محل کا پورا پورا احسان ادا
فرماتے تھے۔ ان سے بہت ہی نرمی لطف اور بے تکلفی کا برتاؤ فرماتے تھے۔ حتیٰ
الوسع ان پر کوئی بوجھ نہ ڈالتے تھے۔ یہاں تک کہ کسی خاص کھانے کی بھی کبھی
فرمائش نہیں کرتے تھے۔ الا نادراً۔ البتہ جب گھر والوں کی طرف سے اصرار ہوتا۔
تو دل شکنی بھی نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ یہ دریافت فرماتے تھے کہ اچھا تم خود ہی چند
کھانوں کے نام بتا دو۔ جو تمہیں پکانا آسان ہو۔ پھر ان میں سے جو مجھے مرغوب ہو
گا۔ میں بتا دوں گا۔ جب چند کھانوں کے نام لئے جاتے۔ تو حضرت ان میں سے
کسی کی فرمائش کر دیتے۔ بقول خواجہ عزیز الحسن صاحب حضرت میں غیرت تو
تھی۔ لیکن غیرت نہ تھی۔

اسی طرح اگر کبھی اتفاق سے کھانا کھاتے وقت دسترخوان پر پانی نہ پاتے تو
کسی سے مانگنے کی بجائے خود ہی جا کر گھڑے سے پانی لے لیتے۔

اگر گھر میں سے کوئی بیمار ہو جاتیں۔ تو ہر قسم کی تکالیف اور اخراجات
برداشت کر کے انہیں بڑے شہروں میں بہترین طبی امداد پہنچانے کیلئے جاتے اور
وہاں رہ کر ان کا علاج کراتے۔

ایک دفعہ بڑی اہلیہ صاحبہ چھت پر سے گر پڑیں۔ اس وقت حضرت خانقاہ
میں فجر کی سنتیں پڑھ رہے تھے۔ اس دوران میں اطلاع ہوئی۔ چونکہ ایسی حالت میں
نیت توڑ دینا شرعاً واجب ہے۔ اس لئے آپ نے فوراً نیت توڑ دی اور گھر
تشریف لے جا کر ان کی تیمارداری فرمائی۔

غرضیکہ اگر آج ہر مرد اپنی بیوی یا بیویوں کے حقوق کی اس طرح حفاظت
کرے تو عورتیں تعداد ازدواج کے خدائی قانون کو ملکی اسمبلیوں کے ذریعہ منسوخ
اور معطل کرانے کی کوشش کیوں کریں۔ جو خاوندوں کے خلاف نہیں۔ خدا کے
خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے مترادف ہے۔

نوعیت تعلقات

حضرت کو بوجہ کثرت مشاغل دینیہ گھر میں تشریف لے جانے کیلئے بہت
ہی کم وقت ملتا۔ لیکن بہت ہی التزام کے ساتھ تشریف لے جاتے۔ اگر کثرت
کار کی وجہ سے مغرب سے ذرا قبل فارغ ہوتے۔ تو تب بھی دو چار منٹ کے لئے
ضرور گھر تشریف لے جاتے اور کھڑے کھڑے دو تین باتیں کر کے واپس
آ جاتے۔ محترمت کو بھی چونکہ حضرت کے دینی مشاغل کا علم تھا۔ اس لئے انہوں
نے بھی حضرت کے زیادہ دیر مشغول رہنے کی شکایت نہیں فرمائی تھی اور جب
حضرت گھر تشریف لاتے اور اہلیہ محترمہ کو کسی کام میں مشغول پاتے۔ تو ازراہ
لطف و بے تکلفی فرماتے کہ ہم تو دن بھر کے کام کے بعد تھکے تھکائے تھوڑی دیر
کیلئے اپنے دماغ کو راحت دینے کی غرض سے تمہارے پاس آتے ہیں اور تم اس
وقت بھی اپنے کام میں لگی رہتی ہو۔ بس حضرت کے اس فرمانے سے آپ کی
سارے دن کی غیر حاضری کا ازالہ ہو جاتا۔

غرضیکہ حضرت جتنی دیر میں گھر رہتے۔ اتنی دیر تو اتنے بے تکلف اور
ہشاش ہشاش نظر آتے جیسے ان کی کل کائنات ہی یہی ہے۔ مگر مخدومیت کی شان

۳۳۶
قطعاً نہ جاتے۔ لیکن تنبیہ کے وقت برابر تنبیہ فرمانے اور تنبیہ کرنے میں قطعاً
لحاظ نہ فرماتے۔ جب گھر سے نکل کر خانقاہ میں پہنچتے اور مشاغل دینیہ میں مصروف
ہو جاتے۔ تو پھر ایسا معلوم ہوتا کہ ان کی دنیا اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ لیکن ہر ایک
کا حق ادا کرتے ہوئے بھی اپنے محبوب حقیقی کے تعلق میں سرمو فرق نہ آنے
دیتے۔

خالہ کی خواہش

حضرت تھانوی کے قیام مکہ معظمہ کے زمانہ میں آپ کی بڑی اہلیہ محترمہ مع
اپنی خالہ صاحبہ کے وہیں پہنچ گئی تھیں۔ خالہ صاحبہ نے حضرت حاجی امداد اللہ قدس
سرہ سے حضرت والا کے متعلق عرض کیا کہ ان کے لئے صاحب اولاد ہونے کی دعا
کیجئے۔ حضرت حاجی صاحب نے باہر آکر حضرت والا سے فرمایا کہ تمہاری خالہ
سے دعا کیلئے کہتی ہیں کہ تمہارے اولاد ہو۔ سو دعا میں نے کر دی ہے۔

آرزوئے شیخ

لیکن بھائی میراجی تو یہی چاہتا ہے کہ جیسا میں ہوں۔ ویسے ہی تم بھی رہو جو
حالت میری ہے۔ وہ حالت تمہاری بھی رہے۔ "پھر دیر تک اس زمانہ کی اولاد کی
خرابیاں بیان فرماتے رہے۔ حضرت تھانوی نے عرض کیا کہ جو حالت حضرت کو
پسند ہو۔ وہی حالت میں بھی اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ یعنی بے اولاد رہنا۔ یہ سن کر
حضرت حاجی صاحب بہت خوش ہوئے۔

اولاد

چنانچہ دوسرا عقد کر لینے کے بعد بھی حضرت کی کوئی اولاد نہ نہ یا مادہ نہ نہ
ہوئی۔ اور حق تعالیٰ نے آپ کو اولاد کے فتنہ سے بچا لیا۔ گو آپ صاحب اولاد نہ
تھے مگر بچوں سے محبت اور مزاج خوب فرماتے تھے۔

جانشینی

جانشینی یا سجادہ نشینی محض ایک دنیوی رسم ہے۔ جسے محض ذاتی اغراض کی
تکمیل کیلئے قائم رکھا جاتا ہے۔ ایک اور خاص مقام کو ہر حال میں آباد رکھنے کی
کوشش کی جاتی ہے۔ خواہ اسے آباد رکھنے والوں میں رشد و ہدایت کی اہلیت ہو یا
نہ۔ حالانکہ شرعاً اس کا کہیں جواز موجود نہیں۔ اہل اللہ کے ہاں صرف اسی امر کو
ترجیح دی جاتی ہے۔ کہ جس میں تربیت و ارشاد کی صلاحیت پاتے ہیں۔ اسے رشد
و ہدایت کی اجازت دے دیتے ہیں۔ یہ اس کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ جہاں
چاہے بیٹھ کر خدمت دین انجام دے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ
اللہ علیہ کے ۱۸۵۷ء میں ہجرت کر کے مکہ تشریف لے جانے کے بعد مدتوں تھانہ
بھون کی خانقاہ خالی رہی۔ اگر حضرت حاجی صاحب یا ان کے خلفاء کے نزدیک جگہ
کوئی کوئی اہمیت حاصل ہوتی۔ تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی۔ حضرت
مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی یا ان
کے خلفاء کی گدی کو آباد رکھتے۔ جو ہر لحاظ سے آباد رکھنے کے اہل تھے۔ مگر کسی
نے اس بدعت کو جاری نہ رکھا۔ جس کے نقصان حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے
رسالہ "سجادہ نشینی" میں بتفصیل گنوائے ہیں۔ جو رسالہ تحفۃ الشیوخ کا ضمیمہ ہے۔
اور ۱۳۳۷ھ میں تصنیف و طبع ہوا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بھی بعض نا فہموں نے یہ سوال
اٹھایا کہ حضرت اقدس کا جانشین کون ہوگا۔ حالانکہ جو شیخ کمال علم۔ کمال تقویٰ،
کمال معرفت۔ کمال عشق اور کمال ارشاد بلکہ جملہ کمالات میں فرد۔ اپنے زمانہ کا

۳۳۸
مجدد۔ امام اور مرجع اہل علم و کمال و مشیت ہو۔ اس کا جانشین کون ہو سکتا تھا۔
حضرت کی طرح ان کے خلفاء میں کوئی جامع الکمالات تو نہیں ہوا۔ لیکن آپ کا ہر
بہار آپ کی بعض بعض خصوصیات کا مظہر اتم ضرور ہے۔

مولانا عثمانی کا تجسس

چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے اس سلسلہ میں حضرت والا
سے یہ سوال کیا کہ اپنے خدام یعنی منتبیس میں سے سب سے زیادہ محبوب آپ کو
کون ہے۔ اور یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر اس راز کو پوشیدہ رکھنے کیلئے حکم ہوگا۔ تو عمر
بھر کسی پر ظاہر نہ کروں گا۔ اس پر حضرت نے بے تکلف تحریر فرمایا کہ: "میں بتلانے میں کبھی پس و پیش نہ کرتا۔ اگر کوئی اس کا مصداق ہوگا۔
برخوردار من سچ بات تو یہ ہے کہ اب تک

ہر کے از ظن خود شد یار من

وزدرون من نجت اسرار من

پوری مناسبت کسی کو نہیں ہوئی۔ اور اجنبیت کا مدار وہی ہے۔ ممکن ہے اس کا
منشا میری ہی کجی ہو۔ بہر حال اس سوال کا جواب شائع نہ کیا جائے۔"

مولانا ظفر احمد صاحب کو بوجہ عزیز ہونے کے چونکہ رسوخ اور خصوصیت
حاصل تھی۔ اور اس سوال کا محرک چونکہ ان کا تجسس اصرار تھا۔ اس لئے انہوں نے
حضرت کی خدمت میں لکھا کہ:

"یہ جواب تربیت السالک میں نقل ہو جانا سالکین کے لئے زیادہ نافع معلوم
ہوتا ہے۔ شاید کسی اللہ کے بندہ کو حضرت سے پوری مناسبت پیدا کرنے کا شوق
پیدا ہو جائے۔ میری جو حالت اس جواب کو دیکھ کر ہوئی۔ واللہ میں کیا عرض
کروں۔ سچ فرمایا کہ:

ہر کے از ظن خود شد یار من
وزدرون من نجت اسرار من
واللہ مجھے حضرت کے اسرار معلوم ہو جانے کی بہت طلب ہے اور یہی اس
سوال کا منشاء ہے۔ اگر اس نالائق کے ضبط و محمل سے زیادہ اسرار نہ ہوں۔ تو خدا
کرے مجھ کو معلوم ہو جائیں۔"

حضرت کی وضاحت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس عریضہ کا یہ جواب لکھا:

"عزیزم بہتر ہے۔ نقل کر دیا جائے۔ مجھ کو صرف یہ خیال مانع ہوا تھا۔ کہ
احباب کی دل شکنی نہ ہو۔ باقی جب اس سے اہم مصلحت نقل میں ہے۔ تو
موافقت کرتا ہوں۔ برخوردار من میرے اسرار ہی کیا ہیں۔ مولانا کا قول تو میں نے
تبرکاً نقل کر دیا ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ میرے مذاق سے پوری مناسبت کسی
نے پیدا نہیں کی۔ سو عزیز من یہ بات کرنے کی نہیں۔ خود اہل محبت کا فعل تنبیج
اور استحصار اور اتباع اس کا طریق ہے۔ واللہ الموفق۔ اور اس مناسبت کے بعد خود
بخود مجھ کو اظہار اسرار کا جوش ہوگا۔ اگر کچھ اسرار ہوں گے۔ یا نئے پیدا ہو جائیں
گے۔"

مقام اشرف

در اصل یہ اسرار حق تعالیٰ کی الامانت ہوتے ہیں۔ اور سوا اس کے فضل خاص
کے کسی کو نصیب نہیں ہو سکتے ہیں اس کے فضل خاص کو مستحک کرنے کے لئے
فناور صنا کے مقام تک پہنچنا لازمی ہے۔ جو ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ ثانیاً
حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے جن کا خصوصی تعلق بھی رہا۔ وہ بھی زیادہ تر توجہ صرف

ایں سعادت بزور بازو نیست
تاناہ بخشد خدائے بخشندہ

چنانچہ آپ اپنے دل کی بات دل میں ہی لیئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔
اور مولانا شبیر علی صاحب آپ کے انتقال کے بعد پہنچے۔ جس کی تفصیل آگے آ
رہی ہے۔

حقیقی جانشین

حضرت کے مجازین اپنے اپنے مقام پر حضرت کا چشمہ فیض جاری کئے ہوئے
ہیں۔ مگر حضرت تھانوی کے حقیقی جانشین تو آپ کے ملفوظات و خطبات اور
تصنیفات و تالیفات ہیں۔ جن سے قیامت تک رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

۳۵۰
اپنی ظاہری اور باطنی اصلاح کی طرف ہی مبذول رکھتے تھے۔ اور اسرار کا تجسس تو
بہت آگے کی طرف منزل تھی۔ ثالثاً ان کے معلوم ہو جانے سے یہ تھوڑا ہی تھا۔
کہ آئندہ کے لئے اتباع کتاب و سنت کی منزلیں طے نہ کرنی پڑتیں۔ بلکہ ان کے
معلوم ہو جانے میں اس بات کا خطرہ تھا کہ اگر کسی وقت انسان تعلیٰ میں آ کر کوئی
راز فاش کر بیٹھے۔ تو ہمیشہ کیلئے مردود ہو جائے۔ رابعاً

ہے عقل و فہم سے بالا مقام حضرت والا
کوئی جانے۔ تو کیا جانے۔ کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

کیونکہ حضرت تو اس کے مصداق تھے

وہ راز ہوں کہ جو عیاں ہو کے بھی عیاں نہ ہوا

وہ نکتہ ہوں جو بیاں ہو کے بھی بیاں نہ ہوا

حضرت تھانوی کے حقیقی بھتیجے اور منہ بولے بیٹے مولانا شبیر علی صاحب کے خاندان
امدادیہ کے تمام انتظامی امور سنبھالنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا تھا اور
انہیں حضرت تھانوی کی خواہش کے مطابق انجام دے کر ان کے دل میں ایک
خاص مقام حاصل کر لیا تھا۔ مگر انتظامی امور میں شب و روز مشغول رہنے کی وجہ سے وہ
ان سے کما حقہ روحانی اور باطنی فیض حاصل نہ کر سکے۔ جس کا حضرت تھانوی کو از
حد احساس تھا۔

اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حضرت تھانوی نے مولانا شبیر علی
صاحب کو بارہا طلب فرمایا مگر آپ کو ہر مرتبہ یہی جواب ملا کہ وہ سہارنپور دوائی لینے
گئے ہیں۔ اگر کوئی بات انہیں کہنی یا سمجھانی ہو تو ہمیں بتلا دیجئیے۔ ہم انہیں بتلایا
سمجھا دیں گے مگر حضرت تھانوی نے اسرار کے باوجود وہ بات بتلانے سے گریز
فرمایا اور مولانا شبیر علی صاحب کی عدم موجودگی پر بار بار اظہار افسوس فرماتے رہے۔
آپ جس بے تابی سے مولانا شبیر علی کو طلب فرماتے اور جس حسرت سے انہیں
موجود نہ پا کر افسوس فرماتے اس سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ ان کی خدمت کا
معاوضہ اپنے بعض اسرار انہیں منتقل کر کے دینا چاہتے تھے۔ مگر

اہتمام سفر آخرت

صفائی معاملات

حضرت تھانوی کے حالات زندگی کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس امر میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ آپ کی انتہا درجہ کی احتیاط و غایت درجہ کا ورع و تقویٰ۔ اعلیٰ درجہ کی صفائی معاملات صرف اس لئے تھی کہ آپ بھولے

شاید ہمیں نفس نفس واپس بود

ہر وقت اس بات کے اہتمام میں رہتے تھے کہ انہی وجہ سے کسی معاملہ میں کسی قسم کی دوسرے کو الجھن نہ ہو اور عند اللہ مواخذہ نہ ہو آپ صرف اپنے حالات و معاملات کو ہی آئینہ کی طرح صاف و شفاف نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اپنے تربیت یافتوں کو بھی موت کا اس قدر استحضار کرا دیتے تھے۔ کہ دربار اشرفیہ کا اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ خادم خود کو ہر وقت موت کے لئے تیار اور اپنی زندگی کو حتی الوسع ہر طرح پاک صاف رکھتا تھا۔ اور جب تک اسے اس مقام تک نہ پہنچا دیتے تھے۔ چین نہ لیتے تھے۔ چنانچہ

۱۔ ایک بار چند طالب علموں نے خانقاہ میں مستقل قیام کرنا چاہا۔ تو دریافت فرمایا کہ کسی کے حقوق تو ذمہ نہیں اور جب معلوم ہوا کہ ہیں۔ تو فرمایا کہ پہلے جا کر ان کو اداء یا ابراء معاف کراؤ۔ چنانچہ ایک صاحب طالب نے جو غیر مستطیع تھے۔ تھانہ بھون سے الہ آباد تک کا لمبا سفر محض اس غرض سے پایادہ کیا

۲۵۳
یہ تشریف فرما
اور بعد صفائی معاملات پایادہ ہی واپس آ کر تھانہ بھون میں مقیم خانقاہ ہوئے۔ اور
اخیر وقت تک مقیم رہے۔

۲۔ ایک بار ایک طالب علم اپنی بیوی کو جس سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی اور نہ وہ ادائے حقوق زوجیت پر قادر تھا۔ ایک بھائی کے گھر چھوڑ کر خانقاہ میں گیا۔ جب حضرت کو دریافت پر اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے اسے فرمایا کہ ایسی حالت میں اس کو معلق نہ رکھا جائے اس کا تصفیہ کر کے اور اس سے یکسوئی حاصل کر کے آؤ۔ چنانچہ جب وہ اس کو طلاق دے کر آئے تو آپ نے اس کی تعلیم و تربیت شروع کر دی۔

۳۔ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں ایک ایسا غریب شخص آیا۔ جو کسی زمانہ میں چوری کی واردات کا مرتکب ہو چکا تھا۔ آپ نے اس کی تعلیم و تربیت کے لئے یہ شرط لگائی کہ پہلے سب سے معافی لکھوا کر آؤ۔ چنانچہ وہ سب سے معافی لکھوا کر لایا۔ ان معافی دہندگان میں ایک ایسا ہندو بنیا بھی تھا جس کے اس نے ریل میں پانچ سو روپے چرائے تھے۔ اسے جب یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرت تھانوی کی زیر تربیت آنا چاہتا ہے۔ اور اب آئندہ پاکیزہ زندگی بسر کرنے کا طالب صادق ہے تو اس نے بھی اس عنوان سے معافی نامہ لکھ دیا کہ میں نے حسب اللہ معاف کیا۔ چنانچہ آپ نے طریق کے مطابق ان معافی ناموں کی تصدیق کرانے کے بعد اپنی تعلیم و تربیت سے اس چور کو مستثنیٰ بنا دیا۔

یہ تو دو سو روپے سے معاملہ تھا۔ حضرت کی اپنی حالت اور عادت یہ تھی کہ اگر کبھی تھوڑا سا بھی مسجد کا گرم پانی وضو سے بچ جاتا تھا۔ تو آپ اس کو بھی سقاہ میں ڈال آتے تھے تا کہ مسجد کا آئینہ سال بھی ضائع نہ ہو۔ اس سے آپ کی احتیاط کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

طریق وصیت

جب حضرت تھانوی اپنی حیات میں اس قدر محتاط تھے تو سفر آخرت کے سلسلہ میں انہوں نے کس قدر احتیاط سے کام لیا ہوگا۔ اس کا اندازہ آپ کے وصیت نامہ سے ہو سکتا ہے۔ جو

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَلِي

کی منزل سے گزرنے والے ہر مسافر کے لئے سرمدی عمرت و بصیرت ہے اور جامعیت و ندرت کے لحاظ سے ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت کا طریق وصیت یہ تھا کہ آپ نے بعد وفات پیش آنے والے واقعات کے متعلق تو ایک مفصل وصیت لکھ رکھی تھی۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے مگر چونکہ دوزمرہ کے حالات میں تغیر و تبدل لازمی ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے منضبط کرنے کے لئے آپ نے وصیت نامہ کے محاذات میں اصل مضامین کے ہی مساوی خالی جگہ چھوڑ دی ہوتی تھی اور اس میں یومیہ حالات کے تقلبات کو منضبط کرتے رہتے تھے۔ اور جب کسی جزو کی ترمیم کی مقدار زیادہ ہو جاتی۔ تو اصل کو اس کی جگہ سے کاٹ کر بقیہ مضامین کے بعد مع لحاظ ترمیمات اس کو ایک مستقل نمبر بنا کر متن میں اس کا اضافہ فرما دیتے تھے۔ اور چونکہ بعض نمبروں میں دوسرے نمبروں کا حوالہ ہوتا۔ اس لئے اس ترمیم شدہ نمبر کا عدد نہ بدلتے۔ بلکہ اس ترمیم شدہ حصہ کو مستقل کاغذ پر لکھ کر اس اصل کی جگہ گوند وغیرہ سے چسپاں کر دیتے۔ اور اگر کوئی مستقل نمبر بڑھانا ہوتا۔ تو اسے آخر میں درج کر دیتے اور اس طرح آپ روز کا معاملہ روز ہی صاف کرتے رہے تا آنکہ سفر آخرت پیش آگیا۔

ان وصایا میں آپ نے اپنے بھتیجے مولانا شبیر علی صاحب تھانوی کو وصی بنایا اور ان کے لئے یہ دو مشورے درج وصیت نامہ کئے۔

۱۔ ان وصایا کی تنقید کے وقت کسی متدین خوش فہم عالم کو بھی شریک کر لیں۔

۲۔ تنبیہات وصیت مدرسہ سے یا کہیں اور سے لے کر اور اس کے تسمات

میرے ڈیسک میں سے نکال کر ان پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے اور ان میں جو وصایا مقتضائے وقت ہوں ان پر بھی عمل یا ان کا اعلان خاص یا عام کیا جائے اور ان کے کسی جزو میں اگر تعارض ہو اخیر پر عمل کیا جائے۔ جس کی تعیین تاریخ کتابت سے ہو جائے گی۔

کتبہ اشرف علی۔ آغاز مرم ۱۳۳۶ھ

اثاث البیت کے متعلق وصیت

اثاث البیت کے متعلق وصیت اشرف السوانح جلد سوم میں صفحہ ۱۲۲ تا ۱۲۷ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں آپ نے اپنی مملوکہ۔ غیر مملوکہ اشیاء اور وقف جائداد کی فہرست وغیرہ اسی تفصیل سے دی ہے۔ جیسی مملکت اسلامیہ جمہوریہ کا محکمہ تشخیص موت ٹیکس (اسٹیٹ پراپرٹی ٹیکس ایکٹ ۱۹۵۰ء) کی رو سے کسی لکھ پتی کے مرنے پر طلب کرتا ہے۔ یعنی جس تفصیل سے متوفی کی جائداد کی فہرست پیش کرنے کا مذکورہ بالا ایکٹ ۱۹۵۰ء تقاضا کرتا ہے۔ وہی تفصیل قانون کے خوف سے نہیں۔ خدا کے خوف سے آپ نے خود خود اپنے وصیت نامہ میں درج کر دی تھی۔ جس سے ظاہر ہے کہ اگر طبائع میں خوف خدا پیدا ہو جائے۔ تو قانون سازی کا کام بالکل برائے نام رہ جائے۔

اہل حقوق کی وصیت

حضرت تھانوی اپنے مذکورہ بالا وصیت نامہ میں لکھتے ہیں کہ:

"میرے بعد اخلاق سنیہ کے سبب بعض بندگان خدا کو حاضرانہ و غائبانہ میری زبان اور ہاتھ سے کچھ کلفتیں پہنچی ہیں۔ اور کچھ حقوق ضائع ہوئے ہیں۔ خواہ اہل حقوق کو اس کی اطلاع ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ میں نہایت عاجزی سے سب

چھوٹے بڑوں سے استدعا کرتا ہوں کہ اللہ دل سے معاف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تقصیرات سے درگزر فرماویں گے۔ میں بھی ان کے لئے یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو داریں میں عفو و عافیت عطا فرماویں۔ معذرت کرنے والے کی تقصیر سے درگزر کرنے کی بڑی فضیلت آتی ہے۔ اور اگر معاف کرنے کی ہمت نہ ہو تو حسب فتویٰ شرعی مجھ سے عوض لے لیں۔ خدا کے لئے قیامت پر مواخذہ نہ رکھیں کہ اس کا کسی طرح تحمل نہیں۔

اس قبیل کی کوتاہیاں جو دوسروں سے میرے حق میں ہو گئی ہوں۔ میں بطیب خاطر گزشتہ اور آئندہ کے لئے محض خدا تعالیٰ کے راضی کرنے کو اور اپنی خطاؤں کی معافی کی توقع پر وہ سب معاف کرتا ہوں۔"

علماء و طلباء کو وصیت

"جو مدرسہ دینیہ فی الحال یہاں میرے تعلق میں جاری ہے۔ وہ ایک خاص شان کا مدرسہ ہے۔ جس کی تفصیل ضروری میرے مشفق مولوی عبداللہ صاحب کی تحریر مسمیٰ بہ ظل صفہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ میرا دل یوں چاہتا ہے کہ میرے بعد بھی اس کے ابقاء کی طرف توجہ رکھی جائے۔ اور خدا تعالیٰ اس مدرسہ کی خدمت کی جس کو توفیق دے تو وہ اس کے طرز کو جس کا متمم بالشان جزو تربیت اخلاق و اصلاح نفس ہے نہ بدلے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اسی میں بہت خیر و برکت کی امید ہے۔"

دینی یا دنیوی مضر توں پر نظر کر کے ان امور سے خصوصیت کے ساتھ

احتیاط رکھنے کا مشورہ دیتا ہوں کہ

۱۔ شہوت و غضب کے مقتضا پر عمل نہ کریں۔

۲۔ تعمیل نہایت بری چیز ہے۔

۳۔ بے مشورہ کوئی کام نہ کریں۔

۴۔ غیبت قطعاً چھوڑ دیں۔

۵۔ کثرت کلام اگر چہ مباح کے ساتھ ہو۔ اور کثرت اختلاط بلا ضرورت شدید و بلا مصلحت مطلوبہ اور خصوصاً جبکہ دوستی کے درجہ تک پہنچ جائے۔ پھر خصوصاً جبکہ ہر کس و نا کس کو راز دار بنا لیا جاوے۔ نہایت مضر چیز ہے۔

۶۔ بدوں پوری رغبت کے کھانا ہرگز نہ کھاویں۔

۷۔ بدوں سخت تقاضا کے ہم بستر نہ ہوں

۸۔ بدوں سخت حاجت کے قرض نہ لیں۔

۹۔ فضول خرچی کے پاس نہ جائیں۔

۱۰۔ غیر ضروری سامان جمع نہ کریں۔

۱۱۔ سخت مزاجی و تند خوئی کی عادت نہ کریں۔ رفیق اور ضبط و تحمل کو اپنا شعار بناویں۔

۱۲۔ زیادہ تکلف سے بہت بچیں۔ اقوال و افعال میں بھی طعام و لباس میں بھی۔

۱۳۔ مقتداء کو چاہیے کہ امراء سے بد خلقی نہ کرے اور نہ زیادہ اختلاط کرے۔ اور ان کو حتی الامکان مقصود بنادے۔ بالخصوص دنیوی نفع حاصل کرنے کیلئے۔

۱۴۔ معاملات کی صفائی کو دیانات سے بھی زیادہ مہتمم بالشان سمجھیں۔

۱۵۔ روایات و حکایات میں بے انتہا احتیاط کریں۔ اس میں بڑے بڑے دین دار اور فہم لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں۔ خواہ سمجھنے میں یا نقل کرنے میں۔

۱۶۔ بلا ضرورت بالکلیہ اور ضرورت میں بلا اجازت و تجویز طبیب حاذق مشفق کے کسی قسم کی دوا ہرگز استعمال نہ کریں۔

۱۷۔ زبان کی غایت درجہ کی معصیت و لایعنی سے احتیاط رکھیں۔

۱۸۔ حق پرست رہیں۔ اپنے قول پر جمود نہ کریں۔

۱۹۔ تعلقات نہ بڑھائیں۔

۲۰۔ کسی کے دنیوی معاملہ میں دخل نہ دیں۔

طالب علموں کو وصیت کرتا ہوں کہ نرے درس و تدریس پر مغرور نہ ہوں۔

اس کا کار آمد ہونا اہل اللہ کی خدمت و صحبت و نظر عنایت پر موقوف ہے۔ اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں۔
بے عنایات حق و خاصان حق
گر ملک باشد یہ ہستش ورق

دوستوں کو وصیت

"میں اپنے سب دوستوں سے استدعا کرتا ہوں کہ میرے سب معاصی صغیرہ و کبیرہ عمد و خطا کے لئے استغفار فرماویں۔ اور میرے اندر دعوات و اخلاق ذمہ ہیں۔ ان کے ازالہ کے لئے دعا کریں۔
میں اپنے دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کرتا ہوں کہ علم دین کا خود سیکھنا اور اولاد کو تعلیم کرانا ہر شخص پر فرض عین ہے۔ کہتا ہوں کہ علم دین کا خود سیکھنا اور اولاد کو تعلیم کرانا ہر شخص پر فرض عین ہے۔ خواہ بذریعہ کتاب ہو یا بذریعہ صحبت۔ بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ فتنہ دینیہ سے حفاظت ہو سکے۔ جن کی آج کل بہت کثرت ہے۔ اس میں ہرگز غفلت یا کوتاہی نہ کریں۔"

منتسبین کو وصیت

"میں اپنے تمام منتسبین سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی عمر بھر یاد کر کے سورہ یسین شریف۔ تین بار قل ہو اللہ شریف پڑھ کر مجھ کو بخش دیا کرے۔ مگر اور کوئی امر خلاف سنت و بدعات عوام و خواص میں سے نہ کریں۔
میرے ایصال ثواب کے لئے کوئی جمع نہ ہوں۔ نہ اہتمام سے نہ بلا اہتمام۔ اگر کسی دوسرے اتفاق سے بھی جمع ہو جائیں تو تلاوت وغیرہ کے وقت قصد متفرق ہو جائیں اور ہر شخص منفرداً بطور خود جس کا دل چاہے دعا و صدقہ و

عبادت نافذ سے نفع پہنچا دے۔ نیز میری مستعمل چیزوں کے ساتھ متعارف طریق سے تبرکات کا سامانہ نہ کریں۔ البتہ اگر کوئی محبت سے شرعی طریق سے اس کا مالک بن کر منفی طور پر اپنے پاس رکھے تو مضائقہ نہیں۔ اس کا اعلان اور دوسروں کو دکھلانے کا اہتمام نہ کیا جاوے۔

حتی الامکان دنیا و مافیہا سے جی نہ لگاویں اور کسی وقت فکر آخرت سے غافل نہ ہوں ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں کہ اگر اسی وقت پیام اجل آجاوے۔ تو فکر اس تمنا کا مقتضی نہ ہو۔

لَوْلَا آخَرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَاصْدَقْ وَ أَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ
اور ہر وقت یہ سمجھیں کہ

شاید ہمیں نفس۔ نفس واپسین بود

اور علی الدوام دن کے گناہوں سے قبل رات کے اور رات کے گناہوں سے قبل دن کے استغفار کرتے رہیں اور حتی الوسع حقوق العباد سے سبکدوش رہیں۔"

قرض کے متعلق وصیت

"خدا تعالیٰ کے فضل سے اس وقت میرے ذمہ بالکل کسی کا قرض نہیں اور حق تعالیٰ کا جو معاملہ فضل اس ناکارہ کے ساتھ ہے۔ اس سے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اس سے محفوظ رہے گا۔ اور اگر اتفاق ہوا یا کسی کی امانت میرے پاس ہوئی۔ تو اس کی یادداشت زبانی یا تحریری ظاہر کر دی جائے گی۔ اس کے ضمن میں یہ امر بھی قابل اطلاق ہے کہ مہر اہلیہ کا بھی ادا کر چکا ہوں۔ مکان مسکونہ اور بعض دیگر اموال ملا کر یہ سب کام میں دے دیا۔ اس وقت وہ مکان خالص ان کی ملک ہے۔ وہ اس میں جو چاہیں تصرف کریں۔ اسی طرح اثاث البیت اکثر ان کی ملک ہے اور بعض جو مشترک یا خاص میری ملک ہے وہ ہم دونوں کو یاد ہے۔ ہر ایک کا قول اس میں انشاء اللہ تعالیٰ قابل تصدیق ہے۔"

۳۶۰
میرے ذمہ جو کسی کا دین (امانت وغیرہ) ہے۔ یا اوروں کے ذمہ میرا دین ہے۔ اس کی تفصیل میرے ڈیک کے ایک دراز میں ایک کمرچ کے بٹوہ میں ہے۔ اور کبھی مکان خورد کے کمرہ خورد کی الماری میں چوبی صندوقچہ میں بھی رکھ دی ہے۔ اور احتیاطاً سیاہ جلد والی بیاض میں بھی تلاش کر لیا جاوے اس بیاض میں جاتی ہے۔ اور احتیاطاً سیاہ جلد والی بیاض میں بھی تلاش کر لیا جاوے اس بیاض میں بعضی اور سرخیاں بھی نظر آویں گی۔ ان کا وصیت سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ ایک سرخی ملے گی۔ حساب طعام خانہ۔ اس کا معلوم وہ خرچ ہے جو اپنے کھانے کی بابت گھروں میں دیتا ہوں۔ ان سے پوچھ لیا جاوے کہ ان کا کچھ باقی ہے یا میرا کچھ نکلتا ہے۔ وہ دین کی فرد ہے۔"

تھیلی میں اگر کسی اہلیہ کے نام پر کوئی رقم جمع شدہ نظر آوے۔ وہ ان کو تملیکاً بہ توقع دوسری کو مساوی کر دینے کے دی گئی ہے۔ مگر نہ وہ ان سے واپس لی جاوے۔ نہ دوسری کو عدل کے واسطے اتنی دی جاوے۔ کیونکہ عدل واجب حیات کے ساتھ منقطع ہو چکا ہے۔ اور نیت کے سبب عدم عدل کا مواخذہ بھی نہ ہوگا۔ البتہ اگر ایک کو حالت یاس میں دنیا حجتہ شریعہ سے ثابت ہو جاوے۔ تو وہ واپس کر لیا جاوے۔

کتب خانہ کے متعلق وصیت

"میرے کتب خانہ میں ہر قسم کی اور بعض دوسرے فرقوں کی بھی کتابیں بلا میرے قصد کے جمع ہو گئی ہیں۔ سو محض ان کے کتب خانہ میں ہونے سے سب کی صحت مضامین کا شبہ نہ کیا جاوے۔ جو کتاب یا جو مضمون قواعد شرعیہ کے خلاف ہو اس کو باطل سمجھا جاوے۔

مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں جو کتب احقر کے آنے سے پہلے کی ہیں۔ ان کو مع ان کی فہرست کے جدا رکھا گیا ہے اور جو کتب میری معرفت آئی ہیں۔ وہ مع فہرست جدا ہیں۔ اور واقفین نے ان کے نقل وغیرہ کا مجھ کو پورا اختیار دیا ہے۔ اس لئے میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ اگر خدا نخواستہ کسی وقت یہاں ان سے انتفاع نہ ہو سکے۔ تو مدرسہ دیوبند میں ان کو منتقل کر دیا جائے۔"

تالیفات کے متعلق وصیت

تالیفات کے بعض مقامات مجھ سے اختصار موہم یا زیادت موہمہ یا غفلت سے کچھ لغزشیں بھی ہوئی ہیں۔ جو اس وقت ذہن میں حاضر ہیں۔ ان کی اطلاع جزئی طور پر دیتا ہوں۔ اور جو اس وقت ذہن میں حاضر نہیں ان کے لئے دو قاعدے عرض

امانات کے متعلق وصیت

امانات کی تھیلیوں یا لفافوں میں جو کہ میری ملک ہیں۔ اہل امانات کے نام اور پتے اور کچھ یادداشتیں لکھی ہوئی ہیں۔ ان پتوں پر ان لوگوں کو مع ان یادداشتوں کے بذریعہ خط و رجسٹری کے اطلاع کی جاوے اس اطلاع میں جو صرف ہوگا۔ وہ میرے ترکہ سے خرچ کیا جائے۔ اگر کوئی صاحب امانت زندہ نہ ہوں۔ تو ان کے ورثہ کو اس طرح اطلاع کی جاوے۔ مگر نابالغ کا حصہ ہر حال میں ان کو ہی پہنچایا جائے۔ اگر کسی کا جواب نہ آئے۔ تو علماء سے حکم شرعی پوچھ کر اس پر عمل کیا جاوے۔ اور تحقیق ورثہ میں بھی اس پر اسی مد اطلاع سے یعنی میرے ترکہ سے صرف ہوگا اور جس میں کچھ لکھا ہوا نہ ملے یا لفظ ذاتی لکھا ہوا ملے۔ وہ میری ملک ہے اور شامل ترکہ ہے۔ اور شاید کسی تھیلی میں لفظ حساب مشترک لکھا ہوا پایا جاوے۔ یہ وہ رقم ہے جس کو میں ہر مہینہ کے ختم پر گھروں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ مگر قبل تقسیم وہ میری ہے۔ اس میں تقسیم نہ ہوگی۔ البتہ ربح اس کا بھی نکال کر اس رقم میں شامل کر لیا جائے گا۔ جو اصل ترکہ سے بقدر ربح بعد وضع اخراجات تمیز و تکفین و ادائے دین امانات وغیرہ کی واپسی کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ اس

کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ میری کسی ایسی تصنیف میں جو اس محل لغزش سے متاثر ہو۔ اس کی اصلاح کر دی گئی ہو۔ اور متاخر ہونا تاریخ کے ملانے سے جو کہ ہر تصنیف کے آخر میں التزاماً لکھی گئی ہے۔ معلوم ہو سکتا ہے۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم کر لینا چاہیے کہ میری تالیفات میں جو مضمون متعارض ہو۔ اس میں اخیر کا قول میرا سمجھا جائے۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ ایسے مشتبہ کو دوسرے علماء محققین سے تحقیق کر لیا جاوے۔ اور ان کے قول کو میرے قول پر ترجیح دی جاوے۔ اس طرح اگر میرا لکھا کوئی مشتبہ فتویٰ کسی کی نظر سے گزرے۔ اس میں بھی یہی تقریر معروض ہے۔ کیونکہ بعض اوقات لکھنے کے بعد خود مجھ کو بعض جواہر کا غلط ہونا محقق ہوا ہے۔ میں نے سائل کا پتہ معلوم ہونے پر اس کو مطلع بھی کر دیا۔ لیکن پتہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں یا اس سائل کے پاس میری تصحیح کے محفوظ نہ رہنے کی تقدیر پر احتمال غلطی میں پڑنے کا ہو سکتا ہے۔ اس لئے احتیاطاً یہ عرض کیا گیا۔ اب اول جزئی غلطیوں کے مقامات کو نقل کرتا ہوں۔

مقام اول "بہشتی زیور" میں عشاء کے بعد چار سنتیں لکھ دی ہیں صحیح یہ ہے کہ دو سنت ہیں اور دو نفل۔

مقام دوم - بہشتی زیور میں ایام بیض ۱۲-۱۳-۱۴ تاریخوں کو لکھ دیا ہے۔ صبح ۱۳-۱۴-۱۵ ہیں۔

مقام سوم - تعلیم الدین و بہشتی زیور میں تیجے چالیسویں وغیرہ کے بدعت کے ہونے کے ذکر میں یہ لفظ لکھا گیا ہے۔ ضروری سمجھ کر کرنا اس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید غیر ضروری سمجھ کر کرنا جائز ہو۔ سو یہ قید واقعی تھی۔ احترازی نہ تھی۔ حکم یہ ہے کہ خواہ کسی طرح سے کرے بدعت ہے۔

مقام چہارم - "تعلیم الدین" میں قبروں پر چراغ جلانے کے بارہ میں یہ لفظ لکھا گیا ہے۔ "کثرت سے چراغ جلانا۔" اس میں بھی مثل مقام سوم کے سمجھنا چاہیے۔ حکم یہ ہے کہ ایک چراغ رکھنا بھی بدعت ہے۔

مقام پنجم - تعلیم الدین میں روپیہ کے پیسے ادھار لینے کو مطلقاً منع لکھ دیا

ہے۔ اور واقع میں اس حکم میں تفصیل ہے۔ اگر عقد میں پورے پیسے ٹھہرے ہوں۔ دونی چونی وغیرہ نہ ٹھہری ہوں۔ اور عاقد کے پاس مبادلہ کے وقت پیسے پورے موجود بھی ہوں۔ لیکن کسی وجہ سے اس وقت قبضہ نہیں کرایا۔ تب تو جائز ہے۔ اور اگر ایک شرط بھی مفقود ہو تو ناجائز ہے۔ چونکہ عام لوگ ان دونوں شرطوں کا لحاظ نہیں کرتے اس لئے انتظاماً علی الاطلاق منع کر دیا گیا ہے۔

مقام ششم - "شوق وطن" گیارہویں کتاب صفحہ ۲۳ میں ایک حدیث میں بوجہ غلطی نسخہ کے لم یومن لکھا گیا ہے۔ اور دوسرے کالم میں اس بناء پر ترجمہ بھی غلط ہو گیا۔ صحیح متن لم یوص ہے اور ترجمہ یہ ہونا چاہیے۔ جو شخص (باوجود ایسے حقوق متعلق ہونے کے جن میں وصیت کرنا واجب ہو) وصیت نہ کر جائے۔ اس کو مردوں کے ساتھ کلام کرنے کی اجازت نہیں ملتی۔ الخ

مقام ہفتم - یادگار دربار پر انوار کے بالکل آخر میں ایک مضمون از قبیل عملیات لکھا ہے وہ کسی بزرگ سے منقول نہیں۔ ایک صاحب کانپوری کا تب مضمون نے بہ نیت نفع وہاں کے مدرسہ کی ایک تاویل سے ایسا لکھ دیا ہے۔ اس لئے اس عمل کو منقول سمجھ کر استعمال نہ کریں۔ نیز اس کی ترکیب بھی بلا تکلف قواعد سنت پر منطبق نہیں ہوتی۔

"فروغ الایمان" میں ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ اگر پابندی احکام کے ساتھ ڈپٹی کلکٹری یا جج سٹری وغیرہ اختیار کرو۔ تو چشم ماروشن دل ماشادانتی۔ اس سے بظاہر شبہ ان اعمال کے جواز کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مقصود اس عبارت سے یہ ہے کہ اگر پابندی احکام کے ساتھ ترقی دنیوی ہو۔ تو اجازت ہے۔ یہ مثالیں خود مقصود نہیں بلکہ ان اعمال کا مشروع ہونا نہ ہونا محتاج تفصیل مستقل ہے۔ البتہ ان مثالوں کو ارعاء عنان و تسلم پر معمول کرنا چاہیے۔ اور ان کے جواز علی الاطلاق کا شبہ نہ کرنا چاہیے۔

میری تحریرات میں جو مضامین از قبیل علوم مکاشفہ ہیں۔ جو کہ علم تصوف کی ایک قسم ہے۔ جس کو حقائق و معارف سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور حج

شرعیہ ان سے ساکت ہیں۔ ان کو حسب قاعدہ اصولیہ و کلامیہ امور ثابتہ بدلائل شرعیہ کے درجہ میں نہ سمجھنا چاہیے۔ بلکہ بالکل اعتقاد نہ رکھنا بھی جائز ہے۔ اور اگر اعتقاد رکھے۔ تو محض احتمال کے درجے سے تجاوز نہ کرے۔"

اصلاح مسودات کے متعلق وصیت

"مولوی ظفر احمد (عثمانی) کو وصیت کرتا ہوں کہ جو مواعظ میری نظر اصلاحی سے رہ جائیں۔ بشرطیکہ مولوی شبیر علی یا خواجہ عزیز الحسن یا حکیم محمد مصطفیٰ یا اور جو ان کی نظر میں صلح للمعات ہوں۔ ان کی معیت میں ان پر منجانب مجلس نظر اصلاحی کر لیں۔"

غیر مکمل مسودات کی تکمیل کے متعلق وصیت

"جو مضمون میری طرف منسوب ہے۔ وہ بدوں میری نظر ثانی کے جس کی علامت جا بجا میرا بنانا ہے۔ جس کو میرا خط پہنچانے والے جان سکتے ہیں۔ اور مدت سے یہ بھی التزام ہے کہ اخیر میں یہ عبارت کہ معائنہ کردہ شد "لکھ کر دستخط کر دیتا ہوں۔ بسبب احتمال غلطی نقل کر کے میری طرف منسوب نہ کیا جاوے۔ (۲) ایسے غیر مکمل مضامین کی تکمیل بشرط امکان مولوی حبیب احمد صاحب و مولوی شبیر علی صاحب و مولوی ظفر احمد و مولوی حکیم محمد مصطفیٰ صاحب اور صرف صفائی مواعظ میں خواجہ عزیز الحسن صاحب سے یا جس کو یہ سب منتخب کریں۔ کرا لی جاوے۔ اور مسودہ اجمالیہ کی اگر تسوید تفصیلی میں تکلف معلوم ہو۔ تو ان کو بصورت ملفوظات ہی صاف کر لیں۔ (۳) اور اس صورت میں اس مضمون کی نسبت اس تکمیل کنندہ کی طرف کی جاوے اور تکمیل کنندہ کو ہر طرح کی اصلاح میں پورا اختیار ہے۔"

مکرر تحقیق تالیفات کے متعلق وصیت

"یہ سب مضامین میں اہم ہے۔ ضمیمہ تتمہ خامسہ تنبیہات کے مضمون ثانی میں بذیل نمبر ۴۷۲ ایک کتاب کا نام لکھا ہے۔ تصحیح الاغلاط۔ جس کی نسبت (لفظ) زیر تحریر لکھا ہے۔ اب بفضلہ تعالیٰ اس کا کام جاری ہو گیا ہے۔ حقیقت اس کتاب کی یہ ہے کہ مجھ کو اپنے فہم یا تحقیق پر وثوق تو کبھی نہیں ہوا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اپنے ساتھ اتنی بدگمانی بھی نہ تھی۔ کہ از خود اپنی زلات و اغلاط کی تفتیش کا اہتمام کرتا۔ البتہ اگر اتفاقاً کسی نے کسی غلطی کی اطلاع دی۔ محمد اللہ فوراً رجوع کر لیا۔ اور کسی نہ کسی موقع پر اس کو شائع کر دیا۔ چنانچہ میری تحریرات سے یہ بات ظاہر ہے خصوصاً امداد الفتاویٰ کے بعض حصص کے آخر میں ایک طویل فہرست بھی اس کی ملحق ہے یہ ایک دور ہے۔ پھر جب ان تنبیہات کی تعداد معتد بہ ہو گئی۔ تو مصلحت معلوم ہوئی۔ کہ اس کا ایک مستقل سلسلہ جاری رکھا جائے۔ چنانچہ ترجیح الراجح کی یہی حقیقت ہے۔ جس کا اس سند میں حصہ راجع ہو رہا ہے۔ اور یہ دوسرا دور ہے۔ پھر خیال یہ ہوا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ ہر لغزش پر کوئی نہ کوئی متنہب بھی کر دیا کرے۔ تو اس صورت میں بہت زلات اصلاح سے رہ جاویں گے۔ اس لئے اس کا یہ اہتمام کیا گیا کہ اہل علم میں سے ایسے متدین و معتمد علماء و عملاً حضرات کو جو نہ میری رعایت کریں اور نہ خواہ مخواہ کا عناد کریں۔ اپنی تمام مولفات پر نظر ثانی کرنے کیلئے منتخب کر کے ان کو یہ کام سپرد کر دیا گیا۔ کہ ایسے مواقع پر پوری تحقیق اور آزادی سے کام لے کر ایسے زلات کی تصحیح فرماویں۔ چنانچہ نہایت خوبی سے یہ کام ہو رہا ہے اور حقیقت اس کتاب کی یہی ہے۔ اور یہ تیسرا دور ہے۔"

میری وصیت یہ ہے کہ اگر میرے سامنے یہ کام مکمل نہ ہو۔ تو میرے بعد بھی اس کو جاری رکھیں۔ اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل و اشاعت کو سہل فرماویں۔ آمین۔ بحر متہ سید المرسلین علی اللہ علیہ و علی آکہ واصحابہ اجمعین۔"

سوانح حیات کے متعلق وصیت

چونکہ محبت میں اکثر مدح غیر واقعہ مشہور کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے میں اپنی سوانح کا لکھا جانا پسند نہیں کرتا۔ اگر کسی کو بہت ہی بے تابی کا شوق ہو۔ اور دوسرے اہل تدین و تحقیق بھی اجازت دیں تو روایت میں احتیاط شدید کو واجب سمجھنا چاہیئے۔ ورنہ میں بری ہوتا ہوں۔

خطوط کے متعلق وصیت

"میرے بعد میرے نام کے خطوط خواہ لفافے ہوں۔ یا کارڈ جوابی ہوں یا غیر جوابی اسی طرح منی آرڈر بھی وصول نہ کئے جاویں۔ بلکہ ان پر کیفیت لکھ کر واپس کر دیئے جاویں۔ البتہ اگر کوئی منی آرڈر کوپن سے مدرسہ کا معلوم ہو تو ڈاک والے اگر وعدہ کریں کہ مرسل کا خط دیکھ کر ہم دے دیں گے۔ تب تو جس قدر قانوناً گنجائش ہو۔ ڈاکخانہ میں امانت رکھا کر مرسل کے پاس خط بھیج کر دریافت کر لیا جاوے اور اس کا خط کا محصول میرے اس رجب سے دیا جائے۔ جو ترکہ میں سے اس غرض کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ پھر وہ خط اہل ڈاک کو دکھلا کر منی آرڈر وصول کر لیا جائے اور اگر اس طرح وصول کرنا خلاف قواعد ڈاکخانہ کے ہو۔ تو ابتداء ہی سے واپس کر دیا جائے۔"

اجازت یافتگان کے متعلق وصیت

"میں نے مختلف اوقات میں جن صاحبوں کو بیعت لینے اور تعلیم و تلقین کی اجازت دی ہے۔ ان میں سے بعض حضرات اگرچہ وہ قلیل ہی ہیں۔ مجھ سے خط و

تنقید متعلق مولفات خود

"یوں تو اپنے جمیع مولفات کے متعلق احتیاطاً مشورہ دیتا ہوں کہ دوسرے محققین علماء سے ان کی تنقید کرا کر عمل کریں۔ مگر بعض مولفات کی نسبت خصوصیت سے کچھ تنبیہات کرتا ہوں۔

۱۔ انوار الوجود کو عام لوگ نہ دیکھیں اور خواص بھی ان کو صرف ذوقیات و لطائف کے درجہ سے آگے نہ بڑھادیں۔

۲۔ نیل الشفاء کے متعلق النور نمبر ۹ جلد ۳ میں ایک تنبیہ شائع ہوئی ہے۔ اس کے خلاف نہ کریں۔

۳۔ فیصلہ ہفت مسئلہ کے متعلق تنبیہات وصیت کی تنبیہ و ہم و ہم واجب العمل ہے۔

۴۔ ہشتی زیور و گوہر و امداد الفتاویٰ مع تتمات اور حوادث کے ساتھ ترجیح الراجح کا ضرور مطالعہ فرماویں کہ اس میں بہت سے مقامات کی اصلاح ہے۔ اور مکمل دلائل ہشتی زیور و گوہر کی طبع میں مولوی شبیر علی نے ان ضروری اصلاحات کو لیا بھی ہے۔

۵۔ جمال القرآن میں متعدد تسامحات ہو گئے ہیں۔ اب اصلاح کے بعد مولوی شبیر علی اس کو مکرر شائع کرنے والے ہیں۔ اس کو مکمل سمجھیں۔

۶۔ نصیح الاخوان کے بعض مضامین میں بھی بعض علماء نے بعض عبارات کے ابہمال یا ابہام کے سبب اختلاف کیا ہے۔ کسی محقق سے سبقاً سبقاً پڑھ لیں۔ اور اختلاف میں جو حق ثابت ہو اس کا اتباع کریں۔

۷۔ مسائل اہل الخلقہ میں میری آخری تحریر کو قول فیصل نہ سمجھیں۔ مستقل تحقیق کر لیں۔

آخر میں دعا ہے کہ حق تعالیٰ میری خطا و عہد کو معاف فرماویں۔ اور میری

۳۶۸
کتابت اس قدر کم رکھتے ہیں کہ وہ ان کے موجودہ حالات کے اندازہ کرنے کیلئے کافی نہیں اور اجازت کی حالت کا (کہ ان کا حاصل حالاً درستی اور بنا بر مناسبت بالواقعہ رسوخ ہے۔ متغیر ہو جانا کچھ مستبعد نہیں۔

فان الحی لاتومی علیہ الفتنة
بلکہ یہ احتمال بعد راسخ ہو جانے کے بھی محال نہیں۔ اگرچہ نادر بحکم معدوم ہے کیونکہ رسوخ واقعی کا جس میں تغیر عادی محال ہے علم قطعی کس کو ہو سکتا ہے۔ اور غن کی خود حقیقت منجانب مخالف کے مشتمل ہونے کو بتلا رہی ہے۔ اس لئے احتیاطاً سب مجازین کے متعلق بالتصو ص مکتبت نہ رکھنے والوں کے بارہ میں یہ عرض عام ہے کہ ان سے رجوع کرنے میں محض میری اجازت پر اعتماد نہ رکھیں۔ بلکہ جو علامات احقر نے "تعلیم الدین" میں صاحب کمال کی لکھی ہیں ان پر منطبق کر کے عمل کریں۔ میں اپنے بعد اس کا بار نہیں رکھنا چاہتا۔

چونکہ بعض کے حالات ہی معلوم نہیں ہوتے۔ اور بعض کے حالات مشتبہ رہنے میں آتے ہیں۔ اس لئے احتیاطاً انتخاب کے بعد مجازین کی ایک مستقل فہرست تجویز کرتا ہوں۔ ان کے سوا اوروں کو فی الحال مجاز نہ سمجھا جائے۔ البتہ اگر کسی کا حال قابل اطمینان ثابت ہو گا اس کا نام از سر نو درج کیا جاوے گا۔ بقیہ اوروں کو مجاز نہ سمجھنا ان کی صلاحیت کی نفی نہیں۔ میرے علم صلاحیت کی نفی ہے۔ یعنی ان کے قابل اجازت ہونے کی مجھ کو تحقیق نہیں۔"

وصیت متعلق معاش اہل علم

"چونکہ ظاہر بینوں کو اہل علم پر شبہ دین فروشی کا ہو جاتا ہے اس لئے مدت سے خیال تھا کہ اہل علم کو کچھ حلال صنعتیں و حرفتیں بھی سیکھ لینا چاہیے۔ تاکہ اگر توکل کے ساتھ دین کی خدمت نہ کر سکیں۔ تو ان ذرائع سے اکتساب معاش کر کے اپنی اور دینی کی آبرو محفوظ رکھ سکیں۔ ذیل میں ایک فہرست ان ذرائع کی مع ان

۳۶۹
ماہرین کے نام و نشان کے دی جاتی ہے۔ جنہوں نے علوم کے ساتھ ان کی تعلیم کر دیئے کا صراحتاً دلالت و وعدہ فرمایا ہے۔

- ۱- مدرس اسلام آباد پبلی شنگ میرٹھ محلہ کرم علی
 - ۲- زراعت حاجی عزیز الرحمن صاحب۔ لاہور پبلی شنگ میرٹھ
 - ۳- طب مولوی حکیم محمد مصطفیٰ صاحب میرٹھ محلہ کرم علی
 - ۴- بیگ سازی و چمڑا سازی فیبر کارخانہ ٹیسری و مولوی عبداللطیف صاحب
 - ۵- گھڑی ساز حافظ عبدالرزاق صاحب نصیر و ایچ کمپنی میرٹھ صدر بازار
 - ۶- کتابت و چھپائی منشی محبوب علی صاحب مطبع نامی میرٹھ
 - ۷- تجارت کتب محمد عثمان خاں صاحب تاجر کتب دربار کھلاں دہلی
 - ۸- صابون سازی میر معصوم علی ناروے سوپ کمپنی خیبر گمرور وازہ میرٹھ
 - ۹- حدادی
 - ۱۰- بخاری مستری محمد صدیق کیرانہ صناع مظفرنگر
 - ۱۱- بیٹری سازی
 - ۱۲- خیاطت سلیمان پوسٹ مین گدھی پورہ صناع مظفرنگر
 - ۱۳- صحافی یعنی جلد بندی
 - ۱۴- ٹین سازی
 - ۱۵- ازمت اسکول ہائے سرکاری بذریعہ امتحان مولوی فاضل و غیرہ۔
- بجلا اب احتیاط و اہتمام کہاں۔ اس کی نظیر تو عہد متاخرین میں بھی باسانی ملنی مشکل ہے۔

علاقت و رحلت

قابل رشک صحت
حضرت تھانوی کی صحت کے متعلق مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی لکھتے

ہیں کہ:
"حضرت کی صحت جسمانی مدتوں قابل رشک رہی ایک توجہ قدرۃ قوی تھا۔ کاٹھی اچھی تھی۔ اور پھر حضرت کی احتیاط خوئے اعتدال اور ہر بد پریری سے پرہیز۔ میلوں چلنے اور خوب چلنے کی عادت، نتیجہ قدرۃ یہ تھا کہ اپنے اصل سن سے ۱۰-۱۵ سال کم معلوم ہوتے تھے اور مدتوں بیماری پاس بھی نہیں بھٹکنے پائی (حکیم الامت ص ۵۳۰) ۷۲ سال کی عمر میں بھی رات کے وقت لکھنے پڑھنے کا کام بے تکلف بلا عینک کی مدد کے کر لیتے تھے۔"

(ایضاً ص ۲۹۸)

وفات کی پیش گوئی

مولانا دریا بادی کا اکثر تھانہ بھون آنا جانا رہتا تھا۔ نومبر ۱۹۳۲ء کے آغاز میں جب ان کی وہاں حاضری ہوئی۔ تو پہلی دفعہ ان کے کان چند ایسے فقروں سے آشنا ہونے۔ جن کے سننے کے لئے نہ تو وہ تیار تھے۔ اور نہ سمجھتے تھے: "اب کی بار طبیعت کو ذرا ناساز پایا۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ ایک روز صبح کی مجلس خصوصی میں کچھ الفاظ اس طرح کے ادا فرمائے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اب

اپنا وقت موعود قریب سمجھ رہے ہیں۔ کلمات میں یاس کا پہلو مطلق نہ تھا۔ کچھ اس طرح کا ذکر تھا کہ لکھنے پڑھنے کا کام جو کرنا تھا۔ وہ کر چکا۔ یہ کلمات کچھ اس موثر انداز میں زبان مبارک سے نکلے کہ میرا تو دل لرز گیا۔ اور یہ خیال کر کے کہ شمع اب جلد ہی بجھنے والی ہے۔ وہیں سر مغل آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔"

(حکیم الامت ص ۵۰-۲۳۹)

اس سے ان کے دل میں جو ایک خطرہ سا پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی تصدیق کے لئے انھوں نے اپنے ۲۳ دسمبر ۱۳۲۲ء کے مکتوب میں حضرت تھانوی کو لکھا کہ:

"رسالہ استواء کے خاتمہ پر جو عربی عبارت درج ہوئی ہے اس سے دل بہت متاثر ہوا کہ اب تصنیف و تالیف کا دور ختم ہو گیا۔ پچھلے مہینہ زبانی میں نے جناب والا سے یہی مضمون سنا تھا۔ اس وقت بھی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ بلا تشبیہ وہی کیفیت ہوئی جو آہ

اليوم اكملت لكم دينكم... الخ
کو سن کر حضرت صدیق کی ہوئی تھی۔ خدا جانے آپ کو کیا کچھ معلوم ہوا ہوگا۔ جب ہی تو آپ نے اپنی تصانیف کے خاتمہ کا اعلان فرما دیا۔" حضرت نے اس آخری سوال کے جواب میں لکھا کہ:

"صوف بڑھاپا اور کچھ نہیں۔"

مولانا دریا بادی کی اس خواہش کا جواب کہ:

"میں تو خالص اپنی خود غرضی کی بناء پر دعا کرتا ہوں کہ جب تک میں زندہ رہوں کم از کم اس وقت تک تو ضرور ہی جناب کو زندگی عطا ہو۔"

تو آپ نے لکھا کہ:

"اور اگر پھر کوئی یہی دعا کرے۔ تو میں کہاں تک کھینچتا چلا جاؤں۔ یہ دعا

کیجئے کہ وہاں سب مل جائیں۔"

(حکیم الامت ص ۲۷۳)

آغاز ضعف

اس کے بعد ۱۹۳۳ء میں پہلی بار حضرت کے زبان و قلم پر اپنے قوی خصوصاً قوائے دماغی کے متعلق ایسے الفاظ آنے لگے:

"اب میرا دماغ متحمل نہیں رہا۔" (حکیم الامت ص ۳۶۰)

"اب غارِ نظر سے دیکھنے کی ہمت نہیں رہی۔" (ایضاً ص ۳۷۲)

لیکن آخر کب تک اور کب تک۔ اب سن ۷۸ سال کا تھا۔ اور ضعف نمایاں ہو چکا تھا۔ وسط ۱۹۳۸ء سے علالت مزاج مسلسل رہنے لگی۔ اس کی خبریں مختلف ذرائع سے آتی رہیں۔ سن سن کر ہول بڑھتا رہا۔ اور دعائیں اضطراب و اضطراب کے ساتھ ہونٹوں پر آتی رہیں۔" (حکیم الامت ص ۵۳۰)

مگر اس کے باوجود آپ کے ڈاک کے معمول میں فرق نہ آیا، البتہ ان میں حسبِ عذر کچھ نہ کچھ تخفیف ہوتی رہی۔ اور احباب میں سے جن کے طولِ طویل خط آتے۔ ان کو حتیٰ الوسع مایوس نہ فرماتے مگر آخر نوبت بایںجار سید کہ مولانا عبدالمجید صاحب کو "اطلاع خاص بنا بر بے تکلفی" ان الفاظ میں بھیجی:

"مدت سے دماغی کام سے قاصر ہو گیا ہوں اور اکثر ایسی خدمات (علمی فقہی سوالات کے جواب دینے کے) عذر کر کے دوسرے اہل علم کا پتہ دیتا ہوں۔ چنانچہ استفتاء عموماً واپس ہو جاتے ہیں۔ مگر آپ کے خط کے جواب میں عذر کرنے کو جی نہ چاہا۔ چونکہ طبع میں اضطراب محسوس ہوتا ہے۔ اس کے نفع کے انتظار میں رہا۔ کل قدرے نشاط معلوم ہوا۔ جواب لکھا۔ مگر اس قدر تعب ہوا کہ اس وقت تک دماغ میں درد اور طبیعت میں کسل غیر معمولی موجود ہے۔ اس تجربہ کے بعد صرف اس کی اجازت چاہتا ہوں کہ اگر کبھی کسی جواب سے تقاعد کا اتفاق ہو جائے تو اس عذر پر معمول فرمایا جاوے۔ لیکن سوال میں آپ بالکل آزاد ہیں۔" (حکیم الامت ص ۵۳۶)

مرض الموت

خواجہ عزیز الحسن صاحب خاتمۃ السوانح میں لکھتے ہیں کہ:

"اصل مرض وفات ضعف معدہ اور ورم جگر تھا۔ جس کے آثار یہ تھے کہ کبھی قبض لاحق ہو جاتا۔ جس سے حضرت اقدس کو سنت الجھن اور اذیت ہوتی۔ اور کبھی دستوں کے دورے ہونے لگتے۔ جس سے شدید ضعف ہو جاتا۔ علاوہ بریں مختلف اعضاء پر ورم بھی رہنے لگا تھا۔ آخر زمانہ میں اشتہا مفقود ہو گئی تھی۔ اور اکثر اوقات غنودگی کا عالم طاری رہنے لگا تھا۔ ان میں سے اکثر شکایات کم و بیش تقریباً پانچ سال متواتر رہیں۔ اس عرصہ میں علاج براہِ جاری رہا۔ جس کے سلسلہ میں ایک بار سہارنپور اور دوبار لکھنؤ بھی معتد بہ مدت تک قیام فرمایا۔ مختلف طبیب بھی بد لے۔ جنہوں نے نہایت دل سوزی اور والہانہ توجہ سے علاج کیا۔ کیونکہ ان میں اکثر معتقدین جاں نثار تھے۔ لیکن اگر کبھی افادہ ہوا تو محض عارضی ہوا۔ مرض کا استیصال کبھی کسی علاج سے نہ ہو سکا۔ بالآخر نوبت بایںجار سید کہ سقوط اشتہا کے باعث غذا تقریباً بالکل متروک ہو گئی۔ اور ضعف روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس کی جانب حضرت اقدس بار بار معالجین کی توجہ منعطف فرماتے رہے اور اس عنوان سے کہ جب یہ حالت ہے اس کا انجام سوچ لیا جائے۔ گو میں تو اس انجام کے لئے تیار ہوں۔ لیکن گوش گزار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔"

بالآخر باوجود انتہائی ضعف کے لکھنؤ کے طویل سفر کا پھر قصد فرمایا۔ لیکن اتنے میں دستوں کا آخری دورہ شروع ہو گیا۔ جس کا امتداد نہایت اشتداد کے ساتھ تقریباً ایک ماہ تک رہا۔ اور جس نے رفتہ رفتہ بالکل صاحبِ فراش کر کے سفر کا امکان ہی منقطع کر دیا۔ اس دوران میں وہ چند مرغوبات بھی چھوٹ گئیں جو کسی درجہ میں قوت پہنچاتی رہی تھیں۔ اس حالت کے متعلق وفات سے چند روز قبل حاضرین خاص سے فرمایا کہ اب تو کسی چیز کی بھی رغبت نہیں رہی۔ بس خواجہ

صاحب کا یہ شعر حال ہے۔
ہر تما دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

قوت قدسیہ
لیکن بایں ہمہ حضرت اقدس کی قوت قدسیہ الہی کار فرما تھی کہ باوجود صرف پوست و استخوان رہ جانے کے جس وقت غنودگی سے چھوٹتے ہوش و حواس تدبر و انتظام، تحقیق و تدقیق، ہمہ گیری و رسانی، فکر و استحکام و اہمیت رائے وغیرہ جملہ خصوصی اوصاف حضرت والا اپنے اس بے نظیر امتیازی شان سے نمودار ہونے لگتے۔ جو بحالت صحت ہمیشہ سے تھی۔ بس صرف آواز کی پستی کا فرق ہوتا۔ ان حالات میں آخر وقت تک نہ صرف خدام و متعلقین ہی کو بلکہ طبیبوں کو بھی افاقہ کا دھوکہ رہا۔ گویا دو چار روز سے چہرہ اقدس پر بھی جس کو اس سے قبل ہمیشہ انتہائی ضعف و علالت کی حالت میں بھی جو بصدر غب و داب و ہیبت شاہانہ ہی دیکھا گیا۔ ضعف کی خاص حالت تھی۔ اس سے مایوسی کے بھی خیالات آنے لگتے۔ خود حضرت نے بھی اس زمانہ میں بعض اوقات فرمایا کہ گو جسمانی تکلیف ہے۔ لیکن الحمد للہ طبیعت منشرح ہے۔ ایک بار فرمایا کہ کبھی کبھی خیال کرتا ہوں کہ بیکار تو پڑا ہی ہوں۔ لاؤ لیٹے لیٹے کچھ ذکر اللہ ہی کروں۔ لیکن ضعف اس قدر ہے کہ زبان اٹھتی ہیں نہیں۔ گو الحمد للہ قلب سے تو ذکر کرتا رہتا ہوں۔ ایک دن بعد عصر آنکھیں بند کئے حسب دستور کروٹ لیٹے ہوئے تھے۔ ہم لوگ سمجھے کہ غنودگی میں ہیں۔ مولوی جمیل احمد صاحب نے کچھ استفار کسی غذا کے متعلق کیا تو جھنجھلا کر آنکھیں بند کئے ہوئے فرمایا کیا واہیات ہے۔ ایک مشغول آدمی کو اپنی طرف متوجہ کرنا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا بہت اچھا۔ تو اپنے مخصوص طرز تنبیہ میں فرمایا کہ ہمیشہ یہی جواب ملتا ہے کہ بہت اچھا۔ لیکن عمل کبھی نہیں ہوتا۔

اس انتہائی عالم ضعف و انحطاط میں غنودگی کو سہی کر جواہرات زہانی لکھواتے رہے۔ ان سے بھی سننے والوں کو حیرت ہوتی تھی کہ ہر لحاظ سے ہر مضمون نہایت جامع مانع اور سارے ضروری پہلوؤں پر بالکل عادی ہوتا تھا۔ حالانکہ غنودگی بھی طاری ہو ہو جاتی۔ لیکن جب افاقہ ہوتا۔ پھر لکھوانا شروع فرمادیتے۔ اور تسلسل میں ذرا فرق نہ آنے پاتا۔ اسی دوران میں ایک مصوبت زدہ لڑکی کے جو حضرت اقدس کے کانپور کے زمانہ کے دیوبند معتقد بلکہ دوست کی بیٹی تھیں۔ ایک نہایت دردناک خط کو جو بہت طویل اور متعدد مضمونوں اور درخواستوں پر مشتمل تھا۔ پورا سنا۔ گو ہم لوگوں کے گمان میں کبھی کبھی غنودگی سی بھی طاری ہو گئی۔ لیکن جب اس کا یکجائی جواب لکھوایا تو سننے والے حاضرین مجلس کو حیرت ہو گئی۔ کیونکہ کوئی جز ایسا نہ چھوڑا۔ جس کا جواب نہ لکھا دیا ہو۔ اور وہ بھی نہایت شفقت آمیز، تسلی بخش، موثر۔ جامع۔ مانع اور باربط۔ دور غنودگی میں اس درجہ حاضر دماغی۔ اللہ اکبر۔

حقیقت غنودگی

ایسے ہی حالات کو دیکھ کر جناب حکیم خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے جو حضرت کے معالج تھے یہ فرمایا کہ یہ غنودگی طبی نہیں ہے بلکہ ظاہراً استعراق اور توجہ الی اللہ سے ماحول معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم نے بہت سے مریض غنودگی والے دیکھے ہیں۔ ان پر غنودگی سے افاقہ کے بعد بھی کچھ اثر اس کا کافی رہتا ہے۔ دماغ کچھ پھولا پھولا سا رہتا ہے۔ اور یہاں یہ حال ہے کہ خود غنودگی سے ہوشیار ہونے تو پھر دماغ پر غنودگی کا کوئی اثر ہی محسوس نہیں ہوتا۔ "اور حضرت چونکہ ہر حال میں حق تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے عادی تھے۔ تکلیف میں بھی کوئی نہ کوئی پہلو ایسا نکال لیتے تھے جو قابل فکر ہو۔ کسی بھی تکلیف میں کبھی کوئی شکایت حضرت کے قلب میں پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے آپ اس غنودگی کی یہ تعبیر فرماتے تھے کہ

۳۷۶
 "یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ کیونکہ غنودگی میں مرض کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔"
 (خاتمۃ السوانح ص ۳۰)

تفکر و تردد

ایسے نازک وقت میں عام طور پر لوگ مریض کی تسلی کرانے کی تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ مگر یہاں مریض طبع پرسی کرنے والوں کی فکر میں تھا۔ آپ انہیں اس عالم میں ایسے عجیب جواب دیتے تھے۔ جن سے نہ تردد پیدا ہوتا تھا۔ اور نہ بے فکری گویا بیماری کے اس شدید ترین دور میں بھی دماغ صحیح کام کر رہا تھا۔ فرماتے تھے کہ اگر یہ لکھ دیا جائے کہ طبیعت اچھی ہے۔ حالانکہ اچھی نہیں۔ تو اس میں پوچھنے والوں کے سوال کو گویا مہمل قرار دینا ہے۔ اور یہ بھی دل شکنی کا باعث ہے۔ نیز ان کا حق بھی ہے کہ ان کو طبیعت کا حال بتایا جائے۔ ہاں اس طور پر نہیں کہ وہ پریشان ہو جاویں۔ چنانچہ حضرت کسی کو تحریر فرمادیتے کہ بیماروں میں تندرست ہوں اور تندرستوں میں بیمار! کسی کو لکھوادیتے کہ مرض میں کمی ہے مگر ضعف میں زیادتی ہے۔ کسی کو لکھوادیتے کہ جیسا دیکھ گئے ہو۔ ویسا ہی ہوں۔ اور کسی کو لکھاتے کہ مزاج تو اچھا ہے۔ معدہ اچھا نہیں ہے۔ گویا آخری وقت بھی مصالحہ عقلیہ۔ جذبات نفسیہ اور ضروریات شرعیہ پر پوری طرح نظر رہی۔

سخت قد غن

شدت علالت کی اطلاع کی ہمیشہ خدام کو سخت ممانعت تھی۔ تاکہ دوسروں کو پریشانی نہ ہو مگر اس کے باوجود علالت کی خبریں دور دور از تک برابر پہنچ رہی تھیں۔ مشتاقان دید پروانہ وار خانقاہ اشرفیہ کی طرف دوڑ رہے تھے۔ اور دربار اشرفیہ

کے صائبطوں کی پابندیوں کو اس پریشانی کے عالم میں بھول رہے تھے۔ مگر صائبطوں کا بادشاہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی ان کی پوری طرح پابندی کر رہا تھا۔ کوئی پشاور سے بھاگا آ رہا ہے۔ تو کوئی گورکھپور سے اور کوئی کسی دوسرے دور دراز مقام سے بلا اطلاع آ رہا ہے۔ مگر ہر آنے والے سے یہی ارشاد ہوتا کہ اجازت نامہ کہاں ہے؟ جب وہ معذوری ظاہر کرتے اور اعتراف قصور کرتے تو فرماتے کہ تمہاری غلطی کا خمیازہ میں کیوں اٹھاؤں۔ پھر حاضرین سے خطاب کرتے کہ ان کو میں محروم کر کے بھی محروم نہیں کرتا ہوں۔ ایک سبق دے رہا ہوں ان کے ناکام واپس جانے کا یہ اثر ہوگا کہ یہ خبر سن کر دوسرے لوگ آنے بند ہو جائیں گے اور اس طرح ان کو فائدہ پہنچے گا۔ اسی بے اجازت آنے والے ہجوم میں ہمارے علامۃ العصر مورخ اسلام سید سلیمان ندوی بھی تھے۔ جو ہزاروں معتقدوں کی طرح زیارت کیلئے بے چین تھے۔ چنانچہ وہ بھی بلا اجازت تھانہ بھون کو چل پڑے لکھتے ہیں کہ:

"خاکسار بھی خلاف دستور بے اطلاع ۶ جولائی کو لکھنؤ سے روانہ ہو گیا اور ۷ کی دوپہر کو عین بارش کی حالت میں اسٹیشن سے خانقاہ تک پیادہ پا بھٹکتے ہوئے پہنچا۔ دریافت حال سے معلوم ہوا کہ افاقہ کی صورت ہے۔ جس سے تسکین ہوئی۔ میرا اس طرح خلاف دستور بے اطلاع اچانک پہنچ جانا حضرت کے لئے تعجب کا موجب ہوا۔ میری آمد کی خبر دینے والے سے پوچھا کہ "تم مولوی سلیمان کو پہچانتے بھی ہو یا یونہی کہہ رہے ہو۔" اس نے اثبات میں جواب دیا۔ تو ارشاد ہوا کہ "ان کی عادت بے اطلاع آنے کی نہ تھی۔" حضرت کے عزیز خاص مولانا جمیل احمد صاحب نے عرض کی علالت کی خبر سن کر چلے آئے ہوں گے۔ نماز ظہر کے بعد مجلس میں حاضر ہوئے۔ ضعف سے بستر پر لیٹے تھے۔ مصافحہ فرمایا۔ خاکسار نے دست مبارک کو بوسہ دیا شفقت سے بشارت ظاہر فرمائی۔ سفر کا حال پوچھا۔ کسی خادم کے ساتھ نہ لینے پر نصیحت فرمائی۔"

اہتمام مجلس

خواجہ عزیز الحسن صاحب لکھتے ہیں کہ:
 "باہر چھت کے بچے بیرونی اور مقامی مشتاقان دید گھنٹوں اس اشتیاق میں بیٹھے رہتے تھے کہ کب اطلاع کی نوبت آئے۔ اور محض ایک جھلک ہی دیکھنا نصیب ہو جائے۔ مگر اس کا موقع بھی بعض وقت نہ ملتا تھا۔ اور اکثر تو باوجود عدم باریابی ویسے ہی بیٹھے رہنے کو موجب تسلی سمجھتے تھے۔ ان کا برابر جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ جو باریاب بھی ہو جاتے تھے۔ تو صرف شروع میں۔ اور صرف دو چار کلمات حضرت کی زبان فیض ترجمان سے سننے ہی پاتے تھے کہ حضرت پر بے اختیارانہ طور پر عالم غنودگی طاری ہونے لگتا تھا۔ بس گویا اس شعر کا منظر آنکھوں کے سامنے ہوتا تھا۔

اف وہ پروانے کہ سمٹے ہی چلے جاتے ہیں
 ہائے وہ شمع کہ خاموش ہوئی جاتی ہے

مگر اس حال میں بھی کیا مجال کہ انتظامی شان میں فرق آجائے۔ باقاعدہ پرچے نوواردین و مقیمین کے پیش کئے جاتے اور ہر ایک پر بذات خود بوسائط حسب معمول سوال و جواب ہوتے۔ پھر کسی پر منظوری۔ کسی پر نام منظوری۔ کسی پر بشرائط و قیود منظوری دی جاتی۔ یہاں تک کہ کس کو کہاں بٹھایا جائے۔ اس پر حسب عادت پوری نظر تھی۔ ایک بار چند خاص خاص اہل علم حضرات وفات سے چند یوم پہلے مکرر مع رفقائے حاضر ہوئے۔ تو برآمدہ میں جگہ کم تھی۔ اس لئے حاضرین سے فرمایا کہ کچھ لوگ باہر تخت پر جا بیٹھیں۔ تاکہ جگہ ہو جائے۔ ہم لوگ بطور خود وہاں جا بیٹھے۔ بعض بدستور بیٹھے رہے۔ اس پر جائزہ لیا اور دریافت فرمایا کہ کون کون باہر بیٹھے ہیں۔ اور کون کون اندر ہیں۔ پھر ان میں سے بعض کو اندر بٹھایا۔ بعض کو باہر۔ ہر ایک کا نام خود پوچھتے تھے۔ کیونکہ سر اٹھا کر خود دیکھنے کی سکت ہی کہاں تھی اور جس کے لئے جو جگہ مناسب تھی۔ اس کو وہاں بٹھانے کے

لئے فرماتے جاتے تھے جب سب تجویز فرمودہ جگہوں پر بیٹھ چکے۔ تو فرمایا کہ ترجیح بلا مرجح کا کوئی شبہ نہ کریں۔ کیونکہ علاوہ فصل و کمال کے دیگر وجوہ بھی کسی کو اندر کسی کو باہر بٹھانے کے ہیں۔ پھر یہ بھی پوچھوایا کہ کسی صاحب کو ناگوار تو نہیں ہوا۔ اس پر سب نے عرض کیا کہ جی نہیں۔ تو ان سے فرمایا کہ اب تو یہ حالت مرض مستقل سی ہو گئی ہے۔ لہذا بار بار تشریف لانے کی بجائے وہیں سے دعا میں یاد فرمایا کریں۔"

(خاتمہ السونح ص ۳۱)

غرضیکہ بقول سید سلیمان ندوی

"اس ضعف و اضمحلال کی حالت میں بھی مجلس کا وقار۔ و ضبط اور اصول و قواعد کی پابندی بدستور جاری تھی۔ اور آخر لمحہ حیات تک اس میں فرق نہیں آیا۔" (یادرفنگان ص ۲۸۹)

آمادگی سفر آخرت

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"حضرت گو ضبط۔ صبر اور استقامت سے اپنی تکالیف ظاہر نہیں فرماتے

تھے۔ اور نہ آئندہ کے خطروں کو زبان پر لاتے تھے کہ دوسروں کو بے صبری نہ ہو۔

مگر بات بات سے سفر کی آمادگی ظاہر ہوتی تھی۔ گوان کی زندگی اور طرز زندگی جس

صفائی اور باقاعدگی کی عادی تھی۔ اس کا اثر یہ تھا کہ وقت اخیر کیلئے کوئی کام اٹھا

نہیں رکھا تھا۔ کہ سالک کو لمحہ کو لمحہ اخیر سمجھتا ہے۔ اور اسی کی تیاری رکھتا ہے۔

یہی حال حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تھا۔ کوئی چیز کرنی باقی نہ تھی تمام انتظامات

اور حساب کتاب اور وصایا سے پوری پوری فراغت تھی۔ عادت شریف تھی کہ آج

کا کام کبھی کل پر اٹھا کر نہیں رکھا۔ گویا ہر وقت آمادہ سفر تھے۔" (یادرفنگان ص

تعین آرام گاہ

صرف یہی نہیں بلکہ:

"ایک زمین لے کر اس کو ٹکیہ یا قبرستان خاص بنا کر وقف کر دیا تھا۔ ایک مختصر سے احاطہ کے اندر ایک زمین گھیر دی گئی تھی۔ جس میں کچھ درخت بھی لگا دیئے گئے تھے۔ چھوٹی سی مسجد اور ایک مختصر سا سائبان بھی اس میں ہے۔ اس میں دو سرے اعزہ اور خدام بھی آسودہ ہیں۔ ان کے بیچ میں اس مخدوم کی استراحت ابدی کے لئے زمین چنی گئی۔" (ایضاً ص ۲۹۸)

اور اسی گورستان میں آپ کی پیشوائی کیلئے آپ کے خدام خاص حکیم محمد مصطفیٰ صاحب، بمنوری میرٹھی اور جناب و صل بگرامی صاحب پیکے سے پہنچ کر آپ کا انتظار کر رہے تھے۔

آخری نصیحت

۲۹ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ کو یعنی وفات سے قریباً اٹھارہ یوم قبل حضرت قاری محمد طیب صاحب دوبارہ حاضر خدمت ہوئے۔ تو آپ نے آخری نصیحت فرمانے کے لئے مولانا شبیر علی صاحب۔ مولانا جمیل احمد صاحب ڈیڑھی علی سجاد صاحب اور خواجہ عزیز الحسن صاحب کو خاص طور پر مجلس میں طلب کیا۔ اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ مدرسہ دیوبند کے بارہ میں اپنی آخری اور مختصر رائے آپ سب حضرات کے سامنے ذکر کروں تاکہ بعد میں غلط انتساب کا احتمال نہ ہو۔

وقت مقررہ پر قاری صاحب اور متذکرہ بالا حضرات حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ غایت ضعیف کی وجہ سے آواز بہت پست تھی۔ اس لئے حاضرین کو قریب بلا لیا۔ تاکہ وہ آپ کی آخری نصیحت گوش ہوش سے سن سکیں۔ آپ نے احتیاطاً حاضرین سے دریافت بھی فرمایا کہ وہ تقریر سن رہے ہیں۔ یا نہ۔ جب انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ تو آپ نے کوئی سوا گھنٹہ بستر مرگ پر لیٹے لیٹے نہایت موثر انداز میں ایک مفصل مدلل۔ مکمل اور مسلسل تقریر مع تہنید فرمائی۔ جیسے کوئی

آخری تقریر

کانگریس کی تحریبی کاروائیوں کا فتنہ مرض وفات کے ایام میں زوروں پر تھا۔ اتفاقاً انہی دنوں مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند حاضر خدمت ہوئے۔ تو طول مرض اور ضعف شدید کے باوجود آپ نے چھوٹے گھر سے باہر چھتہ کے اندر چارپائی پر بیٹھے ہوئے ان کے سامنے گھنٹہ بھر ایک مفصل تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

"میں نے قرآن و سنت اور عمر بھر کے تجربہ نیز جن لوگوں کی خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ ان سب کے طرز عمل سے مدرسہ کے بارہ میں جو کچھ اصل سمجھا وہ یہ ہے مدارس اور ان کے متعلقین کو سیاسیات حاضرہ سے بالکل مجتنب رہنا چاہیئے اور صرف سیاسیات ہی سے نہیں بلکہ ہر اس کام سے جو تعلیمی مشاغل میں خلل

انداز ہو۔ اگرچہ وہ نام فی نفسہ کیسا ہی محمود اور مفید کیوں نہ ہو۔ ہمارے بزرگوں نے طلباء کو بیعت کرنے اور سلوک میں مشغول ہونے سے بھی باوجود اس کے اہم سمجھنے کے طالب علمی کے زمانہ میں ہمیشہ منع فرمایا ہے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ بھی کسی طالب علم کو فراغت سے پہلے بیعت نہ فرماتے تھے۔ پھر کسی سیاسی اور ملکی تحریک میں شرکت کیسے گوارا کی جاسکتی ہے۔"

(خاتمہ السونخ ص ۲۵)

حضرت مہتمم صاحب نے اس تقریر کو حرف برف تسلیم کیا اور اس کی مطابق عمل کرنے کی کوشش کا اظہار فرمایا جس سے حضرت بہت مسرور ہوئے اور دعائیں دیں۔

۳۸۲
حکومت دی تھی اور جس دین کو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ اس کو ان کے لئے قوت دے گا۔

یہاں ایمان و عمل صالح کو شرط قرار دیا جا رہا ہے۔

تَمَكِّينَ فِي الْأَرْضِ

کی۔ جس سے تمکین و سیاست کا مقصود اصلی ہونا لازم آتا ہے۔ سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں ایمان اور عمل صالح پر تمکین و شوکت کا وعدہ کیا گیا ہے اور بطور خاصیت کے شوکت کا دین پر ترتب ہونا ذکر فرمایا گیا ہے۔ پس دین پر سیاست و قوت موعود ہوئی۔ لیکن ہر موعود کا مقصود ہونا ضروری نہیں۔ ورنہ آیت کریمہ: وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكْلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ۔

ترجمہ: اور اگر یہ لوگ تورات کی اور انجیل کی۔ اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی ہے۔ (قرآن مجید) اس کی پوری پابندی کرتے۔ تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے۔

جس میں اقامت تورات و انجیل یعنی عمل بالقرآن پر وسعت رزق کا وعدہ کیا گیا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ دین سے یہ مقصود ہے۔ بلکہ دین پر موعود ہے کہ دین دار بھوکا نہ لگا نہیں رہ سکتا۔ پس موعود کا مقصود ہونا ضروری نہیں۔ یہاں بھی ایمان و عمل صالح پر شوکت و قوت اور سیاست و دیانت میں سیاست وسیلہ ہے۔ اور دیانت مقصود اصلی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیاست کسی درجہ میں بھی مطلوب نہیں۔ بلکہ اس کا درجہ بتلانا مقصود ہے۔ کہ وہ خود مقصود اصلی نہیں۔ اور دیانت خود مقصود اصلی ہے۔ اسی بناء پر میرا خیال یہ ہے کہ ایک جماعت ایسی بھی رہ سکتی ہے۔ جو خالص حفاظت دیانت اور تعلیم دین میں مشغول رہے اور وہ جماعت اہل مدارس ہی کی ہو سکتی ہے۔ اس لئے میری پختہ رائے یہ ہے کہ طلبہ کو سیاسیات میں مبتلا نہ کیا جائے۔ طلباء اگر ان قصوں میں پڑ گئے تو وہ تعلیم سے بھی جاتے رہیں گے اور تربیت بھی ان کی نہ ہوگی۔ چنانچہ جب

۳۸۲
تصنیف شدہ رسالہ سنار ہے ہوں۔ اس آخری نصیحت میں آپ نے آفرمایا: "میں عرصہ سے بیمار ہوں۔ حیات کا اعتبار نہیں۔ اس وقت پھر مدرسہ دیوبند کے متعلق اپنا خیال صاف ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ مدرسہ دیوبند ایسی چیز نہیں کہ جس کے متعلق میں اپنی مختتم رائے ظاہر کیے بغیر چلا جاؤں۔ تاکہ بعد میں ہر فریق کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ وہ ہمارے موافق تھا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ۔

ترجمہ: وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین کی حکومت عطا کریں۔ تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فرض انجام دیں اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

اس سے واضح ہے کہ دیانات مقصود بالذات ہیں اور سیاسیات و جہاد مقصود اصلی نہیں بلکہ اقامت دیانت کا وسیلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیانت اور احکام دیانت تو انبیاء علیہم السلام کو مشترک طور پر سب کو دیئے گئے اور سیاسیات و جہاد سب کو نہیں دیا گیا۔ بلکہ جہاں ضرورت و مصلحت سمجھی گئی۔ دی گئی۔ ورنہ نہیں۔ وسائل کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ بقدر ضرورت ہی لئے جاتے ہیں۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ دوسری آیت میں تو اس کے خلاف مضمون موجود ہے جس سے دیانت کا وسیلہ ہونا اور تمکین فی الارض اور سیاست کا مقصود ہونا سمجھ میں آ رہا ہے اور وہ یہ ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ۔

ترجمہ: تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا۔ جیسا ان سے پہلے لوگوں کو

سے طلباء کو اس سلسلہ میں ڈال دیا گیا ہے ان میں آزادی پیدا ہو گئی ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ لوگ ہر وقت ان کی طرف سے متفکر اور خائف رہتے ہیں۔ میں نے اس سے پہلے بھی کئی بار یہ کہا اور اب بھی کہہ رہا ہوں لیکن میں اس کے قبول کے آثار نہیں دیکھتا۔ چنانچہ اب جو مضمون (مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے جواب میں) آپ کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ اس میں بھی بحق مدرسہ سیاسیات سے کوئی تبری نہیں کی گئی۔ بلکہ اخبارات معلوم ہوتا ہے۔ نیز اس بیان میں مناظرانہ صورت پیدا ہو گئی ہے۔ جس سے ذات لیکن برا اثر پڑتا ہے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے۔ آپ کو مجبور کرنے کیلئے نہیں بلکہ خود مجبور ہو کر کہا ہے تاکہ میرا طریق اور میری رائے تبلیغ میں نہ پڑ جائے۔ کہ میں نے ہمیشہ اس کی حفاظت کی ہے۔ یہاں تک کہ اپنے بزرگ و مشفق استاد حضرت مولانا (نمود الحسن) دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بھی اپنی رائے کے اخفا کو حیانت سمجھ کر ظاہر کر دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر میں تبلیغ کو گوارا کرتا۔ تو اس وقت حضرت کے لئے کرتا۔ اب اس کی کوئی وجہ نہیں۔

اگر آپ کو اس طرز عمل کی تنقید پر دارالعلوم میں قدرت نہیں ہے تو کم از کم اپنی رائے کا اعلان صاف طور پر کر دینا چاہیئے۔

مہتمم صاحب نے اس کا وعدہ فرمایا۔ حضرت نے مسرت و شفقت کا اظہار فرمایا۔ اور یہ مجلس ختم ہو گئی۔ اس تقریر کے دوران میں آپ کو سخت تکلیف ہوئی۔ بار بار رخسار مبارک تکیہ پر رکھ دیتے تھے۔

آخری عطیہ

آپ کی آخری تصنیف لطیف بوادر النوار کے ۲۵۰ نسخے آپ کی وفات سے چند روز قبل ہی جناب عبدالکریم صاحب ریٹائرڈ سیشن جج نے اپنے مصرف سے طبع کروا کر حضرت کی خدمت میں بھیجے۔ حضرت نے اسی وقت بعض خاص

مقربین کی فہرست تیار کرائی۔ جو غالباً ۶۱ تھے اور ہر ایک کو بوادر النوار کا ایک ایک نسخہ دینے کی ہدایت کی۔ مولوی سید سلیمان ندوی بھی اس وقت خانقاہ میں موجود تھے چونکہ ان کا نام بھی اس فہرست میں موجود تھا۔ اس لئے مولانا جمیل احمد صاحب نے حضرت کا یہ عطیہ وہیں انکے حوالے فرمایا۔ سید صاحب لکھتے ہیں کہ انہوں نے:

"حضرت کا یہ ارشاد سامی پہنچایا کہ میرے مصائب سے اقتباسات جمع کر کے شائع کرو۔ اس حکم کو اپنی ہدایت و رہنمائی کا نسخہ سمجھ کر اپنی سعادت کا اظہار کیا۔ دوسرے دن حاضری کے موقع پر حضرت نے اپنی زبان مبارک سے خود یہ ارشاد فرمانا چاہا تو خاکسار نے حضرت کی زحمت تکلم کے خیال سے عرض کیا کہ یہ ارشاد مبارک مولانا جمیل احمد صاحب کے ذریعہ پہنچ چکا ہے مگر وہاں سے اٹھنے کے بعد مولانا جمیل صاحب سے جب میں نے پوچھا کہ حضرت کا مقصود کیا ہے۔ یعنی اس کتاب بوادر سے اقتباس یا عام کتابوں سے انہوں نے فرمایا۔ اس کو اچھی طرح میں نے خود بھی نہیں سمجھا۔ بعد کی حاضری میں موقع پا کر میں نے تفصیل چاہی۔ تو ارشاد ہوا۔ عام کتابوں میں جو مضمون مفید نظر آئیں۔ ان کو یکجا کر لیا کرو۔" (یاد رفتگاں ص ۲۹۰)

اس فہرست میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کا نام نامی بھی تھا۔ اس آخری تقسیم سے جو کتابیں بچ رہیں ان کے متعلق فرمایا کہ وہ سب بھیجنے والے سیشن جج صاحب کو واپس کر دو۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا۔

آخری ملفوظ

۷ جولائی ۱۹۴۳ء سے حضرت پر غنودگی طاری رہنے لگی۔ اور استماع ملفوظات سے حاضرین محروم رہنے لگے۔ وفات سے دو چار روز قبل خواجہ عزیز الحسن

صاحب سے مصروف قیل و قال رہے۔ بہت ہی عجیب و غریب مضامین بیان فرماتے رہے اور بالآخر فرمایا کہ:

"خواجہ صاحب یہ باتیں ہیں لکھنے کی۔ خواجہ صاحب پھر یہ باتیں سننے میں نہ آئیں گی کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ کہیں اس کا اہتمام نہیں۔"

پھر مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی کا یہ مصرع پڑھا

ع.... راند ہو جائیں گے قانون و شہا میرے بعد

پھر مولانا عبد السمیع صاحب بیدل کا یہ شعر پڑھا

بیدل خستہ کو پاؤ گے کہاں
کر لو اس کی مہمانی چند روز

وفات سے صرف ایک روز قبل عصر کے قریب انتہائی نقاہت کے باوجود ملفوظات کا سلسلہ یکایک شروع فرما دیا۔ گو آواز بمشکل نکلتی تھی۔ اور تقریر نہایت آہستہ آہستہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زبان فیض ترجمان سے صادر ہوتی تھیں۔ اس حالت میں آپ نے فرمایا کہ:

"میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ میرے اعزہ مجھ سے لاکھ درجے بڑھ جائیں۔ مگر افسوس ہے کہ اب تک کوئی بڑھا نہیں۔ میں نے تو ہمیشہ اپنے کو موشیوں سے بھی بدتر اور کمتر سمجھا۔ لیکن حضرت حاجی صاحب کی جوتیوں کی برکت سے مجھے اول یوم ہی وہ بات نصیب ہو گئی۔ حضرت نے ایک ایسی بشارت دی۔ جس کو میں نے اس لئے کبھی ظاہر نہیں کیا۔ کہ گالیاں پڑیں گی۔ بڑے بڑے اکابر کا نام لے کر فرمایا۔ جن کی جوتیوں کی خاک کے برابر بھی میں اپنے آپ کو نہیں سمجھتا کہ یہ اب ان سے بڑھ چلے ہیں۔ میں ہمیشہ اس کو آئندہ کے لئے بشارت سمجھا کیونکہ اب تک تو میری حالت اس قابل کبھی نہیں ہوئی۔"

جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات الصلوٰۃ وما ملکت ایمانہم تھے۔ اسی طرح حضرت تھانوی کو بھی آخری فکر نماز اور حقوق کی تھی خواجہ صاحب سے آخری ایام میں فرماتے تھے کہ

"مجھے دو چیزوں کا بہت خیال ہے نماز کا اور حقوق کا۔"

بالآخر جب سر کرنے کی بھی سکت باقی نہ رہی تھی۔ تو لیٹے لیٹے تسمم اور اشاروں سے نماز ادا فرمانے لگے۔ اور اخیر وقت تک ایک نماز بھی قصا نہ کی۔ یہاں تک کہ آخری غشی اور انتقال سے تھوڑی ہی دیر پہلے دریافت فرمایا کہ مغرب میں کیا دیر ہے۔ عرض کیا گیا کہ دس منٹ ہیں۔ فوراً مکرر استفسار فرمایا کہ وقت کے آنے میں یا وقت کے جانے میں۔ آخری وقت میں بھی اس شان تدقیق نے سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

آخر وقت میں مولانا شبیر علی صاحب کو یاد فرمایا۔ وہ سہارن پور دوائی لینے کیلئے گئے ہوئے تھے۔ جس پر بہت افسوس فرمایا کہ مجھے خانقاہ کے متعلق ان سے کچھ کام تھا۔ اس پر بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ مجھ سے فرما دیجئے تو فرمایا کہ تمہاری سمجھ میں نہ آوے گا۔ اور پھر ان کی عدم موجودگی پر افسوس فرمانے لگے۔ اس پر انہوں نے اصل فرمایا کہ حاضرین میں سے کسی کو سمجھا دیا جائے تو اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔

اس کی الجھن دور کرنے کے لئے بیگم صاحبہ نے مولوی جمیل احمد صاحب کو پیش کیا کہ انکو سمجھا دیا جائے۔ تو حضرت نے ان کی توجہ کو دوسری طرف مبذول کرنے کیلئے امامت کا صندوق طلب فرمایا۔ بیگم صاحبہ بھی ماشاء اللہ بڑی فہمیدہ تھیں۔ وہ بات سمجھ گئی۔ اور انہوں نے پھر عرض کیا کہ مولوی جمیل اور مولوی ظفر کو سمجھا دیجئے۔ اس پر بھی خاموش رہے۔ دراصل یہ کوئی ایسے راز و اسرار کی بات تھی۔ جو مولانا شبیر علی کے سوا کسی اور کو بتانا نہیں چاہتے تھے۔ چونکہ اس سعادت سے بہرہ ور ہونا عند اللہ مطلوب نہ تھا۔ اس لئے مولانا شبیر علی صاحب

بروقت نہ پہنچ سکے۔
یہ باتیں سن کر کھر کی لڑکیاں رونے لگیں۔ چھوٹی بیگم صاحبہ نے عرض کیا کہ دیکھئے لڑکیاں رو رہی ہیں ایسی مایوس کن باتیں کیوں کر رہے ہیں۔ ایسی کیا جلدی ہے۔ صبح جب سانس کی تکلیف جاتی رہے۔ اس وقت سمجھا دیجئے۔ فرمایا رونے والی تو باڈی ہیں۔ میں مایوسی سے تھوڑا ہی کہہ رہا ہوں۔ حقوق العباد کا معاملہ ہے اور اللہ کا حکم ہے۔ اس لئے سب امانتوں کا سمجھا دینا ضروری ہے۔ پھر چھوٹی بیگم صاحبہ سے نماز مغرب ادا فرمانے کے بعد پوچھا کہ میں دونوں کو ماہوار خرچ دے چکا ہوں۔ انہوں نے تسلی دی۔ کہ ہمیں بہت کچھ مل چکا ہے۔ ہمارے پاس خرچ کیلئے بہت کافی موجود ہے۔ آپ دے چکے ہیں۔ بے فکر رہیں۔ پھر لفافوں میں سے امانتوں کی تہیں نکلوائیں۔ ایک میں چودہ آنے نکلے۔ فرمایا پندرہ آنے ہوں گے۔ مکرر دیکھنے پر اکنی اور اسی لفافہ سے برآمد ہوئی۔ دوسرے لفافہ سے کئی نکالی گئی پانچ روپے کے چھ نوٹ نکلے۔ اور کچھ ریزگاری تھیں۔ ان نوٹوں کو خود ہاتھ میں لے کر گننے کی کوشش کی۔ اور کچھ کہا بھی۔ مگر زبان لٹکھڑا چکی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اتنے میں غشی طاری ہو گئی۔ اور نوٹ سینے پر بکھر گئے۔

آخری ڈاک

بقول خواجہ عزیز الحسن مجذوب حضرت کو کام جلد سے جلد پورا کرنے کا بہت ہی اہتمام تھا۔ یہاں تک کہ آخری روز بھی ڈاک گھر والوں سے کہہ کر ڈبہ میں سے نکلوائی اور اپنے سامنے رکھوالی۔ پھر پتے دیکھ کر فرمایا کہ اٹھالو۔ کسی اپنے خاص جاننے والے کا کوئی خط نہیں ہے۔ ایک اہل خصوصیت کا دستی لفافہ آیا۔ غنودگی اور ضعف بے انتہا تھا۔ مگر اس کو خود اپنے دست مبارک سے حسب معمول اس طرح کھولا کہ چپکا ہوا پرت پھٹنے نہ پائے۔ گو اس طرح کھولنے میں خاصی دیر لگی۔ کیونکہ ناتواں انگلیاں اچھی طرح کام ہی نہیں دیتی تھیں۔ اور کچھ غنودگی کا اثر بھی تھا۔ پاس بیٹھنے والے بیچ و تاب کھا رہے تھے۔ کہ خود کھول دیں۔ اور حضرت

اقدس اس لعب سے بچ جاویں لیکن کسی کی مجال نہ تھی۔ کیونکہ حضرت اقدس کسی کی اعانت کسی کام میں حتی الامکان نہ لیتے تھے۔ اگر کوئی سبقت کرتا تو ناگواری کے ساتھ منع فرما دیتے۔

غرضیکہ آپ کا آخری عمل ڈاک کا ملاحظہ۔ خطوط کا جواب دینے کی کوشش۔ اور امانتوں کی سپردگی تھا۔ چونکہ طبیعت میں حقوق العباد کا غایت درجہ اہتمام تھا۔ اس لئے آخری وقت بھی اس کا خیال غالب رہا۔

آخری بشاشت

دوشنبہ (۱۹ جولائی سن ۱۳۳۳ء) کو کھل کر اجابت آجانے کی وجہ سے طبیعت ذرا اچھی ہو گئی تھی۔ بعد ظہر جب حکیم عبد البقید صاحب لکھنوی دیکھنے آئے تو حضرت نے خود نہایت تسلسل اور انشراح و قوت کے ساتھ اپنے حالات بیان فرمائے۔ غنودگی بالکل نہیں رہی۔ دماغ کھل گیا۔ اور کلام بالکل مسلسل ہے۔ نبض میں بھی بجائے ضعف کے قوت پیدا ہو گئی ہے اور واقعی حضرت کافی دیر تک حکیم صاحب سے بھی اور خدام سے بھی مرض و علل کے متعلق تندرستوں کی طرح گفتگو فرماتے رہے اور دوا پینے کے متعلق فرماتے رہے کہ

پر طبیعت ادھر نہیں آئی

غرضیکہ اس روز اس قسم کی گفتگو سے سب کو افاقہ کا دھوکا رہا۔

یوم وفات

۱۶ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء یوم سہ شنبہ کو صبح سے حضرت اقدس فرمانے لگے کہ آج تو ہاتھ پیروں کی جان سی نکل گئی ہے۔ ظہر

تغیر عظیم

خواجہ عزیز الحسن صاحب جو حضرت کے خاصان خاص میں سے تھے۔ لکھتے ہیں کہ:

"میں وتر کی نماز کے تشہد میں تھا کہ دفعۃً مجھے اپنے قلب میں ایک تغیر عظیم محسوس ہوا۔ جس نے مجھے پریشان کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے بالکل کورا ہو گیا۔ میں سوچنے لگا کہ یہ وہی بات تو نہیں ہے۔ جو حضرت اقدس فرمایا کرتے تھے کہ جب قطب الارشاد کی وفات ہوتی ہے تو اس وقت اہل احساس کو اپنے قلب میں تغیر محسوس ہوتا ہے اور کیفیات میں کمی محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا فیض عام ہوتا ہے۔ سب کو پہنچتا ہے۔ چاہے فیض پانے والے کو بھی یہ خبر نہ ہو کہ یہ فیض خاص کدھر سے آرہا ہے۔ بلکہ خود قطب الارشاد کو بھی کسی کی طرف سے فیض منتقل ہونے کا علم ہونا ضروری نہیں۔ جیسے آفتاب کی روشنی بلا اس کے قصد کے سب کو پہنچتی ہے۔"

یہ ارشاد یاد آکر گمان تو ضرور ہوا کہ اس تغیر کا سبب یہی ہے کہ حضرت اقدس عالم نزع میں ہی ہوں گے۔ پھر خیال ہوا کہ ابھی تو زندہ ہیں۔ گو عالم نزع میں سہی۔ یہ پہلے سے ہی اثر کیوں شروع ہو گیا۔ اس اشکال کا جواب ذہن میں یہ آیا کہ گوا بھی رحلت میں فرمائی۔ لیکن نزع میں اس عالم سے چونکہ بے توحی ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے اس کا اثر مثل وفات ہی کے ہو۔ لیکن جب میں نماز سے فارغ ہو کر در دولت پر واپس آ گیا۔ تو معلوم ہوا کہ ابھی ابھی پانچ منٹ ہوئے رحلت فرما گئے ہیں۔ اس وقت مجھے گمان غالب ہوا کہ وہ جو ایک تغیر خاص مجھے وتر کے تشہد کے وقت محسوس ہوا تھا۔ عجب نہیں حین پرواز روح مقدس کے وقت ہی ہوا ہو۔ کیونکہ فارغ ہو کر در دولت تک پہنچنے میں تقریباً اتنا ہی وقت صرف ہوا ہو گا۔ وہ تغیر مجھے

کے بعد سوہ تنفس پیدا ہو گیا۔ فرمایا کہ اتنی شدید تکلیف مجھے عمر بھی نہیں ہوئی۔ مگر کراہنے کی بجائے لفظ اللہ اس انداز سے فرمایا کہ سب کو کچھ تشویش سی ہو گئی۔ مگر گھبراہٹ کے آثار قطعاً نہیں پائے جاتے تھے۔ اسی وقت کیا۔ تمام بیماری کے دوران میں کوہ استقلال بنے رہے۔ اور اتنی شدید و مدید علالت کی ساری تکالیف کو مردانہ وار نہایت صبر و سکون سے برداشت فرماتے رہے۔ غرضیکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت اقدس کو یہ محسوس ہو گیا تھا کہ یہ میرا آخری دن ہے۔ آپ کو بتلایا گیا کہ حکمیوں نے شام کو چوزوں کی یخنی میں چاول ڈالنے کی اجازت دے دی ہے۔ تو فرمایا کہ چاہے میں اس وقت رہوں ہی نہیں۔ اسی طرح پھوٹی پیرانی صاحبہ سے فرمایا کہ آج تو ہم جارہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہاں؟ فرمایا کیا تم نہیں جانتی۔ آخری غشی سوا گھنٹہ طاری رہی اس کے بعد آخر تک ہوش نہ آیا۔ البتہ سانس تیزی سے اور آواز کے ساتھ چلتا رہا۔ مولوی ظفر احمد صاحب عثمانی یسین شریف پڑھتے رہے اور آب زم زم چچہ سے دہن مبارک میں ڈالتے رہے۔ خسرو دربار اشرفیہ خواجہ عزیز الحسن و دیگر حضرات نہایت حسرت سے حضرت کے اس دنیا سے رخصت ہونے کا نظارہ بے بسی کے عالم میں کھڑے دیکھ رہے تھے۔ کہ مستورات نے پردہ چاہا۔ اعزہ اندر رہے۔ اور باقی حضرات نماز عشاء ادا کرنے چلے گئے۔

"کے خبر تھی کہ ساعت موعود اتنی قریب آ گئی تھی۔ آفتاب علم و عرفان کی آخری کرنیں بھی روپوش ہونے کو تھیں۔ اللہ کی رحمت نااہلوں اور ناقد رے لوگوں سے واپس لی جا رہی تھی۔ رسول اسلام کا ایک سچا جانشین اپنے مالک و مولا کے دربار میں حضوری کے لئے بے قرار ہو رہا تھا۔ لشکر اسلام کا سب سے بڑا جرنیل دین کے ہر ہر محاذ۔ ہر ہر معرکہ۔ ہر ہر مورچہ کا دلور۔ اپنے جسم کا پور پور دین کی راہ میں چور چور کیے ہوئے قلب خاشع۔ نفس مطمئنہ کے ساتھ عالم ناسوت کی بالکل آخری منزلوں سے گزر رہا تھا۔" (حکیم الامت ص ۶۰۵)

وہ ابھی نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ آپ نے جان جان آفرین کے سپرد کر

۳۹۲
اس درجہ کا موس ہوا تھا کہ سلام پھیرنے کے بعد میں سخت پریشان ہو کر باآواز
بکھنے لگا کہ یا اللہ اگر حضرت اقدس کے بعد میری یہی حالت رہی تو میرا ایمان کیسے
سلامت رہے گا۔ (خاتمہ السوانح ص ۶۰)

نور کی کرنیں

چھوٹی بیگم صاحبہ نے بوقت نزع یہ دیکھا کہ جب سانس زور سے اوپر کو آتا
تھا۔ تو داپنے ہاتھ کی انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی کے درمیان پشت کی طرف
گھٹائی میں ایک ایسی تیز چمک جگنو کی سی پیدا ہو جاتی تھی کہ باوجود اس کے کہ بجلی
کے دو قہقے اس وقت روشن تھے۔ پھر بھی اس کی چمک غالب ہو جاتی تھی۔ پہلے تو
وہ یہ سمجھیں کہ کوئی جگنو آ بیٹھا ہے۔ لیکن جب دیر تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ تو پھر
انہوں نے دوسری مستورات کو بھی جو اس وقت ان کے قریب موجود تھیں دکھایا
کہ مجھے دھوکا ہو رہا ہے۔ یا تمہیں بھی یہ چمک نظر آرہی ہے؟ چنانچہ ان سب نے
دیکھ کر اس کی تصدیق کی۔ سانس بند ہو جانے کے بعد وہ چمک بھی بند ہو گئی۔ اور
پھر نظر نہ آئی۔

اس عجیب واقعہ کی ایک اہل علم اور صاحب ذوق خادم و مجاز حضرت اقدس
نے یہ توجیہ کی کہ یہ نور اس وجہ سے ظاہر ہوا کہ انہی دو انگلیوں سے بڑے بڑے
علوم و دقائق اور معارف و حقائق ایک طویل مدت تک معرض تحریر میں آتے
رہے۔ یہ نور اس کا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

تہمیز و تکفین

انتقال کے تھوڑی دیر بعد مولانا شبیر علی صاحب سہانپور سے دوائیں لے
کر واپس خانقاہ پہنچے۔ مگر اب نہ مرض باقی رہا تھا اور نہ مریض۔ مولانا نے فوراً گردو

۳۹۳
نواح کے صرف اہل خصوصیت اور اعزہ ہی کو آدمی بھیج کر اطلاع کی۔ مگر یہ خبر
وخت اثر بجلی کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔

تہمیز و تکفین کے متعلق یہ فیصلہ ہوا کہ صبح کو ہو۔ صبح کو ہی خبر کے لئے دو
آدمی سہارنپور بھیجے گئے۔ ایک مدرسہ مظاہر العلوم میں۔ جس سے حضرت کو بہت
روحانی تعلق تھا۔ دوسرا سہارنپور کے احباب کے پاس۔ اس صبح والی گاڑی کے
جانے اور دوسری گاڑی کے آنے میں آدھ گھنٹہ کا فاصلہ ہوتا تھا۔ اس لئے لوگ یہ
خبر سنتے ہی جس حال میں تھے۔ اسی حال میں چل پڑے۔

سپیشل گاڑی

پہلی گاڑی سے جو لوگ بچ گئے ان کے لئے محکمہ ریلوے نے فوراً ایک
سپیشل گاڑی سہارنپور سے تھانہ بھون کے لئے چلائی۔ اس طرح ہزاروں لوگ
شمولیت جنازہ کے لئے وہاں پہنچ گئے۔ ادھر مولانا شبیر علی صاحب کی زیر نگرانی
متعدد علماء صلحاء اچھی طرح مطابق سنت حضرت کو غسل دے چکے تھے۔ اور جنازہ
تیار کر کے باہر لانے لگے۔

بارانِ رحمت

اس وقت عجیب کھرام مچا ہوا تھا۔ کوئی رورہا تھا۔ کوئی چیخیں مار رہا تھا۔
ایک عجیب رقت انگیز نظارہ تھا۔ جس سے آسمان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔
اور جو نہی جنازہ گھر سے باہر نکلا۔ اس نے بھی ترشح کے ذریعہ اس مجدد الملت کو
آخری خراج تحسین ادا کیا۔ دفن تک بادل چھائے رہے اور تمام راستہ میں ترشح
سے خوب چھڑکاؤ سا ہو گیا۔

نماز جنازہ

بے پناہ ہجوم کے پیش نظر چارپائی کے ساتھ دو لمبے ہانس باندھ دیئے گئے اور چارپائی اٹھانے پر تو مستقل آدمی تعینات کر دیئے گئے اور لوگوں کو ہانسوں کی مدد سے کندھا دینے کی ہدایت کی گئی۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے جنہیں نماز جنازہ پڑھانے کی پہلے سے بشارت ہو چکی تھی۔ نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت کو "قبرستان عقبازاں" کے وسط میں آخری ٹینڈر ملا دیا گیا۔ جو حضرت نے خود زمین خرید کر وقف کیا تھا۔

مقام شہداء

نظام نکوینی کے ماتحت جب کسی آفتاب علم کے غروب کا وقت قریب آتا ہے تو صالحین کو عالم خواب میں قبل از وقت مطلع کر دیا جاتا ہے۔ اور بغرض ترغیب بعض اوقات ان کے انجام کی بھی خبر دے دی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت کی وفات سے چھ ماہ قبل ایک خادمہ رئیسہ کو عالم رویاء میں معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"مولانا اشرف علی کو غروب ہوتا ہوا آفتاب سمجھو۔" (اصدق الرویا)

اس کے پورے چھ ماہ بعد حضرت کا انتقال ہوا۔ اس طرح اور بھی بہت سے نیک لوگوں کو عالم رویاء میں مختلف طریق سے اس امر کی اطلاع ہوئی۔ اس رات کو حضرت کے ایک مجاز بیعت نے جن کو خوابوں سے خاص مناسبت ہے۔ بعد نصف شب کے حضرت کو خواب میں دیکھا۔ حضرت نے فرمایا کہ:

"مجھے مردہ نہ سمجھو۔ میں زندہ ہوں۔ جس طرح میری حیات میں مجھ سے فیض لیتے رہتے تھے۔ فیض لیتے رہنا۔ فیض ہوتا رہے گا۔ اور مجھے مقام شہداء نصیب ہوا ہے کہ دیا جاوے۔"

وفات کے آٹھویں روز صبح صادق کے قریب انہیں پھر ایسا خواب آیا۔ جس میں تاکید کی گئی کہ

"یہ خبر چھوٹی پیرانی صاحبہ کو پہنچا دو"

چنانچہ انہوں نے صبح پرچہ لکھ کر حضرت مخدومہ محترمہ چھوٹی بیگم صاحبہ کی خدمت میں دونوں خواب پہنچا دیئے۔

ان روئے صادق کی تائید دو حدیثوں سے بھی ہوتی ہے کہ پیٹ کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے اور حضرت کی وفات مرض اسہال سے ہوئی تھی۔ دوسرے فتنوں کے زمانہ میں سنت کو زندہ کرنے والے کے لئے بھی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی بشارت دی ہے۔ اور حضرت کی ساری عمر احیائے سنت میں گزری۔

مزار مبارک

حضرت تھانوی کے لئے دوسرے بزرگان دین کی طرح کوئی بڑا پر شکوہ مزار تعمیر نہ کیا گیا اور نہ ایسا ہو سکتا تھا۔ کہ جس نے ساری عمر رد بدعات و رسومات میں گزار دی ہو۔ اس کی وفات کے بعد ان کا آغاز ان کے مزار کی تعمیر سے کیا جاتا۔ حضرت کا مزار کس نوعیت کا ہے۔ اس کی تفصیل مولانا عبد الماجد صاحب کے بیان کے مطابق یہ ہے:

"اسٹیشن سے مزار کا فاصلہ ہی کتنا۔ پورے دو فرلانگ بھی تو نہیں اور مزار، آہ مزار! نہ کوئی بلند گنبد۔ نہ کوئی کلس و ارقبہ۔ نہ چار دیواری۔ نہ آستانہ۔ نہ جنگلہ۔ نہ کٹہرا۔ ایک اوسط درجہ کی وسعت کا باغ۔ ایک سمت میں ایک مختصر پر فضا عمارت وسط باغ میں چند گز مربع کا ایک مسطح تختہ۔ اور وہی اللہ کے اس شیر کی خواب گاہ! نہ شامیانہ۔ نہ چھت۔ صرف آسمان کی کھلی ہوئی چھت کے نیچے ایک نیچی سی کچی تربت! سادگی کی تصویر! صاحب قبر کی بے نفسی کا آئینہ۔ نہ لوح۔ نہ کتبہ۔ نہ پھول۔ نہ چادر۔ چند قدم کے فاصلے پر وصل

تاثر ماجدی

مولانا عبد الماجد دریابادی لکھتے ہیں کہ:
 "آہ! طبیبوں کی انگلی پر قائم کی ہوئی امیدوں کی بنیاد کیسی ریت پر ٹکلی
 بشری تدبیر نے خداوندی تقدیر کے مقابلہ میں کس بری طرح شکست کھائی۔ مولانا
 میرے استاد تھے۔ مقتدا تھے۔ سردار تھے۔ دل اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ میرے
 محبوب تھے۔ آہ!! کہ عقیدت۔ عظمت اور محبت جنوں ایک ہی وقت میں کچل کر
 رہ گئیں۔ تعزیت کا مستحق میں خود ہوں۔ کسی دوسرے سے کیا تعزیت کروں۔
 اللہ نے ان کی ذات میں نور حق کی ایک جھلک دکھادی تھی۔ ولی کامل کا نمونہ اس
 بیسویں صدی عیسوی میں دکھایا تھا۔

ما شمارا نور مطلق دیدہ ایم
 نور مطلق را ہمہ حق دیدہ ایم

دین کے خادم اور بزرگ اور بھی اس وقت اچھے اچھے موجود ہیں۔ پروہ ایک ہستی ان
 سے زالی۔ ان سب سے انوکھی۔ اپنی نظیر بس آپ تھی۔ عالم اسلامی میں اس سے
 بڑھ کر قیامت خیز حادثہ اس وقت اور کیا ہو سکتا ہے۔ دنیائے اسلام میں سنناٹا ہو
 گیا۔ وقت کا سب سے بڑا عالم۔ سب سے بڑا عارف محمد ﷺ کی فوج کا سب سے
 بڑا کار گزار اور وفادار جرنیل رفیق اعلیٰ سے جا ملا۔ ہم بد نعمت ایسی نعمت کے اہل ہی
 کب تھے؟ حیرت اس پر نہیں کہ نعمت عظمیٰ اپنے وقت پر واپس لے لی گئی۔
 حیرت اس پر ہے کہ اتنے دنوں ہم میں رہی کیسے؟
 تو بہار عالم دیگری زکجائیں چمن آمدی

اعتراف "برہان"

یوں تو ملک کے قریباً تمام موثر جرائد نے حضرت تھانوی کو خراج عقیدت

پیش کیا۔ مگر ذیل میں ہم صرف ان چند جرائد کی آراء پیش کرتے ہیں جو سیاسی اور
 مشربی لحاظ سے حضرت تھانوی کے مخالف تھے۔ دہلی کے مشہور رسالہ "البرہان"
 اپنے اگست ۱۹۳۳ء کے شمارہ میں حضرت کے متعلق لکھا کہ:

"یوں تو موت اس عالم آب و گل کی ہر اس چیز کے لئے ہی مقدر ہے۔ جو
 زندگی کا عارضی لباس پہن کر بساط ہستی پر نمودار ہوئی ہے۔ لیکن جس طرح زندگی
 زندگی میں فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک کی موت بھی یکساں نہیں ہوتی۔ کبھی
 کبھی ایسی اموات بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ جو صرف افراد و اشخاص کی اموات نہیں
 ہوتیں۔ بلکہ ان ہزاروں لاکھوں انسانوں کی عمارت حیات بھی اس سے متزلزل ہو
 جاتی ہے۔ جو مرنے والے کے دامن عقیدت و ارادت سے وابستہ ہوتے ہیں۔ پھر
 اس کی موت کا ماتم آنکھوں کے چند قطرہ ہائے اشک سے نہیں ہوتا۔ بلکہ ہزاروں
 دلوں کی پرسکون آبادیاں ایک مستقل غم کدہ آمل دمانی بن کر رہ جاتی ہیں۔
 امیدوں اور ولولوں کے چراغ بجھ جاتے ہیں۔ نشاط و کامرانی حیات کے آتش
 کدے سرد ہو جاتے ہیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس حادثہ جائگاہ نے کائنات
 عالم کی ہر چیز کو اداس اور غمگین بنا دیا ہے۔ اسی قسم کی ایک موت پر عربی شاعر
 نے کہا تھا۔

وما کان قیس ہلک ہلک واحد
 قیس کا مرنا صرف ایک شخص کا مرنا نہیں

ولکنہ بنیان قوم تہدما

بلکہ وہ ایک قوم کی بنیاد تھا جو منہدم ہو گئی

گزشتہ ماہ جولائی کی ۱۹، ۲۰ کی درمیانی شب کو تقریباً دس بجے حکیم الامت حضرت
 مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا جو سانحہ ارتحال پیش آیا وہ اسی قسم کا سانحہ تھا۔
 حضرت مولانا جس طرح شریعت کے عالم متبحر تھے۔ طریقت اور سلوک میں بھی
 مقام رفیع کے مالک تھے۔ ان کی ذات علوم ظاہری و باطنی کا مخزن تھی۔ علم سفینہ
 سے زیادہ علم سینہ ان کا اصلی جوہر اور زیور تھا۔ تحریریں علم و فضل کا معدن ہوتی

تھیں اور تقریر بھی بلا کی اثر انگیز تھی۔ وہ جس بات کو حق سمجھتے تھے اسے برملا کہتے اور کرتے تھے۔ اور اس میں انہیں کسی لومہ لائم کی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ خود ایک درویش گوشہ نشین تھے۔ مگر ان کا آستانہ بڑے بڑے ارباب ثروت و دولت اور اصحاب علم و فضل کی عقیدت گاہ تھا۔ جو بات اور جو عمل تھا۔ اخلاص اور دیانت کے ساتھ تھا۔ دنیوی وجاہت و شہرت اور مالی حرص کا شاید دل کے آس پاس بھی کہیں گزر نہ ہوا تھا۔ اپنے اصول اور اپنے عقیدہ و خیال پر اس مضبوطی اور پختگی سے عمل پیرا ہوتے تھے۔ کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کو اس سے منحرف نہیں کر سکتی تھی۔ حضرت مرحوم کا آستانہ معرفت و روحانیت کا ایک چشمہ صافی تھا۔ کہ ہزاروں تشنہ کام آتے اور سیراب ہو کر جاتے تھے۔ اور جن کی زندگیاں معصیت کوشی اور عصیاں آلودگی میں بسر ہوتی تھیں۔ یہاں سے پاک صاف ہو کر اور گوہر مقصود سے دامن آرزو بھر کر واپس لوٹتے تھے۔ ان کی زندگی اتباع سنت کا ایک زندہ درس اور ان کی گفتگو اسرار و رموز طریقت کا دفتر گرانمایہ تھی۔ بعض مسائل میں علماء ہند کی ایک جماعت کو ان سے ہمیشہ اختلاف رہا۔ لیکن تقویٰ و طہارت و تفقہ فی الدین شرعی علوم میں مہارت و بصیرت۔ راست گفتاری اور مخلصانہ عمل کوشی۔ انابت الی اللہ بے لوث خدمت دین۔ بیغرضانہ تلقین رشد و ہدایت۔ حضرت مرحوم کے یہ وہ اوصاف عالیہ اور فضائل حمیدہ تھے۔ جو ہر موافق اور مخالف کے نزدیک برابر مسلم رہے۔ بعض عوارض و اسقام کی بناء پر گوشہ نشین ہونے سے قبل اپنے مواعظ حسنہ اور اپنی کثیر تصانیف کے ذریعہ حضرت مرحوم نے اصلاح عقائد و اعمال اور ابطال رسوم و بدعات کی جو عظیم الشان خدمت انجام دی ہے۔ وہ غالباً تمام ہم عصروں میں ان کا واحد طفرائے امتیاز ہے قوم نے ان کو حکیم الامت کا خطاب دیا۔ اور بالکل بجا دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مرحوم نے اپنی تحریروں اور تقریروں سے ہزاروں انسانوں کے روحانی امراض کا ایسا کامیاب علاج کیا کہ جو خرف ریزے تھے۔ وہ گوہر آبدار بن گئے اور جو صرف پتیل تھے۔ وہ زر خالص ہو گئے۔

خراج "مدینہ"

حضرت کے مخالف کانگریس کے ترجمان اخبار "مدینہ" بمبئی نے یکم اگست ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں لکھا کہ:

"حکیم الامت مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ایک ایسا سانحہ ہے۔ جو اگرچہ اس کار گاہ ہست و بود میں بالکل فطری ہے۔ لیکن جس پر ماتم کرنے والی آنکھ کبھی خشک نہیں ہو سکتی۔ حکیم ثانی کے قول کے بموجب ایک مرد کامل کو پیدا ہونے میں صدیاں نہیں صدیوں سے بھی زیادہ ہی کا زمانہ درکار ہوتا ہے۔ پھر جب ایسا گوہر نایاب دنیا کو خوش قسمتی سے ہاتھ لگ جاتا ہے۔ تو اس کی جدائی جتنی بھی شاق گزرے کم ہے۔ خدا کے فضل سے مولانا تھانوی کی عمر بہت کافی ہوئی۔ اسی اور نوے سال کے بیچ عمر کے عدد کا پہنچ جانا آج کل کے پر از آلام و امراض زمانہ میں بہت بڑی بات ہے۔ پھر قدرت کی عنایت سے آپ کی صحت بھی اتنی اچھی رہی کہ سینکڑوں ہی کتابیں لکھ ڈالیں۔ لیکن پھر بھی آپ کی جدائی کا تصور آنکھوں کو اشکبار ہونے سے باز نہیں رکھ سکتا۔

دل کے جانے کا شہیدی حادثہ ایسا نہیں

نہ روئے آہ گر ہم عمر بھر رویا کئے

مولانا کی سیاسی رائے ہمیں کبھی اتفاق نہ ہوا۔ لیکن بایں ہمہ مولانا تھانوی کی علمی برتری اور ان کے طہارت و تقویٰ کی بلندی کے آگے ہمارا سر نیاز ہمیشہ جھکا رہا۔ مولانا ایک بے مثال فقیہ تھے۔ ایک عظیم النظیر مفسر تھے۔ بے مثال مستحکم اور بلند پایہ محدث تھے۔ پھر خوش قسمتی سے علم و فضل کی اس نعمت کے ساتھ ساتھ تصوف و طریقت کے میدان کے بھی شہسوار تھے۔ آپ کی خانقاہ اس صلاحت و گمراہی کے دور میں طالبان حق کے لئے روشنی کا بینارہ تھی۔ آپ کی ایک سب

۲۰۲
 سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کا دل دشمن سے بھی انتقام کا روادار نہ تھا۔
 چنانچہ آپ اپنے مخالفوں کے خلاف شاذ و نادر ہی کبھی کوئی لفظ زبان سے نکالتے
 تھے۔ آپ کی زندگی باقاعدہ تھی۔ کھانے پینے۔ سونے جاگنے اور اٹھنے بیٹھنے کے
 تمام اوقات مقرر تھے۔ جن پر سختی سے عمل فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی
 صحت آخر وقت تک قابل رشک طور پر اچھی رہی۔ ان تمام خصوصیات کے پیش
 نظر دعویٰ سے کہا جاسکتا ہے کہ ایسی جامع شخصیت اب دنیا بمشکل ہی پیدا کر سکے
 گی۔ غرض مولانا کی شخصیت ایک بلند و ممتاز حیثیت کی مالک تھی۔ آپ کے
 ارادت مندوں کی تعداد ملک میں کافی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس تعداد میں اچھے
 اچھے علماء و فضلاء اور بڑے بڑے اہل علم و بصیرت لوگ شامل ہیں۔

سیاسی بصیرت

ایک اور سیاسی جریدہ رقمطراز ہے کہ:

"۲۰، ۱۹ جولائی کی درمیانی شب میں مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ ۸۲ سال
 کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مولانا کی حکمت۔ تقویٰ اور ذہانت نے
 مسلمانوں کے ہر طبقہ کو متاثر کیا۔ تصنیفات کے اعتبار سے مولانا کو غیر معمولی
 شہرت حاصل ہے۔ معاشرت اسلامی پر آپ کی مبسوط کتاب "بہشتی زیور" بہت
 معروف ہے۔ اس کتاب سے لاکھوں عورتوں کو اسلام کی تعلیمات سے واقفیت
 حاصل ہوئی۔ اور عام طور پر طبقہ نسواں کی تعلیم میں اضافہ ہوا۔ خواص کے لئے
 شرح مثنوی مولانا روم اور بیان القرآن کی جید تصانیف ہمیشہ آپ کی یادگار رہیں
 گی۔ عام رسائل اور کتابیں اس درجہ مقبول و مطبوع ہوئیں کہ بقول ان کتابوں کی
 مجموعی قیمت چالیس لاکھ روپے سے کسی صورت میں کم نہیں۔ اس عام مقبولیت
 کے باوجود کسی ایک کتاب کا حق بھی مولانا نے اپنے لئے محفوظ نہیں رکھا۔ طبع و
 اشاعت کی عام اجازت رہی۔ اس سے مولانا کے اخلاص اور سیر چشمی کا اندازہ ہوتا

۲۰۳
 ہے۔ تازہ ترین شمار کے مطابق مولانا مرحوم کی کل تصانیف کی تعداد آٹھ سو تین
 ہے۔ عملی سیاسیات میں بصیرت نامہ رکھتے تھے۔ آپ اس کے کبھی موید نہیں
 رہے کہ مسلمان کانگریس میں شریک ہوں اس بناء پر کہ مسلم لیگ بہر حال
 مسلمانوں کی جماعت ہے۔ مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم کی حامی ہے۔ اسلامی طریقہ پر
 جماعت کے طور پر مسلمانوں کو اس میں شامل ہونا چاہیے۔"

مولانا واعظ کی حیثیت سے بھی ہندوستان میں بہت مشہور تھے۔ ہندوستان
 میں وسعت کے ساتھ آپ نے دورے کیے۔ آپ کے وعظوں میں ہزار ہا
 مسلمانوں کا مجمع ہوتا تھا۔ اور وہ متاثر ہو کر جاتے تھے۔ آپ کے مریدین کی تعداد
 بہت کثیر ہے۔ تحریر و تقریر اور ذاتی مثال کے ذریعہ چودھویں صدی کے اس
 نصف اول میں آپ نے وسعت کے ساتھ اسلامیت کی تبلیغ فرمائی۔ کھن سالی اور
 ذاتی حیثیت سے تقویٰ اور عمل کے معاملہ میں آپ کا خاص مرتبہ تھا۔ اس کے
 باوجود کہ مولانا نے پوری عمر پائی۔ لیکن پھر بھی افسوس ہے کہ یہ شمع علم و ہدایت
 بجھ گئی۔ اور مسلمانوں کی محفل سونی ہو گئی۔"

آخر

غرضیکہ بطور اعتراف حقیقت اس آفتاب علم کے غروب ہونے پر جرائد و
 دفتر نے جس قدر عقلمانی لکھے اور بیان دیئے۔ ان کے لئے ایک الگ دفتر کی
 ضرورت ہے۔ جس میں ہر ساعت اعلائے کلمۃ الحق میں گزری ہو۔ جس کا ہر
 نفس احیائے سنت اور تبلیغ شریعت میں صرف ہوا ہو۔ اس کی خدمت کا کیا
 اندازہ اور شمار ہو سکتا ہے۔

وصف اوہر گز نیاید در کلام
 پس سخن کوتاہ باید والسلام

بہترین دینی و اسلامی کتابیں

علمائے حق کی تصانیف	حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصانیف
تفسیر انوار البیان (مولانا ماسق الہی) تقریباً ۹ جلدیں	خطبات حکیم الامت (مواظ) ۲۷ جلدیں
دینی دسترخوان (عبد سبیلای انس میکلیپیٹا) ۲۱ جلد	طفوقات حکیم الامت (کال) ۱۰ جلد
اثبات حیات انبی (مجلد)	یکلہ مشنوی شرح مشنوی (کال) ۲۲ جلدیں
تفسیر بکیر (ایمان باطلہ سازد) مجلد	اصلاحی نصاب (دس رسائل کا مجموعہ)
تعلیمی پیکل حدیث مع ترجمہ و تشریح	اشرف الجواب (کال) ۳ حصے
کشکول مجددیت (مافنا کلام)	اصلاح خواتین (املی) مجلد
مجاہد حکیم الاسلام	تحفہ زوجین مجلد
سیرت مہتاب عرب صلی اللہ علیہ وسلم مجلد	اسلامی شادی مجلد
معمولات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مجلد	تحفہ العلماء (کال) ۲ جلد
اسوۃ الصالحین ترجمہ آداب الصالحین مجلد	اشرف التواضع (کال) ۳ جلد
خطبات طیب (۱۲ اہم خطبات کا مجموعہ) مجلد	امثال عبرت
راجست دارین	اسلامی تہذیب اور آداب زندگی مجلد
اقوال صوفیاء (ایک سو سے زائد اقوال) مجلد	عملیات و تعویذات کے شرعی احکام مجلد
آثار خیر (حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی مایفات)	آداب تقریر و تصنیف مجلد
تقاریر شیخ الہند (ترندی و ابوداؤد) مجلد	مکتوبات و ملفوظات اشرفیہ مجلد
تحفۃ النصار (املی) مجلد	تقریر ترندی شریف اُردو (کال) ۲ حصے
اسلام اور نکاح (رکس بورڈ کی جلد)	حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات کال مجلد
سُنن کبریٰ بیہقی کال دس جلد عربی	اصلاح الرسوم مجلد
ادجز الماسک شرح مؤطا مالک ۱۵ جلد عربی	بہشتی زیور املی چیزائے دین
لسان المیزان فی اسماء الرجال ابن عسبر عربی	تہلیل المواظ (کال بادن مواظ) ۲ جلد
مشکلات القرآن حضرت کشمیری عربی	تحفہ رمضان المبارک مجلد
تفسیر لغوی معالم التنزیل (عربی) ۳ جلد	دینی دعوت و تبلیغ کے اصول و احکام
نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض (عربی) ۳ جلد	مدرب اشرفیہ (مجلد) (آٹھ کتاب رسائل)
امانی الاجبار شرح معانی الآثار (کال) (عربی) ۳ جلد	تفسیر حل القرآن (کال) (دعوت تفسیر) ۲ جلد
زٹ، مفصل فہرست مفت طلب فرمائیں۔	زٹ، اس فہرست کی مکمل کتب خریدنے پر خصوصی رعایت

ملنے کا پتہ: **ادارۃ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گریٹ ملتان** فون ۳۰۵۰۱

بہترین دینی و آسمانی کتابیں

علمائے حق کی تصانیف تفسیر انوار البیان (مولانا مفتی اعظم) تقریباً ۹ جلدیں دینی دست خوان (جدید اسلامی انسائیکلو پیڈیا) ۲۱ جلد آب حیات (اثبات حیات انبی) ۱ جلد تقریر دلپذیر (ایمان باطل کا زہر) ۱ جلد تعلیمی چیل حدیث مع ترجمہ و تشریح (عاطف کلام) ۱ جلد محاسن حکیم الاسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱ جلد سیرت مہتاب (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱ جلد معمولات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱ جلد انوار الصالحین ترجمہ آداب الصالحین (۱۲ اہم خطبات کا مجموعہ) ۱ جلد خطبات طیب (۱۲ اہم خطبات کا مجموعہ) ۱ جلد راحت داریں (ایک سوسے زائد اقوال) ۱ جلد اقوال صوفیاء (حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی تالیفات) ۱ جلد آب حیات (ترغزی و ابواب) ۱ جلد تعارف (اصلی) ۱ جلد اسلام اور نظام (کس جلد) ۱ جلد سنن کبریٰ بیہقی کامل (کس جلد) ۱ جلد ادجز المالك شرح مؤطا مالک (۱۵ جلد عربی) لسان المسیران فی اسماء الرجال (عربی) ۱ جلد مشکلات القرآن حضرت کشمیریؒ (عربی) ۱ جلد تفسیر بغوی معالم التنزیل (عربی) ۱ جلد نسیم الرياض شرح شفا قاضی عیاض (عربی) ۱ جلد امانی الاحبار شرح معانی الآثار (عربی) ۱ جلد نوٹ: مفصل فہرست مفت طلب فرمائیں۔	حکیم الامت محمد دہلویؒ انوار اشرف علی تھانویؒ کی تصانیف خطبات حکیم الامت (مواظف) ۲۷ جلدیں طغوت حکیم الامت (کمال) ۱۰ جلد کلید مشنوی شریع مشنوی (کمال) ۲۲ جلدیں اصلاحی نصاب (کس رسائل کا مجموعہ) ۱ جلد اشرف الجواب (کمال) ۲ جلد اصلاح خواتین (اصلی) ۱ جلد تحفہ زوجین ۱ جلد اسلامی شادی ۱ جلد تحفہ العلماء (کمال) ۲ جلد اشرف السوانح (کمال) ۲ جلد امثال عبسرت ۱ جلد اسلامی تہذیب اور آداب زندگی ۱ جلد عملیات و تعویذات کے شرعی احکام ۱ جلد آداب تقریر و تصنیف ۱ جلد مکتوبات ملفوظات اشرفیہ ۱ جلد تقریر ترندی شریف (کمال) ۲ جلد حکیم الامت کے جہد و واقعات کمال ۱ جلد اصلاح الخلق ۱ جلد بہشت کی نگر ۱ جلد تہلیل المواقف (کامل باذن سواعظ) ۲ جلد تحفہ رمضان المبارک ۱ جلد دینی دعوت و تبلیغ کے اصول و احکام ۱ جلد معارف اشرفیہ (مجلد) (آٹھ باب رسائل) ۱ جلد تفسیر حل القلآن (کمال) (جامع تفسیر) ۲ جلد نوٹ: اس فہرست کی مکمل کتب خریدنے پر خصوصی رعایت
--	--

اِذَا رَأَيْتَ اَشْرَافَ بَنِي بَرْكُطْ لَمَّا
فَن، ٢٥٠١

پیشکش